

قاضی عبدالمجید قرشی مرحوم کی جملہ تالیفات و تصنیفات  
میں قاضی عبدالمجید قرشی مالک سیرت بکڈپو لاہور محفوظ ہیں

# دریں قرآن

## پارہ اول اللہ

37

از قلم

قاضی عبدالمجید قرشی مرحوم

بانی تحریک یوم النبی، سیرت کمیٹی، اخبار ایمان بیٹی  
مؤلف و مصنف کتب مشہورہ اسلام زندہ باد، اسوۂ ابراہیم،  
خطبات جمعہ، پیغام قرآن، انسانیت موت کے دروازے پر،  
وغیرہ وغیرہ

مطبوعہ بہ اہتمام

قاضی عبدالمجید قرشی برادر حقیقی قاضی صاحب مرحوم  
منجرو مالک سیرت بکڈپو لاہور

قیمت تین روپے چھہ آنے

۱۹۷۵  
۲۵  
۲۹۹۸  
۲۱

**DATA ENTERED**

## DATA ENTERED

جملہ امراض کی دوا آپ ایک سوکھتے ہوئے درخت کے پتوں پر کتنا بھی پانی چھڑکیں، وہ ہر نہیں ہوگا، صحیح طریق یہ ہے کہ آپ جڑ کو پانی دیجئے، پھر اس درخت کا ایک ایک ٹال اور ایک ایک پات از خود سرسبز ہو جائے گا۔ قوموں کی حالت بھی یہی ہے، افراد اقوام کے ایک ایک نقص اور ایک ایک کمزوری میں الجھے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ رسول اللہ کی قوم میں ہزاروں بیماریاں تھیں مگر حضور نے سب کے جواب میں انہیں صرف قرآن سکھایا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح سمندر کی بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں، اسی طرح قرآن کی تعلیم عربوں کی سب بیماریوں کو کھا گئی۔ اب آپ بھی مسلمانوں کو قرآن سکھائیں، ان کی تمام بیماریاں ختم ہو جائیں گی۔ سمجھو! قرآن ایک دوا ہے مسلمانوں کے جملہ امراض کی۔

حال اور مستقبل کی حفاظت | مسلمانوں کو سیاسی جداگانہ حقوق، صرف اسی وقت تک ملیں گے جب تک کہ وہ ایک جداگانہ قوم ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان، کسی نہ کسی وقت اپنی سیاسی تقدیر پر ضرور فائز ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ اپنی قومی خودی کو قائم رکھیں اور ہر سن اور ستھین کی طرح اکثریت کے سیلاب میں تحلیل ہو کر اپنے جماعتی وجود کو ضائع نہ ہونے دیں مسلمانوں کا قومی وجود اس بنیاد کو بچانے سے برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ جس پر مسلم قومیت کی عمارت کھڑی ہے، یہ بنیاد مسلمانوں کا مذہبی احساس ہے۔ جب تک مسلمانوں میں ایک مستقل مذہب کے پیرو ہونے کا احساس باقی رہے گا، ان کا قومی وجود ضرور اپنی جگہ پر محفوظ اور باقی رہے گا۔ پس اصل کام یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کا اللہ کے قائم اور دائم کلام سے رشتہ جوڑ دیا جائے۔ پھر انشاء اللہ ضرور مسلمانوں کا قومی وجود قائم

اور جماعتی مستقبل دائم ہو جائیگا۔

قرآن کی عمومی تبلیغ سے غفلت | ہر مسیحا اور مدرسہ میں چندہ کی اپیل کے وقت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے

کہ ہم نے قرآن پاک کو چاروں اٹک عالم میں پھیلا دیا ہے۔ لیکن اگر آپ اس دعویٰ کا کسی سٹرک یا بازار یا گاؤں میں کھڑے ہو کر امتحان کریں تو آپ کو قطعی طور پر یہ معلوم ہوگا کہ ایک سو میں ایک

مسلمان بھی قرآن کی سب سے پہلی آیت کا ترجمہ نہیں جانتا۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ دینی تعلیم

میں لاکھوں روپے سالانہ کے اخراجات کے باوجود ابھی تک قرآن پاک ہماری قوم کے ایک فیصد

اشخاص تک بھی نہیں پہنچا اور قرآن پاک کی تبلیغ عمومی کے تمام دعوے، فریب و دیریا ہیں یا بالکل

افسردہ دہائی۔ ایک دو سو برس پہلے انکار حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن قوم تک پہنچ گیا ہوتا تو وہ

اس قدر ذلیل اور کمزور نہ ہوتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ سورج نکلے اور روشنی نہ ہو؟

دوسرے قرآن کی اسکیم | تعلیم قرآن کی موجودہ صورت یہ ہے۔ بلا حد و انتہا تعلیم و تبلیغ قرآن کے

دائم پر سہ ماہی چند ماہانہ ہیں، پھر محض مذکورہ تیار کار راستہ صاف رکھنے کے لئے دو چار

درویشوں یا نازوں کو بٹھالیا جاتا ہے اور انہیں سالہا سال تک ایسے جھگڑے اور مسائل

سکھائے جاتے ہیں جن کی موجودہ زندگی میں کچھ بھی تیرست نہیں ہے۔ کیا تبلیغ و تعلیم قرآن

کا یہی وہ نظام ہے جس سے آپ و کروڑ مسلمانوں کے راہ یاب ہونے کی امیدیں بانٹھے جاتے ہیں

اب تک سننے بھی لوگوں نے قرآن پڑھایا، دو دو چار چار افراد کو پڑھایا۔ ہمارا مطلب یہ

ہے کہ پوری قوم کو بیک وقت مخاطب کریں اور پوری قوم کو بیک وقت قرآن پڑھائیں، اس

غرض کے لئے ہم آرت اسلام کے سامنے تین تہا رستہ سادہ اصول پیش کرتے ہیں۔ (۱) کوئی

مسلمان ایک ماہی بھی چندہ نہ دے (۲) ہر گھر کو قرآنی سکول بنایا جائے اور باپ تمام گھر والوں

کو روزانہ ایک سہ ماہی کا ترجمہ سکھائے (۳) گھروں میں سنائے کے لئے محض برائے نام قیمت پر

سننے بنائے شہزاد اور آسمان تین سو روپے پہنچائے جائیں۔

طریق عمل آپ گھر میں ایک وقت مقررہ کر دیں۔ جبکہ گھر کا کوئی ممبر غیر حاضر نہ ہو۔ ایک جگہ فرش بچھا کر ہر روز مال، بہن، بھائی، سب حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں اور آپ صرف چار منٹ میں انہیں روزانہ ایک درس پڑھ کر سنا دیا کریں۔ جس دن باپ نہ ہو، بیٹا مسند ہدایت پر بیٹھ کر اور ایک درس پڑھ کر سنا دے۔ ہر مسجد، ہر زمانہ اور مردانہ سکول، ہر اسلامی گھر اور ہر کارخانہ اور دکان میں ہتھال دس پانچ مسلمان ہوں، روزانہ ایک ایک آیت کا ترجمہ سکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔

اسکیم کی قبولیت | درس قرآن کے سلسلے کو ایسی بے پناہ قبولیت حاصل ہوئی ہے کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اگرچہ جنگ کے ظہور اور کاغذ کی گرانی کے باعث ابھی تک اس درس قرآن کے چار ہفتے نمبر شائع ہوئے، تاہم مستقل خریداروں کی تعداد ۲۵ ہزار تک پہنچ گئی، جن شخصوں نے ایک دفعہ بھی ان درسوں کو پڑھا، وہ عمر بھر کے لئے ان کا مبلغ بن گیا۔ جن گھروں میں صرف دو چار حلز مٹی پر درس سنائے گئے، وہاں کا یہ حال ہے کہ جب وقت آتا ہے تو چھوٹے چھوٹے بچے، ماں باپ اور بہن بھائیوں کو گھیر گھر کر ایک جگہ جمع کرنے لگتے ہیں اور پھر باپ سے اصرار کرتے ہیں، "ابا جان! اوقتہ ہو گیا، درس قرآن سنائیے؟" مسترد ہوتا ہے یہ بندو اور کہہ حضرت نے ان درسوں کی امداد سے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کر دیا ہے ایک صاحب نے یہ راستہ ظاہر کی ہے کہ اس اسکیم سے ہمارا بچہ بچہ مبلغ اور عوحد بن جائے گا۔ ایک صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے گھر میں چند ہی روز درس قرآن سنایا تھا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچوں نے اپنے گھر میں دعوت اپنا شروع کر دیا ہے۔ ایک سیاسی بزرگ نے یہ راستہ ظاہر کی ہے کہ آپ نے درس قرآن کے اجراء سے قوم کو پھر تکیا دیا ہے۔ سیاست کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ ہندو مسلمانوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہم پروردگار اب قرآن اتر رہا ہے۔ اس وقت کم سے کم ایک لاکھ آدمی ان درسوں کے ذریعہ سے قرآن

تعلیم حاصل کر رہے ہیں، چینی، گجراتی اور بعض دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمہ اور اشاعت کا انتظام ہو چکا ہے۔

پانچ سالہ اسکیم ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۵ء تک ہر مسجد اور ہر گھر میں درس قرآن جاری ہو جائے۔ اور یہ پورا ملک ایک قرآنی سکول بن جائے۔ اس غرض کے لئے ہر ایک مسلمان کو یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ اس کی کتنی طاقت ہے اور وہ کیا کیا خدمت انجام دے گا؟ جب تمام مسلمان اپنی اپنی جگہ اللہ کے لئے اپنا پورا زور لگائیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں میں ہوا اور پانی کی طرح قرآن کی تعلیم عام نہ ہو جائے۔ ہماری کامیابی کا انحصار دو باتوں پر ہے، ایک اس پر کہ ہر مسلمان مبلغ بن جائے اور کام کرے۔ دوم اس پر کہ ہم تعلیم قرآن کی تنظیم کریں۔ اس کے لئے تحریک سیرت مسلمانوں کے سامنے چھ چیزیں پیش کر رہی ہے:-

۱۔ ہر شہر میں سیرت کمیٹی۔ اس میں سب مسلمان شامل ہوں اور مشورہ سے کام کریں۔  
 ۲۔ ہر مسلمان کے لئے مطالعہ ایمان۔ ہر سیرت کمیٹی اپنے شہر میں یہ انتظام کرے کہ اس جگہ جتنے بھی تعلیم یافتہ مسلمان ہیں، سب کے سب پندرہویں دن دو گنٹے دے کر اخبار ایمان پڑھیں تاکہ وہ سب اپنے وقتی حالات و خطرات سے آگاہ ہوں اور انہیں اپنے پروگرام کی رفتار معلوم ہوتی رہے۔  
 ۳۔ ہر مسجد میں ایک خطبہ جمعہ۔ سیرت کمیٹی پٹی سے سال کے ۵۲ جمعوں کے لئے وقت کے مطابق ۵۲ اردو وعظ رورے میں بھیجے جاتے ہیں، انہیں تاریخ وار جامع مسجدوں میں سنانا چاہئے تاکہ عام مسلمان بھی ہماری تحریک میں شامل ہو جائیں۔

۴۔ ہر گھر میں درس قرآن۔ تاکہ عورتوں اور بچوں تک بھی اصلاح کی آواز پہنچے۔

۵۔ ہر شہر میں بیت المال۔ ہر مقام میں تنظیم صدقات و زکوٰۃ سے غیرت اور بے کاری کا علاج

۶۔ ہر مسلمان کیلئے لازمی ورزش اور پریڈ۔ تاکہ ہر مسلمان اپنی حفاظت کے قابل بن سکے۔

یہ مختصر اشارتیں ہیں۔ تفصیل معلوم کرنے کیلئے سیرت کمیٹی بنانے کے قواعد منگوائیں اور ان پر عمل شروع کریں۔

## پہلا سبق تعلیم قرآن

عزیزان اسلام! خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج سے ہم قرآن پاک کا ترجمہ سیکھنا شروع کرتے ہیں۔ پہلے آپ یہ سمجھیں کہ ترجمہ قرآن سیکھنے کی ضرورت کیا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو چند دنوں کے لئے اس زمین پر بھیجا ہے، اس کے بعد آپ سبب خدا کے دربار میں حاضر ہوں گے اور اس زندگی میں جیسا کچھ عمل آپ نے کیا ہوگا، اس کے مطابق آپ کو بدلہ ملیگا۔ اگر آپ نے زندگی میں نیک کام کئے ہوں گے تو آرام اور اچھی زندگی ملیگی، اگر برے کام کئے ہوں گے تو تکلیف، نقصان اور بری زندگی حاصل ہوگی۔ چونکہ اللہ پاک اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ اس واسطے اس نے اپنے بندوں کو زمین پر بھیج کر بے کار نہیں چھوڑا، جس طرح اس نے ہمارے جسم کی پرورش کے لئے زمین، پانی، ہوا، سورج، میوے اور نغے پیدا کئے ہیں، اسی طرح اس نے دل اور روح کی پرورش کے لئے ہمیں نیک اصول، بھلی باتیں اور اچھی ہدایتیں بتائی اور سکھائی ہیں۔ وہ تمام نیک ہدایتیں اور اصول جن پر عمل کرنے سے یہ دنیا بھی اچھی ہو جاتی ہے اور آخرت بھی اچھی ہو جاتی ہے، قرآن پاک میں جمع ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ اس کے بندے قرآن کو بہت زیادہ پڑھا کریں، اس واسطے اس نے اپنی کتاب کا نام قرآن رکھا، قرآن کے معنی ہیں وہ کتاب جو بہت زیادہ پڑھی جاتے۔ ہم آج کے بعد ہر روز اسی طرح بیٹھا کریں گے اور قرآن کی ایک ایک آیت پڑھ کر ہر روز یہ سمجھا کریں گے کہ ہم بندوں کو ہمارے مالک نے کیا کیا حکم دیئے ہیں تاکہ ہم ان حکموں کو پورا کر سکیں۔

عزیزان اسلام! جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر آباد ہوئے تو اسی وقت خدا تعالیٰ نے انہیں یہ فرما دیا تھا کہ اسے آدم! تمہارے پاس میری طرف سے ہدایتیں آبا کر سکیں، جو لوگ ان پر عمل کریں گے وہ غم اور نقصان سے پاک ہو جائیں گے۔ خدا کے اس وعدہ کے

مطابق ہر قوم اور ملک میں ایک لاکھ ۲۴ ہزار نبی آئے جن میں چار نبی بہت مشہور ہیں۔ ایک حضرت داؤد علیہ السلام۔ ان پر جو خدا کا کلام اُترتا۔ اُس کا نام زبور ہے۔ دوسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ ان کی کتاب کا نام توریت ہے۔ تیسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ ان کی کتاب کا نام انجیل ہے اور چوتھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ تمام دنیا کے بڑی بنا کر بھیجے گئے تھے، آپ کی کتاب کا نام قرآن ہے اور آپ کے ماننے والوں کو مسلمان کہتے ہیں۔ الحمد للہ کہ ہم اور آپ سب مسلمان ہیں۔

اسے عزیزان اسلام! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج سے چودہ سو برس پہلے مکہ میں پیدا ہوئے۔ جب آپ چالیس سال کے ہوئے تو خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنا نبی مقرر فرمادیا اور اس کے بعد برابر ۲۳ سال تک آپ پر خدا کا کلام یعنی قرآن پاک کی آیتیں اُترتی رہیں اور آپ ان پر عمل کرتے اور کراتے رہے۔ اُس زمانہ میں مسلمان نہایت ہی کمزور اور غریب تھے مگر قرآن کو سیکھنے اور قرآن پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں ان کا راج قائم ہو گیا۔ جب نبی خدا کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے آخری حج میں مسلمانوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا، مسلمانو! میں اپنے بعد تم میں یہ اللہ کی کتاب چھوڑے جاتا ہوں، اگر تم اس پر عمل کرو گے تو تمہارا راستہ کبھی گم نہیں ہوگا اور یہ بھی فرمایا کہ موجودہ مسلمان، آنے والے مسلمانوں کو میرا یہ پیغام پہنچاتے رہیں۔ اس کے بعد نبی خدا تو دنیا سے رخصت ہو گئے اور جب تک مسلمانوں نے قرآن پر عمل کیا، دنیا میں ان کا راج قائم رہا مگر جب سینکڑوں سال گزر جانے کے بعد ہم مسلمانوں نے قرآن کے اصولوں کو بھلا دیا تو دنیا میں دوسری قوموں کے راج قائم ہو گئے۔

اسے عزیزان اسلام! خدا کا شکر ہے کہ آج ہم پھر روزانہ ایک قرآنی آیت کے ترجمہ سیکھنے کا کام شروع کرتے ہیں۔ دعا کیجئے، اے اللہ! ہم کو قرآن کا علم اور عمل عطا فرما تاکہ ہم تیرے فرمان بردار بندے بن جائیں۔



## عنوان قرآن

اللهم

مقصد حیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اے عزیزان اسلام! اسلام اور قرآن کا پہلا سبق بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے۔ آپ پہلے اس آیت کے لفظوں کے معنی سمجھ لیں۔ ب کے معنی ساتھ۔ الرَّحْمٰن کے معنی ہر نام۔ ہم پوچھا کرتے ہیں، تمہارا نام کیا ہے؟ ہم پوچھ سکتے ہیں، تمہارا اسم کیا ہے؟ بِسْمِ اللّٰهِ کے معنی ہوتے، خدا کے نام سے۔ الرَّحْمٰن کے معنی بہت مہربان۔ رَحِیْم کے معنی ہمیشہ رحم کرنے والا۔ ساری بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کا مطلب یہ ہوا، میں خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان ہے اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

عزیزان اسلام! بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن کا عنوان ہے۔ جو کچھ بھی قرآن پاک میں لکھا گیا ہے، وہ سب اسی کی تشریح ہے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق انسانی زندگی کا سارا مقصد یہ تھا کہ انسان اللہ کے لئے ہو۔ اور اسی راز کا نام بسم اللہ ہے۔ چنانچہ جب یہ ہے کہ آپ کو جب بھی کوئی کام کرنا ہو، اس کو شروع کرتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فرود پڑھیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا۔ آپ جب بھی کوئی کام شروع فرماتے تھے، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر شروع فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جس کام کو خدا کا نام لے کر شروع نہ کیا جائے، وہ بہت بے برکت ہو جاتا ہے۔ چونکہ خدای ہی کی رحمت اور ہمد سے اس دنیا کا سارا کارخانہ چل رہا ہے۔ اس واسطے اسلام نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہر ایک نیک کام شروع کرتے وقت ہم کو یہ اقرار کرتے رہنا چاہئے کہ اس کارخانہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے یا ہو گا، وہ درحقیقت خدا تعالیٰ ہی کی طاقت، توفیق اور رحمت کا نتیجہ ہے۔

عزیزان اسلام! قرآن کا معجزہ یہ ہے کہ اگر آپ اس کی ایک ہی آیت کو پوری طرح

سمجھ لیں تو وہ آپ کو اپنی مراد تک پہنچا دیتی ہے۔ بعض عالموں کا بیان یہ ہے کہ سارے  
 قرآن کا پنجوڑ، الحمد کی سورت ہے اور الحمد کا پنجوڑ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے۔ اگر  
 آج آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے سبق کو سمجھ لیا تو آپ کو قرآن کا غطا اور  
 روح پوری طرح معلوم ہو جائیں گے۔ عزیزان اسلام! آپ کو بسم اللہ سے دو سبق ملتے  
 ہیں۔ پہلا سبق یہ کہ آپ کی زندگی خدا کے لئے ہو اور آپ اس دنیا کی زندگی میں جو بھی  
 کام کریں، وہ خدا کے لئے کریں، یعنی ہر ایک کام میں آپ کی نیت یہ ہونی چاہئے کہ میں یہ  
 کام اپنی جان یا اولاد یا دنیوی حاکم کی رضا یا ذاتی فائدے کے لئے نہیں کروں گا بلکہ اپنے  
 خدا کے لئے کروں گا۔ اسی بات کا نام لہبیت ہے۔ لہبیت کے معنی ہیں، خدا کی خوشنودی  
 کے لئے ہر کام کرنا۔ بسم اللہ کا دوسرا سبق یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی کا ہر ایک کام شروع کرتے  
 وقت خدا کی رحمت کو اپنے سامنے رکھیں۔ جب آپ لکھتے وقت یا پڑھتے وقت، یا کھانا کھاتے  
 وقت بسم اللہ پڑھیں گے اور رحمن اور رحیم کا نام لیں گے تو آپ کو دو باتوں کا یقین ہو  
 جائیگا۔ آپ کو ایک یقین یہ ہوگا کہ میں یہ کام خدا کے لئے کر رہا ہوں۔ اس واسطے خدا کے  
 کام میں کسی قسم کی بد نیتی، برائی، طمع، فریب اور جھوٹ کو شامل نہیں کرنا چاہئے۔ آپ کو  
 دوسرا یقین یہ ہوگا کہ آپ جس خدا کے نام پر یہ کام کر رہے ہیں، وہ رحمن اور رحیم ہے، اس  
 واسطے آپ کو نہ تو ہمت ہارنی چاہئے اور نہ بزدل اور ڈرپوک بن کر پیچھے ہٹنا چاہئے بلکہ  
 رحمن و رحیم خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ جب آپ خدا کے لئے کام کریں گے  
 اور خدا کی رحمت کے سہارے پر کام کریں گے تو آپ یقیناً کامیاب ہو جائیں گے۔ بس،  
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا میاابی کا تئوئذ ہے۔ آپ کو چاہئے کہ جب بھی کوئی کام  
 کریں، بسم اللہ الرحمن الرحیم کے دونوں سبقوں کو اچھی طرح یاد کر لیا کریں۔ دعا کرو کہ ہمارا  
 ہر ایک کام خدا کے لئے ہو، خدا کے حکم کے مطابق ہو۔

## خدا کی معرفت

۲۔ ربوبیت

دنیا میں انسان کا حصہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

عزیزان اسلام! قرآن کی پہلی سورت کا نام، فاتحہ ہے۔ سورۃ فاتحہ کے معنی ہیں کھولنے والی سورت۔ چونکہ اس سورت سے قرآن کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان کے بند سینے میں خدا کا راز کھلتا ہے اس واسطے اس سورت کا نام نہایت ہی درست ہے۔

عزیزان اسلام! قرآن کا عنوان یا تاج، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور قرآن کا چہرہ یا دیباچہ، الحمد کی سورت ہے۔ جس طرح چہرے کو دیکھ کر انسان کی پوری پوری پہچان ہو جاتی ہے، اسی طرح الحمد کو پڑھ کر ہم قرآن پاک کی تمام تعلیم کو پہچان سکتے ہیں۔

اب میں اسی بات کو کھول کر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ہر انسان کو اچھی زندگی گزارنے کے لئے تین باتیں معلوم ہونی چاہئیں۔ ایک یہ کہ آپ کا خدا کون ہے؟ کیسا ہے؟ یعنی خدا کی معرفت اور پہچان۔ دوسرے یہ کہ آپ کا انسانی فرض، درجہ اور حیثیت کیا ہے؟

یعنی اپنی ذات کی معرفت اور پہچان۔ تیسرے یہ کہ یہ کائنات اور انسانیت کیا ہے جہاں آپ زندگی بسر کر رہے ہیں؟ اچھے لوگ کون ہیں؟ بُرے کون ہیں؟ تاکہ آپ اچھوں کے ساتھ مل کر زندگی گزاریں اور بُروں سے بچ کر رہیں یعنی کائنات اور انسانیت کی معرفت اور پہچان۔

سارے قرآن میں یہی تین مضمون آتے ہیں، ایک خدا کی پہچان، دوسرے انسان کی اپنی پہچان۔ تیسرے کائنات اور اچھی اور بری جماعتوں کی پہچان۔ سورۃ فاتحہ میں بھی یہی تینوں مضمون موجود ہیں۔ اس سورت کی پہلی تینوں آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے

کہ خدا کی شان کیا ہے؟ اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے، انسان کا درجہ و مقام کیا ہے؟ اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کو کن جماعتوں کے ساتھ چلنا چاہئے اور کن قوموں سے بچنا چاہئے اور یہ انسانیت کیا ہے؟

عزیزانِ اسلام! سورہ فاتحہ کی پہلی آیت یہ ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔  
 حمد کے معنی تعریف۔ لِلّٰهِ کے معنی اللہ کے لئے۔ رب کے معنی پالنے والا۔ عالمین  
 کے معنی ہمیشہ سے جہاں۔ ساری آیت کے یہ معنی ہیں، ہر قسم کی تعریفیں خدا کے لئے ہیں  
 جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ وہ پہلی بات جس سے قرآن نے بندوں کے ساتھ خدا کی  
 پہچان کرانی، یہ ہے کہ آپ کا خدا رب العالمین ہے یعنی وہ صرف مسلمانوں ہی کا خدا نہیں  
 ہے بلکہ ہندوؤں، کابھی سب، انگریزوں کا بھی ہے، کافروں اور جانوروں کا بھی ہے، وہ سب  
 انسانوں ہی کا نہیں بلکہ سب جہانوں کا خدا ہے۔ عزیزانِ اسلام! آپ پوچھیں گے، خدا کی  
 پہچان سے ہمیں کیا فائدہ؟ آپ یاد رکھئے کہ جو بھی صفت خدا میں موجود ہو، اس کے متعلق  
 آپ ہمیشہ یہ سمجھیں کہ یہ اچھی صفت ہے اور اسی صفت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں۔  
 یہاں خدا کہتا ہے کہ میں رب العالمین ہوں اور سب جہانوں کو ترقی دے رہا ہوں۔ اس سے  
 آپ یہ سبق لیں کہ سب جہانوں کی ترقی میں آپ کا حصہ بھی ضرور موجود ہے۔ پھر خدا کہتا ہے کہ  
 میں اچھوں، بروں، مسلمانوں، کافروں، جانوروں، حیوانوں سب کو پالتا ہوں۔ اس سے سبق لیں کہ  
 آپ کو چاہئے کہ آپ بھی سب کی خدمت کریں، سب سے ہمدردی رکھیں اور خدا کے کسی بندے  
 کو نفرت سے نہ دیکھیں۔ ہاں جس شخص کے عمل برے ہوں، اس کے برے کاموں کی وجہ سے  
 اس کو ناپسند کرنا جائز ہے مگر انسانی ہمدردی اس کے ساتھ بھی کرنی چاہئے۔ پس خدا کو رب العالمین  
 سمجھ کر اس کی حمد کرنے سے آپ پر دو فرض عائد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ جتنے بھی  
 جہانوں کی پرورش کر رہا ہے، آپ ان سب میں اپنا حصہ حاصل کریں۔ دوسرے یہ کہ آپ  
 خدا کی تمام مخلوق کو اس کی مخلوق سمجھ سب کے ساتھ ہمدردی، عدل اور احسان کا برتاؤ کریں  
 دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ہم کو توفیق بخشنے کہ ہم اس کی تمام مخلوق سے نیکی اور ہمدردی کا برتاؤ کریں۔

خدا تعالیٰ کی معرفت

۳۰۔ رحمت

رحمت لو، رحمت دو

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عزیزان اسلام! آج پچھلے سبقوں کو دہرایجئے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا سبق یہ ہے کہ آپ کی ساری زندگی اللہ کے لئے ہو اور آپ جو بھی کام کریں، اس کے شروع کرتے وقت زبان سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھا کریں اور دل میں یہ سمجھ لیا کریں کہ چونکہ یہ کام آپ اللہ کے لئے کر رہے ہیں۔ اس واسطے آپ اس کام میں کسی قسم کا دھوکا فریب، جھوٹ اور طمع وغیرہ کی برائی شامل نہیں کریں گے اور خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھ کر اس کام کو آخر تک پورا کریں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا سبق یہ ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کو سب جہانوں کا پالنے والا سمجھ کر اس کی تعریف کریں اور اس سے اپنے اندر دو باتیں پیدا کریں۔ ایک یہ کہ چاند، سورج، مکھی، مچھر، زمین، سمندر، جو جو چیز دنیا میں خدا نے بنائی ہے، اس میں یقینی طور پر آپ کا حصہ اور نفع موجود ہے، آپ اس کو حاصل کریں۔ دوسرے یہ کہ آپ خدا کے تمام بندوں بلکہ جانوروں اور جانوروں تک کو اس کی پیدائش تک ان سب سے عادل و احسان کا سلوک کریں۔

عزیزان اسلام! آپ کو قرآن کی پوری سمجھ اسی وقت آسکتی ہے جبکہ آپ قرآن کے الفاظ (اصطلاحات) کو سمجھ کر، قرآن کے معنی سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ آج میں تین لفظوں کے معنی بیان کرتا ہوں۔ رَبِّ، الرَّحْمٰن، الرَّحِيْم۔ اِسْ دَات کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو درجہ بدرجہ پہاں تک پرورش کرے کہ وہ چیز کامل ہو جائے۔ چنانچہ خدا کی پہلی شان یہی ہے کہ جو کچھ بھی اس نے پیدا کیا ہے، اُسے کامل اور مکمل بنانے کے لئے جتنے بھی سامان ضروری تھے، وہ سب کے سب اُس نے پیدا کر دیئے ہیں۔ اور اسی طرح خود آپ کی زندگی کو کامل اور مکمل بنانے کے لئے بھی اس نے سارے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ اب

اس کے بعد بھی اگر آپ برے، ناقص اور ذلیل ہیں تو یہ آپ کی اپنی کوتاہی ہے۔ خدا کی دوسری شان یہ ہے کہ وہ رحمن ہے یعنی بہت زیادہ رحمت کرنے والا۔ اسی لئے اس نے آپ کے لئے بغیر کسی معاوضہ کے زمین، سمندر، درخت، سورج، چاند بنا دیئے۔ پھر آپ کو ہاتھ پاؤں، آنکھیں اور دماغ دیا تاکہ آپ ان سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ سب اس کی رحمانیت ہے۔ خدا کی تیسری شان یہ ہے کہ وہ رحیم ہے، رحیم اس ذات کو کہتے ہیں جس کی مہربانی ہمیشہ رہے۔ مثلاً آپ ایک دانہ بولتے ہیں مگر اس سے سو دانہ پیدا ہو جاتا ہے، پس، خدا کی رحیمی یہ ہے کہ وہ محنت کرنے والوں کو ان کی محنتوں سے بہت زیادہ انعام دیتا ہے۔

اسے عزیزان اسلام! آپ نے اپنے خدا کو سمجھا۔ آپ کا خدا رب العالمین ہے یعنی اس نے وہ تمام سامان پیدا کر دیئے ہیں جن کی مدد سے آپ پورا کمال حاصل کر سکتے ہیں آپ کا خدا رحمن ہے یعنی اس نے آپ کے لئے بلا معاوضہ آپ کی زندگی کا سارا سامان جہیا کر دیا ہے۔ آپ کا خدا رحیم ہے یعنی اس کے ملک میں جتنی آپ محنت کرتے ہیں، آپ کو اس سے ہزار ہزار گنا زیادہ پیداوار دی جاتی ہے۔ اب آپ کا فرض ہے کہ آپ خدا کی ان تینوں اچھی صفتوں کا عکس اپنے اندر پیدا کریں۔ آپ رب العالمین کی صفت سے سبق لے کر تمام جہانوں میں اپنا حصہ حاصل کریں اور اپنی ذات، اپنے اہل خانہ، اہل ملک اور نوع انسان کے لئے اسباب کمال بہم پہنچائیں۔ آپ رحمانیت سے سبق لے کر کائنات کی ہر چیز سے خود رحمت حاصل کریں اور اپنے تعلق داروں کو رحمت پہنچائیں۔ آپ رحیمیت سے سبق لے کر خوب عمل و جہاد کریں اور اس کائنات سے خود بھی زیادہ سے زیادہ نفع اٹھائیں اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائیں۔ کامل بندہ وہی ہے جو اپنے خدا کے رنگ میں رنگا جائے دعا کرو، اے اللہ! ہم کو اچھی صفتوں اور اچھے اخلاق کا مالک بنا دے تاکہ ہم سب بندوں کی خدمت کریں، سب سے محبت کریں اور رات اور دن مت خلاق ہیں مصروف رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت م - عدالت بعد موت کی تقدیر

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ

عزیزان اسلام! پہلے الفاظ کے معنی یاد کر لیں۔ یوم کے معنی دن۔ دین کے معنی انصاف۔ اس آیت میں خدا کی تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ انصاف کے دن کا مالک ہے یعنی قیامت کے دن کا۔ کمال حاصل کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی جتنی پہچان ضروری تھی، وہ ان تینوں میں آگئی ہے۔ اب آپ خدا کی اصلی تعریف اسی وقت کر سکتے ہیں جبکہ آپ ان تینوں آیتوں کا اچھی طرح کھوج لگائیں اور خدا کی صفات کو پہچان لیں۔ خدا کے سوا جو کچھ بھی ہے، وہ عالمین ہے۔ آپ تمام عالمین کا کھوج لگائیں اور ان سے عملی طور اپنا حصہ حاصل کریں، پھر آپ الحمد للہ رب العالمین کہنے کے حق دار ہوں گے۔ رحمت الہی کی قسمیں دو ہیں۔ خدا کی ایک رحمت وہ ہے جو ماں، باپ، استاد وغیرہ کے ذریعہ سے ہم کو پہنچتی ہے، خدا کی دوسری رحمت وہ ہے جو زمین، پانی، ہوا، چاند، سورج، کان اور سمندر کے ذریعہ سے ہم کو پہنچتی ہے۔ آپ کو ان سب رحمتوں کا کھوج لگانا ہوگا اور ہر جگہ سے خدا کی رحمت تلاش کر کے اس سے فائدہ اٹھانا ہوگا، پھر آپ الرحمن الرحیم کہہ کر خدا کی حمد کے صحیح حقدار ہوں گے۔ آپ کا حصہ صرف دنیا ہی کی رحمت اور ترقی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ آپ کو موت کے بعد کی زندگی اور ترقی کا بھی کھوج لگانا ہوگا اور وہاں بھی اپنا حصہ حاصل کرنا ہوگا، پھر آپ مالک یوم الدین کہہ کر خدا کی تعریف کرنے کے صحیح حق دار ہوں گے۔ اسلام سے پہلے سب لوگ بتوں کی، بادشاہوں کی اور امیروں کی تعریف کر کے فائدے اٹھاتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے ایک دم یہ آواز دی، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ لوگو! صرف خدا کی تعریف کرو اور اس کی ربوبیت، رحمت اور عدالت کے کارخانے کو پہچان کر دو جو جہانوں کے سر دار و بنیاد۔

عزیزان اسلام! اب آج کی آیت پر غور کریں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کی ایک شان یہ ہے کہ اُس نے انسان کے ہر کام کے لئے بدلہ دینے کا قاعدہ مقرر کر دیا ہے، جس طرح آگ کے چھوٹنے سے ہاتھ جل جاتا ہے۔ زہر کے کھانے سے انسان مر جاتا ہے، اسی طرح ہر اچھے اور برے کام کے لئے ایک نتیجہ مقرر ہے۔ اگر آپ ہمدردی، سخاوت اور عدل کریں گے تو دنیا اور آخرت میں آپ کو اچھا بدلہ ملیگا۔ یہ اس لئے کہ خدا مالک یوم الدین ہے اور اس کے قانون کے مطابق یہ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے اور موت کے بعد کی زندگی جو انسان کو حاصل ہوگی، وہ ان عملوں کا پھل پانے کی جگہ ہے۔ پس اسے عزیزان اسلام! آپ اپنی نیکی اور برائی کے متعلق کبھی بھی یہ خیال نہ کریں کہ وہ گم ہو جاتی ہیں اور مٹ جاتی ہیں۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ انسان کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا اور موت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ تک اس کا بدلہ ملتا رہتا ہے۔ پس اگر آپ اپنی بھلائی چاہتے ہیں تو آپ اپنے لئے صرف اسی دنیا کے فائدہ کا خیال نہ رکھیں بلکہ اپنی آئندہ زندگی کا بھی خیال رکھیں اور اپنی تمام زندگی کو برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کے جمع کرنے میں خرچ کرتے رہیں۔

عزیزان اسلام! قرآن نے خدا کی تین صفات (۱) ربوبیت (۲) رحمت (۳) مقرر کی ہیں۔ بندوں کو خدا کی پہچان کرانی اور ساتھ ہی اس کی بندگی کا حکم دیا ہے تاکہ خدا سے بندہ سے بھی اپنی صفات کے رنگ میں رنگے جائیں۔ آپ خدا کی ربوبیت سے سبق لیں اور گھر کے اندر اپنے اہل و عیال کی تربیت و تربیت کر کے اپنے نظام خانہ داری کو درست کریں۔ آپ خدا کی رحمت سے سبق لیں اور ہر ذرہ عالم سے رحمت کا کھوج نکال کر اور اپنے ہمسایوں اور شہریوں اور ہم وطنوں سے ہمدردی اور محبت کر کے اپنے نظام تمدن کو درست کریں۔ آپ خدا کی عدالت سے سبق لیں اور ملک میں عدل قائم کر کے اپنے نظام سیاست کو درست کریں۔ زمین پر خدا کی خلافت اور نبیامت کے معنی یہ ہیں۔



اپنی پہچان

۵۔ اِنصافِ انسانی

مذہبِ محمدی

ایاک نعبد و ایاک نستعین

عزیزانِ اسلام! ایاک کے معنی تیری۔ نعبد کے معنی ہم عبادت کرتے ہیں۔  
 نستعین کے معنی ہم مدد چاہتے ہیں۔ نعبد میں نون کے معنی ہم۔ ایاک نعبد کے  
 معنی ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ ایاک نستعین کے معنی ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔  
 عزیزانِ اسلام! اگر آپ کسی شخص سے ناواقف ہوں اور پھر بھی اس کی تعریف کرتے  
 جائیں تو وہ آپ سے ناراض ہو جائیگا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنی جن صفوں، صفتوں  
 اور نعمتوں کے ذریعہ سے اپنی پہچان کرائی ہے۔ اگر آپ ان کی حقیقت سے ناواقف نہیں اور  
 صرف زبان سے الحمد للہ، الحمد للہ کہتے رہیں تو آپ کی یہ تعریف بھی صرف زبان پر جمع خرچ  
 سمجھی جائے گی۔ خدا کی حمد کا اصل مطلب صرف زبان کا بلانا نہیں ہوتا بلکہ یہ ہوتا ہے کہ آپ  
 خدا کی صفوں کے رنگ، میں رنگے جائیں اور اس کی براہیبت، عظمت اور عبادت میں  
 اس کے نائب بن کر دکھائیں۔ چونکہ یہ منزل بہت بڑی منزل تھی، اس لئے کہا گیا کہ  
 ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ یعنی اس آیت میں انسان کو یہ سمجھایا گیا کہ وہ کسی  
 بادشاہ، سرور یا امیر کی محتاجی یا غلامی کرے کہ یہ درجہ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ صرف خدا کے  
 قانون پر چل کر حاصل کر سکتا ہے۔ لہذا آپ کی انسانی شان اور فرض صرف اسی قدر  
 ہے کہ خواہ آپ کو ڈر ہو، تکلیف ہو، غریبی ہو، بیماری ہو، مقدمہ ہو، دشمن اقام کا خطرہ  
 ہو، آپ کو صرف خدا ہی کے قانون پر چلنا چاہئے اور خدا ہی سے مدد مانگنی چاہئے۔ ہندو  
 لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ عیسائی لوگ تین خداؤں کی پوجا کرتے ہیں، کئی جاہل مصیبت  
 کے وقت، دیویوں، پیروں، نیپروں یا قبروں اور خالقوں سے مرادیں مانگتے ہیں۔ کئی خوشامد  
 نصیحتوں کو اپنا آقا بنا لیتے ہوتے ہیں۔ یا اور کہتے کہ یہ سب کچھ انسانی شان کے خلاف ہے

رسول خدا نے ہی اپنے صحابہ کو سمجھایا تھا چنانچہ جب زہرہ ایرانی جرنیل رستم کے پاس گئے تو رستم نے پوچھا، دین کیا ہے؟ زہرہ نے کہا، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ۔ رستم نے پوچھا، اور کیا زہرہ نے کہا، بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لانا کیونکہ تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں اور سب بھائی بھائی ہیں۔ جب مغیرہ اسی رستم کے پاس گئے۔ تو اس کے ساتھ تخت پر جا بیٹھے۔ مگر ایرانیوں نے انہیں تخت سے اتار دیا۔ آپ نے فرمایا، تم بیوقوف ہو، ہم لوگ تو ایک دوسرے کی عبادت نہیں کرتے، مگر تم نے بعض کو بعض کا خدا بنا رکھا ہے، اب یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی۔ عزیزان اسلام! اِيَّاكَ تَعْبُدُ وَاِيَّاكَ تَسْتَعِينُ ہر انسان کیلئے آزادی کا چارٹر ہے۔ خدا ہی کی علامی اور خدا ہی کی ابداد طلبی کے معنی یہ ہیں کہ صرف ایک خدا، آپ سے بڑا ہے اور خدا کے علاوہ اس کا تبتا میں جو کچھ بھی ہے، وہ یا تو آپ کے برابر ہے یا آپ سے کم ہے۔ لہذا حکم الہی یہ ہے کہ کوئی انسانی جماعت نہ تو اپنے برابر والے انسانوں کے سامنے بندگی اور احتیاج پیش کرے اور نہ دوسری مخلوق کے سامنے۔ پس اِيَّاكَ تَعْبُدُ وَاِيَّاكَ تَسْتَعِينُ کا اصل سبق یہ ہوا کہ خدا سب کا بادشاہ۔ انسان آپس میں بھائی بھائی اور حقوق انسانی میں ایک دوسرے کے برابر اور باقی تمام مخلوق، نوع انسان کی خادم۔ یہ ہے انسانیت کا درجہ اور مقام۔ اسے عزیزان اسلام! آپ کو سبق تو یہ دیا گیا تھا کہ آپ نوع انسان کو حکومت ربانی، مساوات انسانی اور تسخیر جہانی کا سبق سکھائیں مگر افسوس کہ آپ خود مشرکوں اور ثلثیت پرستوں کے غلام بن گئے اور بندوں کی عبادت پر راضی بھی ہو گئے۔ آؤ، ایک دفعہ پھر اپنے فرض کو محسوس کریں اور اپنے درجہ کو پہچانیں۔ عزیزان اسلام! اب تک دو باتیں آگئیں۔ ایک یہ کہ خدا کی شان کیا ہے؟ دوم یہ کہ بندگا خدا کی شان کیا ہے؟ خدا، عالمین کا رب، رحمت کا سمندر اور عدالت کا چشمہ۔ انسان اس کا نائب، اسکی صفوں کا عکس بردار، اس کا غلام اور باقی سب مخلوق کا سردار، اپنی زندگی میں پھر یہی شان پیدا کرتا ہے۔

## اپنی پہچان ، سیدھا راستہ ، دائمی حرکت اور تلاش

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

عزیزان اسلام! اِهْدِ کے معنی ہدایت دے۔ نون الفنا کے معنی ہم کو صراط کے معنی راستہ۔ مُسْتَقِيم کے معنی سیدھا۔ بندہ اپنے خدا سے کہتا ہے، اِهْدِنَا، اے خدا! ہم کو ہدایت دے۔ صِرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ سیدھے راستے کی۔

عزیزان اسلام! آپ ہر روز نمازوں میں پڑھتے ہیں، اے خدا! ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ اب یہ سمجھئے کہ سیدھا راستہ ہے کیا؟ آپ نے ابھی پڑھا، آپ کا خدا، رب العالمین ہے یعنی تمام جہانوں کو تربیت دے کر ترقی دینے والا۔ آپ بھی تربیت پائیں اور ترقی کریں۔ یہ صراط مستقیم ہے۔ آپ کا خدا رحمت والا ہے اور اس نے پانی میں بجلی، پتھروں میں سونا زمین کے اندر مٹی کا تیل چھپا رکھا ہے، یہ سب اس کی رحمتیں ہیں، آپ ان پر قبضہ کیجئے یہ سیدھا راستہ ہے۔ آپ کا خدا عدل کے دن کا مالک ہے، آپ بھی ہر روز اپنے پرانے کے ساتھ عدل کیجئے اور روزانہ عدل کے دن کے مالک بن جائیے۔ یہ صراط مستقیم ہے۔ یہ مطلب یہ ہے کہ آپ تربیتِ رحمت اور عدالت تینوں اصولوں کا خیال رکھیں اور اس دنیا میں پرہیزگار بن کر زندگی گزاریں۔ یہ پرہیزگاری کی زندگی کیا ہے؟ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ یعنی آپ صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور ہر تکلیف اور مصیبت کے وقت صرف خدا ہی سے امداد چاہیں اور اس کے علاوہ ہر وقت حرکت میں رہیں، ہر وقت تلاش میں رہیں اور ہر وقت یہ دعا کریں کہ اے خدا! ہم کو سیدھا راستہ دکھا یعنی پہلے اِيَّاكَ نَعْبُدُ، خدا کے قانون پر عمل، پھر اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، اسی کی امداد پر بھروسہ۔ سب سے آخر دعا، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں پہلے عمل ہے اور عمل کے بالکل ساتھ اور برابر خدا

سے دعا کرنا ہے۔ لیکن افسوس کہ بہت سے مسلمان، عمل تو کرتے نہیں ہیں، صرف زبان ہلا کر دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ عمل نہ کرنا اور صرف زبان ہلا کر دعا کرتے رہنا کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ قرآن کی ہدایت یہ ہے کہ آپ محنت بھی کریں اور اس کے ساتھ مدد کے لئے دعا بھی مانگیں۔ پھر خدا تعالیٰ ضرور آپ کی امداد کرے گا۔

عزیزان اسلام! وہ پہلی دعا جو قرآن نے آپ کو سکھائی ہے، یہ ہے کہ آپ خدا سے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق مانگیں۔ اس کا مطلب یہ کہ ہر وقت حرکت اور طلب و تلاش میں مصروف رہیں۔ آپ کو سمجھنا چاہیے، یہی قرآن جو آپ پڑھ رہے ہیں، سیدھا راستہ ہے۔ جو اصول یہ آپ کو بتاتا ہے، انہی کا نام صراط مستقیم ہے۔ جس طرح کوئی مسافر سیدھی اور صاف سڑک پر چل کر آسانی کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے، اسی طرح آپ قرآن کی بتلائی ہوئی باتوں پر عمل کریں گے تو آپ بہت جلد اور بڑی آسانی سے اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تجربہ کر کے بتلا دی ہے۔ جب حضورؐ اس دنیا میں تشریف لائے تھے تو عرب کے لوگ شرک، جہالت، غریبی، نا اتفاقی، زنا اور شراب وغیرہ میں ڈوبے ہوئے تھے اور ایران اور روم کے بادشاہوں نے انہیں اپنا غلام بنا رکھا تھا مگر جب انہوں نے قرآن کے بتلائے ہوئے اصولوں پر عمل کیا تو وہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی عزتوں کے مالک بن گئے۔ آج جبکہ مسلمان غیروں کے غلام ہیں اور غیر قوم سے دولت، تعلیم، تجارت میں کمزور ہو گئے ہیں، صرف اس لئے کہ انہوں نے قرآنی اصولوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اگر آپ پھر خدا پرست، ایماندار، سچے، سخی، محنتی، باخلق اور کفایت شعار بن جائیں تو پھر آپ پہلے کی طرح ضرور دنیا اور آخرت کی عزتوں کے مالک بن جائیں گے اور وہ خدا تعالیٰ ضرور آپ کی مدد کرے گا۔

## دنیا کی پہچان

مختصر راستہ

اعتدال کی زندگی

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

عزیزان اسلام! صِرَاطِ کے معنی راستہ۔ الَّذِينَ کے معنی اُن لوگوں کا۔ أَنْعَمْتَ کے معنی تو نے انعام کیا۔ أَنْعَمْتَ کی زبردستی کے معنی تو نے۔ عَلَيْهِمْ کے معنی اُن پر۔ غَيْرِ کے معنی دوسرے۔ الْمَغْضُوبِ اس کو کہتے ہیں جس پر خدا کا غضب اتر چکا ہو، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یہودی۔ وَالضَّالِّينَ ان مسافروں کو کہتے ہیں جو چلے تو جا رہے ہیں مگر اصل راستے کو بھول گئے ہیں اور غلط راستہ اختیار کر چکے ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی عیسائی۔

عزیزان اسلام! کل کے سبق میں آپ نے دعا کی تھی، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اے خدا! ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ اب آج خدا تعالیٰ نے آپ ہی کی زبان سے یہ بات کہلوائی ہے کہ سیدھا راستہ کو نسا ہے، آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ سیدھا اُن لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ نہ اُن کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان کو صرف اس لئے طلب دعا اور حرکت کرنی چاہئے کہ میں سچے لوگوں کی طرح زندگی گزاروں اور ایسے لوگوں کا طریقہ اختیار نہ کروں جن کی بد عملی اور گنہگاری کے باعث خدا تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا۔

عزیزان اسلام! یہ آیت آپ کو بتاتی ہے کہ دنیا میں تین ہی قسم کے لوگ آباد ہیں مغضوب یعنی حد سے بڑھنے والے۔ ضالین یعنی حد سے گھٹنے والے، انعام یافتہ یعنی درمیانی چال چلنے والے۔ مثلاً حد سے بڑھنے والے عیاش، فضول خرچ اور ڈاکو۔ حد سے گھٹنے والے کنجوس، بزدل اور نامرد۔ یا مکار اور فریبی اور یا بالکل سادہ لوح، یا ظالم جو دوسروں کا حق چھینیں اور یا غلام جو اپنا حق بھی دے بیٹھیں۔ آیت کہتی ہے کہ ان

دونوں جماعتوں کا ساتھ نہ دینا چاہئے، بلکہ اعمال، اخلاق، عقائد، کاروبار اور ہر چیز میں درمیانی راہ اختیار کرنی چاہئے، تب انسان ترقی کر سکتا ہے۔

عزیزان اسلام! آپ ہر نماز میں دعا کرتے ہیں کہ آپ کو حد سے بڑھنے یا حد سے گھٹنے والی قوموں کے راستے پر نہیں چلنا چاہئے مگر آپ کی عملی زندگی کا حال یہ ہے کہ آپ انہی گمراہ قوموں کی ملازمتیں اور نوکریاں کر رہے ہیں، انہی کا حکم مان رہے ہیں اور ان کے راستے پر ہی نہیں بلکہ ان کے اشاروں پر بنا چ رہے ہیں۔ یہ کتنا اندھیر ہے کہ نماز میں تو ہم ظالموں اور غلاموں کے راستے سے بچنے کی دعائیں مانگتے ہیں مگر نماز کے بعد صبح سے لے کر شام تک انہی ظالم سرداروں، حاکموں یا ان کے غلاموں کے اشارے پر چل رہے ہیں۔ اسے عزیزان اسلام! یہ ہمارے دل اور ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے، چونکہ ہم نے قرآن کے اصولوں کو چھوڑ دیا ہے، اس واسطے غیر قوموں نے دنیا کے بے شمار ملکوں پر قبضہ کر لیا ہے اور اب آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے ملک سے جہاں ہمارا پہلا قبلہ ہے، عربی مسلمانوں کو نکالا جا رہا ہے اور وہاں یہودی قوم کو آباد کیا جا رہا ہے۔ یعنی آپ نے عیسائیوں اور یہودیوں سے بچنے کی دعا کی تھی اور اب آپ انہی قوموں کی غلامی چھا رہی ہے نوع انسان کی یہ کمزوریاں اور بربادیاں اسی واسطے ہیں کہ آپ نے قرآن کے سبق کو یاد نہیں رکھا عزیزان اسلام! سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ختم ہو گیا۔ اس میں آپ کو تین سبق دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات الہی میں جہاں جہاں خدا کی ربوبیت، رحمت اور عدالت کام کر رہی ہے، آپ اس کا کھوج نکالیں اور اپنا حصہ حاصل کر کے خدا کی حمد و تعریف کے گیت گائیں۔ دوم یہ کہ آپ صرف خدا کے قانون کے غلام بن کر اور صرف خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے اپنے لئے آزادانہ زندگی کی جگہ پیدا کریں۔ سوم یہ کہ اعتدال کے سیدھے راستے پر چل کر ہمیشہ پیشہ کیئے۔ حد سے بڑھنے والی یا حد سے گھٹنے والی قوموں کو پہچانیں اور انسانیت کو ان سے بچائیں۔

## ۹۔ سورۃ بقرہ پر نظر عام

قرآن کی دوسری سورت کا نام، سورۃ بقرہ ہے۔ بقرہ کے معنی ہیں گائے۔ اس سورت میں گائے کا ایک ضروری واقعہ درج ہے۔ اس واسطے اس کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا ہے یعنی گائے کے بیان والی سورت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۴۰ سال کی عمر میں نبی ہوئے اور ۶۳ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی، اس لحاظ سے ۲۳ سال تک آپ نبی رہے۔ ان ۲۳ سالوں میں ۱۳ سال تک آپ مکہ شریف میں رہے اور اس کے بعد دس سال آپ نے مدینہ شریف میں گزارے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ قرآن پاک کی جو سورتیں پہلے تیرہ سالوں میں اتری ہیں جبکہ آپ مکہ شریف میں آباد تھے، انہیں مکی سورتیں کہا جاتا ہے اور جو سورتیں بعد کے دس سالوں میں اتری ہیں جبکہ آپ مدینہ شریف میں تشریف فرما تھے، انہیں مدنی سورتیں کہا جاتا ہے۔ سورۃ فاتحہ مکی سورت تھی اور اس میں کل سات آیتیں تھیں اور سورۃ بقرہ، مدنی سورت ہے، اس میں کل ۲۸۶ آیتیں اور ۲۴ رکوع ہیں اس لحاظ سے سورۃ بقرہ قرآن کی سب سے بڑی سورت ہے۔ اگر مستندوں کا لحاظ کیا جائے تو کہنا چاہئے کہ سورۃ فاتحہ کی حیثیت ایسی ہے جیسے کہ کسی کتاب سے پہلے تمہید یا مقدمہ یا دیباچہ لکھا جاتا ہے جس میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس کتاب میں کیا کیا مضمون درج ہونگے اور سورۃ بقرہ کی حیثیت ایسی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا قرآن کا اصلی پیغام اس سورت سے شروع ہو رہا ہے۔ دنیا میں فصاحت اور اختصار کی یہ پہلی مثال ہے کہ قرآن جیسی عظیم الشان کتاب جس میں ہزار قسم کے مضمون درج ہیں، اس کا دیباچہ سات فقروں میں ہے اور وہ بھی اس طرح کہ گویا پورے کا پورا قرآن انہی سات فقروں میں سمایا ہوا نظر آتا ہے۔ اب سورۃ بقرہ سے قرآن کا پیغام شروع ہوگا۔ اس میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کی آواز سن کر دنیا کے لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ قرآن کے ماننے

یعنی مومن۔ انکار کرنے والے یعنی کافر اور ظاہری طور پر ماننے والے اور دلی طور پر انکار کرنے والے یعنی منافق۔ اس کے بعد ۲۱ ویں آیت سے تمام انسانوں کو قرآن کے اصولوں کو صحیح تسلیم کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور حضرت آدمؑ کا قصہ بیان کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسانوں کی زندگی شروع کرتے وقت ہی یہ وعدہ کیا تھا کہ میں وقت وقت پر انسانوں کیلئے ہدایت نامے بھیجتا رہوں گا۔ اب یہ قرآن بھی اسی وعدہ الہی کے مطابق اتارا گیا ہے۔ پھر ۴۴ ویں آیت سے یہودی قوم کو قرآنی اصولوں پر چلنے کی دعوت دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس قوم میں کیا خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں، جن کی وجہ سے اب یہ قوم خلافت الہی کے قابل نہیں رہی۔ پھر ۸۶ ویں آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہلی دفعہ ذکر آیا ہے اور ۱۱۱ ویں آیت میں یہودیوں کے ساتھ عیسائیوں کا نام لے کر ان سے خطاب شروع کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں کیوں خدا کی طرف سے حاکم بننے کی اہل نہیں رہیں۔ پھر ۱۲۴ ویں آیت سے حضرت ابراہیمؑ کی اصل تکبریک یعنی دین توحید (خدا بادشاہ اور سب انسان بھائی) کا ذکر شروع ہوا ہے، یہ ذکر اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے اصلی خدائی اصولوں کو پیچھے ڈال دیا ہے اس واسطے اب خدا تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ایک نئی قوم پیدا کرے گا جو خدا کے نام پر زمین میں سچے خدائی اصولوں کا راج تمام کرے گی۔ اسی سلسلے میں خانہ کعبہ کا ذکر آیا ہے اور یہاں پہنچ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نئی قوم کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ پھر ۱۵۳ ویں آیت میں اس نئی قوم یعنی خدا کو بادشاہ سمجھنے والوں سے خطاب ہے اور سب سے پہلی بات انہیں یہ کہی گئی ہے کہ ہم تمہارا امتحان کریں گے، اسی کے ساتھ خدا کو بادشاہ سمجھنے والوں کو فتح کی خوشخبری اور تسلی بھی دی گئی ہے۔ اس کے بعد جو کچھ بھی لکھا گیا ہے۔ یہ وہ کورس، نصاب اور حکمنامہ ہے جو اس نئی قوم کو تیار کرنے کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ ۱۵۳ ویں سے ۱۸۹ ویں آیات تک ایسے



احکام ذکر کئے گئے ہیں جن کا تعلق جہاد کی تیاری سے ہے مثلاً وصیت، رمضان اور مالوں میں دیانت دار رہنا تاکہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کی وصیتوں اور جائیدادوں اور رقمیوں وغیرہ کے متعلق کسی قسم کے جھگڑے پیدا نہ ہوں۔ جہاد سے پہلے رمضان کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ رمضان، دراصل جہاد ہی کا مہینہ ہے اور روزہ داری قوم کو جہاد کے لئے تیار کرتی ہے۔ ۱۹۰ ویں آیت میں غلامان خدا کو صاف طور پر جہاد کا حکم دے دیا گیا ہے۔ جہاد کے بعد حج کا ذکر ہے اور اس کے بعد عورتوں کے حقوق اور نکاح کے قوانین بتائے گئے ہیں یہ دونوں باتیں وہ ہیں جو جہاد کے بعد پیش آنے والی تھیں، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جب خدا کو بادشاہ ماننے والے مرد لڑائی میں شہید ہوں گے یا جنگی عورتیں قید ہو کر ان کے پاس آئیں گی تو عورتوں کے مسائل ضرور پیدا ہوں گے۔ اسی طرح یہ بھی تاریخی طور پر ثابت ہے کہ جہاد کی کامیابی کا سب سے پہلا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ حج کی آزادی کا اعلان کیا گیا۔ اسی سلسلے میں خرچ مال کا ذکر بھی ہے اور طاقت اور جاہوت کی جنگ کا ذکر بھی ہے اور یہ سب باتیں ایسی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا ایک نئی قوم کو پیدا کر کے اسے اپنی خلافت دے رہا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیت یہ ہے، **فَاَنْصُرْنَا عَلٰی الْكٰفِرِيْنَ**۔ یہ قرآن کی دعوت کا انجام ہے۔ اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن کی تعلیم سے جو قوم پیدا ہوگی، وہ ایسی ہوگی جس کے ذریعہ سے خدا کا قانون کفر پر غالب آجائے گا۔ مختصر یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس سورت میں دنیا کے سامنے اسلام کے کیس کو پیش فرمایا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ ماسوا کو بادشاہ سمجھنے والی اقوام کا، خدا کو بادشاہ سمجھنے والی قوم کے مقابلے میں کیا انجام ہونے والا ہے؟ خدا کیوں نئی قوم کو حکومت دیگا اور کس طرح دے گا؟ آئندہ سبقوں میں ہم قرآن کی ایک ایک آیت کا ترجمہ کر کے یہ بتلائیں گے کہ قرآن نے انقلاب کی یہ آواز کس طرح اٹھائی اور اسے کیونکر کامیاب بنایا؟ خدا تعالیٰ مجھ کو اور آپ کو سب کو تعلیم قرآن پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## ۱۰۔ قرآن کی حیثیت

الکتاب ذلک الذی لا یرتاب فیہ شیخ۔ ذلک کے معنی یہ۔ لا کے معنی نہیں۔ رتاب کے معنی شک۔ فیہ کے معنی اس میں۔ فحی کے معنی میں۔ اور یر کے معنی اس۔ آپ نے سورہ فاتحہ میں دعا کی تھی، اٰھدنا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اے خدا! ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ اس دعا کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا، ذلک الذی لا یرتاب فیہ، یہ ہے کتاب لا رتاب فیہ، جس میں کوئی شک نہیں۔

عزیزان اسلام! یہ کتاب جو آپ پڑھ رہے ہیں، اس کا نام قرآن ہے۔ قرآن کے لفظ ہی میں ایک معجزہ ہے۔ قرآن کے معنی ہیں، وہ کتاب جو بہت زیادہ پڑھی جائے۔ لفظ قرآن میں یہ پیش گوئی تھی کہ یہ کتاب دنیا کی سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جائے گی، چنانچہ اسی طرح ہوا۔ قرآن، ہر زمانے میں اس قدر زیادہ پڑھا گیا کہ اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وہ مضمون اور مقصود ہے جس کی قرآن میں تشریح کی گئی ہے۔ سارے قرآن کا آخری مقصود یہ ہے کہ انسان کی زندگی اللہ کے لئے ہو جائے۔ اور بسم اللہ کا مطلب بھی یہی ہے۔

سورہ فاتحہ، قرآن کا دیباچہ ہے۔ یعنی سات آیتوں میں ایک چھوٹا قرآن جس میں خدا، انسان اور کائنات کی معرفت بیان کی گئی ہے۔ اب دیباچہ کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔

عزیزان اسلام! اس دنیا میں ہر ایک انسان کو اچھے اور سچے اصول معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ ان پر عمل کر کے زندگی کو خوشی، آرام اور کامیابی کے ساتھ گزار سکے۔ اب بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنی عقل اور سوچ سے ایسے اصول معلوم کر لیں۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ جو اصول ہم اپنی عقل سے معلوم کرتے ہیں، وہ ہمیشہ یقینی نہیں

ہو سکتے۔ آپ مثال کے طور پر خدا کی ہستی کا، یا شراب پینے اور نہ پینے کا مسئلہ لے لیجئے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہماری عقل میں آتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ نہیں آتا۔ بعض کہتے ہیں کہ شراب پینا فائدہ مند ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہے۔ چونکہ انسانوں کی عقل عقل میں فرق ہوتا ہے اس واسطے ساری عقلیں ہمیشہ ایک اصول پر جمع نہیں ہو سکتیں، اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قرآن، ایک کتاب ہے جسکی ساری باتیں سچی اور قطعی ہیں۔ کامیابی کے خواہشمندوں کو چاہئے کہ وہ تجربہ کر کے قرآن کی اس سچائی کو آزمالیں۔ عزیزان اسلام! کسی نسخے کی سچائی کا امتحان کیا ہے؟ صرف یہ ہے کہ اگر وہ نسخہ بڑا جائے تو بیماری دور ہو جائے۔ قرآن کا یقینی ہونا بھی اسی طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام کے زمانے میں یہ تجربہ مکمل ہو چکا ہے۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ عربوں کی ایک نسل جو سبک پیچھے اور سبک نیچے تھی جب ان سے قرآن پر عمل کرایا گیا تو وہ چند ہی برسوں میں اخلاق، معاشرت، تعلیم، جنگ اور نظام میں سب دنیا کی معلم بن گئی۔ قرآن کی سچائی کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ تمام دنیا کی قومیں اب ہر طرف سے نا امید ہو کر قرآنی اصولوں کو اختیار کر رہی ہیں۔ زحید، تبلیغ، مساوات، نکاح، بیوگان، ممانعت سو دوشراب، طلاق، لڑکی کو ورثہ دینا، جو آکی ممانعت، دولت کو ذخیرہ کرنے کی ممانعت، یہ سب ایسے مسائل ہیں جنہیں اسلام سے سیکھ کر تمام دنیا کے عقلمند قبول کر چکے ہیں اور قبول کر رہے ہیں یہ قرآنی اصولوں کی سچائی کی دلیل ہے جس سے کوئی باخبر آدمی انکار نہیں کر سکتا۔

عزیزان اسلام! آج تمام دنیا قرآنی اصولوں کو اختیار کر کے اپنے دکھوں کو مٹا رہی ہے مگر افسوس کہ آپ قرآن کو بھول کر اپنی مصیبتوں کو بڑھا رہے ہیں حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ رسول خدا نے چند شتر بانوں کو یہ قرآن سکھایا تھا اور وہ دنیا کے استاد اور رہنما بن گئے تھے آپ پھر اسی عزت کے مالک بن سکتے ہیں بشرطیکہ آپ قرآن پر چلیں۔

## ۱۱۔ نزول قرآن کا مقصد

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ

عزیزان اسلام! ہُدًى کے معنی ہدایت۔ لِّلْمُتَّقِينَ کے معنی پرہیزگاروں کے واسطے  
 ل کے معنی واسطے اور مُتَّقِينَ کے معنی پرہیزگار۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہے۔ قرآن،  
 پرہیزگاروں کے واسطے ہدایت کا ایک بنا بنایا، سیدھا اور واقعی راستہ ہے۔ اس سے پہلی  
 آیت میں قرآن کی حیثیت بتائی گئی کہ وہ ایک یقینی کتاب ہے اور اب اس آیت میں بتایا  
 کہ قرآن بھیجے کا مقصد ہُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ہے۔ یعنی یہ قرآن اس لئے اتارا گیا ہے تاکہ  
 یہ پرہیزگار لوگوں کو سیدھے راستے پر چلا کر کامیابی کی منزل پر پہنچا دے۔

عزیزان اسلام! اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن ایک سیدھی سڑک ہے جو خود خدا  
 تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے تیار کر دی ہے تاکہ وہ اس پر چل کر اپنی منزل پر پہنچ جائیں  
 لیکن ظاہر ہے کہ سڑک کا فائدہ صرف اپنی لوگوں کو پہنچ سکتا ہے جو سڑک پر چلنا چاہیں یا  
 منزل پر پہنچنا چاہیں اور اپنے اندر چلنے کی طاقت بھی رکھتے ہوں۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے  
 صاف فرمادیا کہ یہ قرآن، صرف پرہیزگاروں (یعنی چلنے والوں) کے لئے سڑک ہے، یہ نہیں  
 کہ جو شخص نہ چلے، وہ بھی منزل پر پہنچ جائے گا۔

عزیزان اسلام! آپ مُتَّقِينَ کے معنی سمجھ لیجئے۔ پیغمبر خدا سے پوچھا گیا، تقویٰ کس  
 کو کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، اگر تم کسی ایسے جنگل میں سے گزرو جو کانٹوں اور جھاڑیوں سے  
 بھرا ہوا ہو تو تم کیا کرو گے؟ صحابہ نے فرمایا، اسے خدا کے رسول! ہم اپنے کپڑوں کو اپنے  
 جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیں گے تاکہ کانٹوں میں نہ الجھ جائیں، پیغمبر خدا نے فرمایا، بس یہی  
 تقویٰ ہے۔ اس بیان کے مطابق ہُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کے معنی یہ ہوتے، قرآن ان لوگوں  
 کا راستہ ہے جو اس دنیا کے جنگل میں ہر قسم کے کانٹوں یعنی گناہوں وغیرہ سے بچ کر

اپنی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ عزیزانِ اسلام! انسان کے پاس دیکھنے والی قوتیں تین ہیں، ایک قوت آنکھوں میں ہے جس کا نام بینائی ہے، اس سے بڑی قوت دماغ میں ہے جس کا نام عقل ہے، اس سے بڑی قوت روح میں ہے جس کا نام تقویٰ ہے جس طرح سورج سے فائدہ اٹھانے کیلئے قوت بینائی کا موجود ہونا ضروری ہے اسی طرح قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لئے دل میں تقویٰ کی قوت کا موجود ہونا ضروری ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر کام کو شروع کرنے کے لئے ابتدا میں کچھ نہ کچھ سامان کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً چلنے کے لئے پاؤں ضروری ہیں۔ اسی طرح ابتدائی سامان کے طور پر کسی قوم میں تقویٰ ہونا چاہئے۔ پھر ایسی قوم اگر قرآن کے اصولوں پر چلے تو وہ کامیاب ہو جائے گی۔ پس، آپ کا فرض ہے کہ سب سے پہلے اپنے اندر، پرہیزگار بننے اور کانٹوں سے بچ کر زندگی گزارنے کا شوق اور احسان پیدا کریں، جب یہ احساس پیدا ہو گیا تو قرآن کی تعلیم آپ کے لئے ایک سیدھی سڑک ثابت ہوگی اور اس سڑک پر چلنے سے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں آپ کو زندگی کی مرادیں حاصل ہو جائیں گی۔ خواہ آپ کے پاس علم و دولت نہ ہو، خواہ آپ کی تعداد کم ہو۔ اس لئے کہ سیدھی سڑک پر چلنے والے لوگ اگر تھوڑے غریب اور بے علم بھی ہوں تو وہ منزل پر ضرور پہنچیں گے، ان میں صرف چلنے کی طاقت ہونی چاہئے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری قرآنی سڑک پر چلنے والی طاقت کا نام ہے۔

عزیزانِ اسلام! بہت سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر انہیں قرآن سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا؟ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی اندھا سورج سے فائدہ نہیں اٹھاتا قرآن سے صرف پرہیزگار لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ خدا کے بندو! اپنے اندر تقویٰ کی طاقت پیدا کرو پھر تمہیں قرآن کی برکتیں فرو حاصل ہو جائیں گی؟

شُرَاطُ وَاخْلَافِ قُرْآنِ جَمَاعَتِ ۱۲۔ مَتَقٰی کون؟ شرط اول ایمان بالغیب

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

الَّذِينَ کے معنی جو لوگ۔ یُؤْمِنُونَ کے معنی ایمان لاتے ہیں۔ بِالْغَيْبِ کے

معنی غیب پر۔ جب کے معنی ساتھ یا پر۔ آیت کا مطلب یہ ہوا، پرہیزگار وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب کا لفظ عام ہے۔ خدا، روح، فرشتے، بہشت، دوزخ، عذاب، قبر وغیرہ باتیں جن کو آپ آنکھ، ناک، کان اور عقل سے دیکھ اور پا نہیں سکتے، غیب میں شامل ہیں۔

عزیزان اسلام! پہلے آپ آیتوں کی ترتیب سمجھ لیں۔ پہلی آیت میں قرآن کی حیثیت بیان کی گئی ہے کہ وہ خدا کی طرف سے قانون کی ایک یقینی اور نہ بدلنے والی کتاب ہے پھر قرآن بھیجنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ احتیاط اور سلامتی کے ساتھ غمگزار کر منزل کمال تک پہنچنا چاہتے ہیں، قرآن کی کتاب، ان کے لئے ہدایت کی ایک بنی بنائی سیدھی اور محفوظ سڑک ہے۔ بہر حال قرآن نے اپنی جماعت کا نام متقی (پرہیزگار) رکھا ہے۔ اب آج کی آیت سے متقی کی تشریح شروع ہوئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جو شخص پانچ اصول اختیار کر لے، وہ متقی بن سکتا ہے۔

عزیزان اسلام! اس دنیا میں الگ الگ کاموں کیلئے الگ الگ جماعتیں تیار کی جاتی ہیں۔ استاد کہتا ہے کہ پڑھنے کے لئے آؤ۔ اس سے پڑھنے والوں کی جماعت بن جاتی ہے چور اور ڈاکو، لوٹ مار کا نام لے کر اپنا جتھہ تیار کر لیتے ہیں۔ کانگرس والے آزادی وطن کا نام لے کر اپنی جماعت تیار کرتے ہیں۔ مگر قرآن ان میں سے کسی چیز کے نام پر اپنی جماعت تیار نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے، هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ، یعنی میں پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہوں اور میرے مہمزمیر جماعت، اور پارٹی صرف وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ ظلم، گناہ اور

بدی سے الگ ہو کر اپنی زندگی بسر کریں۔ بس، قرآن نے جن لوگوں کو اپنی قوم بنایا، ان کی زندگی کا بنیادی اصول یہ ہونا چاہیے کہ وہ پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہوں۔ اس جڑ کی بات کو طے کر دینے کے بعد، اس پرہیزگار پارٹی سے قرآن نے پہلا مطالبہ یہ کیا ہے کہ وہ غیب پر ایمان لائیں۔ آپ پوچھیں گے، قرآن نے یہ مطالبہ کیوں کیا؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ انسانی زندگی کے متعلق، قرآن کا عقیدہ سمجھ لیں۔ قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ نقطہ موت پر انسان کی زندگی ختم نہیں ہوتی، اس واسطے وہ جو بھی حکم دیتا ہے، یہ سمجھ کر دیتا ہے کہ انسانی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ موت سے پہلے ہے اور دوسرا حصہ موت کے بعد۔ اور انسان کی یہ دونوں زندگیاں کامیاب ہونی چاہئیں۔ اسے خدا کے بند و امواجو وہ زندگی کے تمام حالات اور تمام واقعات آپ کے سامنے ہیں، مگر موت کے بعد کی زندگی، آپ کے سامنے نہیں ہے اسلئے یہ ضروری تھا کہ آپ کو سب سے پہلے یہ کہا جائے کہ آپ غیب پر ایمان لائیں، تاکہ اس دنیا کی زندگی کے علاوہ وہ دوسری چیزیں جن کا آپ کی زندگی سے تعلق تو ہے مگر جنہیں آپ دیکھ نہیں رہے ہیں، آپ کے خیال میں آجائیں اور قرآن نے جو دونوں جہانوں کی کامیابی کے سوال کو سامنے رکھ کر آپ کیلئے راہ عمل تجویز کی ہے، آپ اس پر عمل کر سکیں۔ زندگی کے کسی راز میں جنہیں انسان کسی طرح حل نہیں کر سکتا، اسی طرح کئی قرآنی حکم بھی ایسے ہیں جن تک ابھی انسان کی عقل نہیں پہنچی۔ اس لئے کہا گیا کہ بہت سی چیزیں ایسی بھی آئیں گی جن پر آپ کو بن دیکھے ایمان لانا چاہئے۔ بہر حال خدا، بلائکہ، بہشت و دوزخ پر بن دیکھے ایمان لانے کا حکم دے کر قرآن نے وہ اصلی بنیاد قائم کر دی ہے جس کے بعد انسان کا دل کہیں ڈالنا ڈول نہیں ہو سکتا۔ آپ اس بات کو ایک دفعہ پھر سمجھیں۔ آپ کے سامنے اصل سوال یہ ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں آپ کی پالیسی کیا ہونی چاہئے؟ قرآن کہتا ہے کہ عالم ظاہر اور عالم غیب دونوں اپنے سامنے رکھ کر اپنا راستہ تجویز کرو۔ اس کا مفاد یہ ہو گا کہ تمہارا پروگرام اس قدر مکمل بنے گا کہ تم اس زندگی میں اس زندگی کے بعد بھی پوری طرح کامیاب جاؤ۔

## شتر الٹا داخلہ قرآنی جماعت ۱۱۔ منقہ کون؟ شرط دوم نظام وَيَقِيمُونَ الصَّلَاةَ

و کے معنی اور۔ یقیمون کے معنی قائم کرتے ہیں۔ صلوٰۃ کے معنی نماز۔ قرآن نے اپنی جماعت کے لئے دوسرا اصول یہ تجویز کیا ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ ایمان بالغیب کا مطلب یہ ہے کہ تم کو قرآن کی شکل میں جو غیب سے آواز سنائی گئی ہے، اس پر ایمان لاؤ اور یہ سمجھو کہ قرآن نے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی بھلائی کے خیال کو سامنے رکھ کر، تمہارے لئے زندگی کا پروگرام بنایا ہے۔ نماز کا مطلب یہ ہے کہ ممبران اسلام کے دل پاک ہو جائیں اور وہ سب مل کر ایک جسم اور ایک جماعت بن جائیں۔ "نماز قائم کرو" کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے ذریعہ کو اختیار کر کے اپنی جماعت کو منظم کر لو۔

اسے بندگان خدا! آپ نماز کا مطلب ایک مثال سے سمجھیں، ایک دولت مند آدمی کے تین بیٹے ہیں۔ ایک بیٹے کے دل میں ہے کہ میں نقد روپیہ پر قبضہ کر لوں اور خوب مزے اڑاؤں دوسرے بیٹے کے دل میں ہے کہ میں کارخانوں کا مالک بن جاؤں اور دوسرے بھائیوں کو کسی مصیبت میں پھنسا دوں۔ تیسرے بیٹے کے دل میں ہے کہ سب کچھ میرا ہو جائے اور باقی بھائی میرے رحم پر زندہ رہیں۔ چونکہ تینوں بھائیوں کے دل میں کھوٹ، فریب، خود غرضی اور ظلم کے خیالات پھرتے ہوئے ہیں اس واسطے یقینی ہے کہ ان میں لڑائی اور نا اتفاق کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ قریباً تمام دنیا کے انسانوں کا یہی حال ہے چونکہ ہر شخص کے دل میں اپنی جگہ، دغا، فریب، خود غرضی، ظلم اور طمع کے خیالات پھرتے ہوئے ہیں اس واسطے یہ ساری دنیا دنگ، فساد، لفاق، دکھ درد اور تکلیفوں سے بھر گئی ہے۔ تھلاؤ چاہتا ہے کہ میرے سبب بند سے اتفاق کرے ایک برادری بن جائیں۔ اس واسطے وہ دوسرا حکم یہ دیتا ہے کہ سب کے سب لوگ پاک و صاف ہو کر، دن میں پانچ مرتبہ ایک امام کے



بیچھے، ایک قبلہ کی طرف منہ کر کے ایک قطار میں کھڑے ہو کر، خدا کے سامنے حاضر ہو کرین اور اپنے  
 بھائی بھائی ہونے کا اقرار کیا کریں۔ اس تدبیر کا مطلب یہ تھا کہ سب ممبروں کے دل میں اپنے  
 خدا کا خیال ہر وقت تازہ رہے اور خدا کی حاضری کا خیال کر کے سب کے دل کھوٹ، میل اور حسد  
 وغیرہ سے پاک ہو جائیں اور دنیا میں خدائی محبت کا ایک طاقتور نظام پیدا ہو جائے، اس کے  
 علاوہ نماز سے اور بھی کئی فائدے پیش نظر تھے۔ مثلاً نماز سے انسان کو جسم اور لباس صاف  
 رکھنے کی ہدایت ہوتی ہے۔ قوم میں محبت و اتفاق پیدا ہوتا ہے، وقت کی پابندی کا سبق ملتا  
 ہے، نماز سے غریب اور امیر کا فرق مٹتا ہے، انسان بے حیائی اور گناہ سے رکتا ہے، نماز سے  
 منہ، ناک، کان، دانت اور ہاتھ پاؤں جہاں گرد و غبار اور جراثیم جم جاتے ہیں، صاف رہتے  
 ہیں، نماز ایک نرم قسم کی بہت اچھی ورزش ہے، نماز سے ایک امام کے پیچھے چلنے کا سبق  
 ملتا ہے۔ نماز کی باقاعدگی قوم کو فوجی نیندگی کا سبق سکھاتی ہے۔ پیغمبر خدا کی جماعت نے  
 جو طبری طبری کامیابیاں حاصل کیں، ان کا سب سے بڑا سبب نماز تھی۔ نماز نے خدا کے بندوں کو  
 ایک قوم بنا دیا تھا، ان کی روحوں کو پاک کر دیا تھا، انہیں مہذب بنا دیا تھا، ان کے دلوں کو  
 خدا کی محبت سے بھر دیا تھا، چونکہ یہ بہت بڑا مسئلہ تھا کہ سب انسانوں کو دغا اور ظلم وغیرہ سے  
 نکال کر ایک برادری بنایا جائے اس واسطے سب انسانوں کو یہ حکم ہوا کہ سب لوگ محلہ وار دن  
 میں پانچ مرتبہ خدا کے سامنے ہو کر یہ اقرار کیا کرو کہ اے خدا! تو ہمارا بادشاہ ہے اور ہم سب بھائی  
 بھائی ہیں۔ مختصر یہ کہ نماز کے اصلی مقاصد دو ہیں۔ ایک یہ کہ ہر انسان کا دل پوری طرح پاک ہو جائے  
 اور دوم یہ کہ قوم میں اتفاق ہو جائے۔ یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ قرآن اس کا قائل نہیں کہ خارجیوں پر دستخط  
 کرنے سے کسی پارٹی کے اندر دلی اتفاق ہو سکتا ہے۔ قرآنی اصول یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز باجماعت  
 خوف خدا اور یاد آخرت کے ذریعہ سے دلوں کو غرض اور کھوٹ سے پاک کیا جائے تاکہ وہ متقی  
 ہونے کے قابل ہو جائیں۔

شُرَاطُ وَاحِدَةٍ قَرَأَتِ جَمَاعَتٌ ۱۴۔ مَسْقُوعُونَ ۹۔ شَرْطُ سَوْمِ قَرْبَانِي

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ

و کے معنی اور۔ مِمَّا کے معنی اُس میں سے۔ رَزَقْنَا کے معنی رزق دیا ہم نے۔ رَزَق کے معنی رزق دیا اور ناک کے معنی ہم نے۔ هُمْ کے معنی اُن کو۔ يُنْفِقُونَ کے معنی وہ خرچ کرتے ہیں۔ نفق خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہوا، قرآن نے جس پر مہیزگار قوم کو دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے، اس کی زندگی کا پہلا اصول یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور موت سے پہلی اور موت سے بعد کی پوری زندگی کے فوائد کو سامنے رکھ کر اپنا وقت گزارتے ہیں۔ دوسرا اصول یہ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں تاکہ ہر شخص کی پرہیزگاری مکمل ہو جائے، روح بھی پاک ہو جائے اور قومی جہتاً اور نظام بھی قائم ہو جائے اب تیسری شرط یہ بتائی کہ انہیں یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ ہم کو جو کچھ بھی خدا نے دیا ہے، ہم اس کا ایک حصہ لازمی طور پر خدا کی راہ میں خرچ کریں گے۔ خدا کے دیئے میں جان، مال، اولاد، وقت، علم، عقل، صحت اور تندرستی سب چیزیں شامل ہیں۔ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ صرف اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو کچھ بھی خدا نے آپ کو دیا ہے، اس کا ایک حصہ لازمی طور پر خدا کے لئے (یعنی خدا کے بندوں پر) خرچ کریں۔ مثال کے طور پر اگر آپ وقت خرچ کر کے اپنے بیٹے کو نہلاتے ہیں تو کبھی کسی یتیم کو بھی نہ لایئے۔ اگر آپ روپیہ خرچ کر کے اپنا مکان بنواتے ہیں تو یہی روپے، قرآنی اصولوں کے پھیلانے پر خرچ کیجئے۔ اگر آپ جسمانی طاقت خرچ کر کے اپنے دفتر کا کام کرتے ہیں تو وہی طاقت خرچ کر کے ظالموں کو ظلم سے بھی روکئے۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کے ایک حصے کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا اصول، بڑا ہی ضروری اصول ہے، آج انگریزوں، جرمنوں اور جاپانیوں کو جو بڑی بڑی کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں، وہ صرف اس بات کا نتیجہ ہیں کہ وہ اپنی

جانوں، مالوں اور تندرستیوں کا ایک ایک حصہ، اپنی قوم کی ترقی پر خرچ کرتے ہیں مگر ہم مسلمانوں پر افسوس ہے۔ ہم یہ بات تسلیم تو کرتے ہیں کہ ہماری جان مر جائیگی۔ ہمارا مال اور اولاد موت کے بعد یہیں رہ جائیں گے مگر افسوس کہ ہم یہ جانتے ہوئے بھی یہ چیزیں بچانی کی امداد میں خرچ نہیں کرتے۔

اسے خدا کے بندو! آپ کو بڑا دھوکا لگ گیا ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جو روپیہ آپ کے اصولوں کی تبلیغ، غریبوں کی امداد، منظلوموں کی دستگیری، یا ظالموں کی روک تھام میں خرچ کریں گے، وہ آپ کے ہاتھ سے چانا رہتا ہے۔ جانا کہاں رہتا ہے؟ اس سے تو دنیا میں بھی آپ کو نفع حاصل ہوتا ہے اور موت کے بعد بھی۔ جو شخص نیک باتوں اور نیک لوگوں کی امداد اور ترقی میں اپنی جان اور مال خرچ کرتے ہیں، وہ چند ہی دنوں میں اصلی عیش و آرام اور اصلی عزت و دولت کے وارث بن جاتے ہیں مگر جو خرچ نہیں کرتے، ان کی جانیں بھی برباد ہو جاتی ہیں، عزتیں اور دولتیں بھی۔ آپ یاد رکھتے کہ کوئی انسان اس وقت تک خدا کا سچا غلام نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ خدا کے حکم کی خاطر اپنے جان، مال، وقت اور آرام کو قربان کرنا نہ سکے۔ اس دنیا میں ہر قوم کو اس کی قربانی کے مطابق درجہ مل رہا ہے۔ آپ جنگ عظیم کو دیکھیں، ہر قوم نے اپنے فائدے اور خود غرضی کے لئے لاکھوں جوان اور کروڑوں روپیے کٹا دیئے۔ یورپ والوں نے اپنے خیال میں ترکوں کا جنازہ نکال دیا تھا مگر غازی مصطفیٰ کمال پاشا مرحوم نے ترکی نوجوانوں کا خون بہا کر اپنی آزادی پھر حاصل کر لی۔ آپ اس حقیقت کو کبھی مت بھولئے کہ جب تک آپ راہ خدا میں قربانی دینا نہ سیکھیں گے، آپ کو کبھی خدا کی قبولیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسے خدا ہمیں ہمت اور طاقت دے کہ ہم حکم خدا کے مطابق اپنے جان اور مال کی قربانی دے سکیں۔

شہر الطواغیہ قرآنی جماعت ۱۵۔ مفتی کون؟ شرط چہام اتحاد و صداقت عہدہ

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

مفتی نازل کیا گیا یا اُترا۔ اِلَيْكَ کے معنی تیری طرف۔ اِلٰی کے معنی طرف اور کَب کے معنی

تیری۔ وَمَا أُنزِلَ کے معنی اور جو کچھ اُترا۔ مِنْ کے معنی سے۔ قَبْلِكَ کے معنی تجھ سے پہلے۔

قَبْلِكَ کے معنی پہلے۔ کَب کے معنی تجھ۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ جس پر پیغمبر کا رقوم کو پیدا کرنا،

اور کامیاب بنانا، قرآن کے سامنے ہے، اس کی زندگی کا چوتھا اصول یہ ہوگا کہ وہ حضرت محمد پر

اور آپ سے پہلے تمام نبیوں اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ قرآن کی قوم کا پہلا اصول

یہ بنایا گیا کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسرا اصول یہ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ

وہ خدا کے دینے والے ہیں۔ ایک حصہ خدا کی راہ میں قربان کرتے ہیں۔ اب چوتھا اصول

یہ بتایا گیا ہے کہ وہ خدا کے سب نبیوں اور سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اصلی بات یہ ہے کہ ہم تمام انسانوں کا خالق اور مالک، وہی ایک خدا ہے اور اس

کی بھائی اور بہن ہیں۔ اس کے تمام بندے بھائی بھائی بن کر آفاق اور مجتہد کے

ساتھ زندگی بسر کریں۔ خدا نے اپنا یہی راستہ سمجھانے کے لئے ہر ایک قوم اور ملک میں نبی

اور رسول بھیجے اور اسی غرض سے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔ خدا کے ان تمام نبیوں نے

اور خدا کی بھیجی ہوئی تمام آسمانی کتابوں نے، تمام دنیا کے انسانوں کے سامنے ہمیشہ ایک

سچائی پیش کی ہے اور وہ یہ کہ سب انسانوں کا خدا ایک ہے اور سب انسان آپس میں بھائی

بھائی ہیں اور ایک دوسرے کی ہمدردی کے حق دار ہیں۔ اگرچہ خدا کے نبی اور کتابیں مختلف

دقتوں میں آئیں اور ان کی قومیں اور ملک بھی مختلف تھے مگر ان کی تعلیم کا اصول مختلف نہیں

تھا۔ وہ سب ایک خدا کی طرف سے تھے اور ایک ہی پیغام کے لانے والے تھے۔ انہوں

نے جو بات بھی خدا کے بندوں سے کہی، وہ حق تھی اور خدا کی طرف سے تھی۔ لہذا اب قرآن اپنے  
 تمام ماننے والوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہمیشہ یہ اصول اپنے سامنے رکھیں کہ  
 خدا کے تمام نبی بھی حق ہیں اور ان کی کتابیں بھی حق ہیں۔ اس اصول کو مان لینے سے آپ  
 تمام دنیا کی قوموں اور ملکوں میں اتحاد و اتفاق کرانے کے قابل بن سکتے ہیں۔  
 اے بندگانِ خدا! قرآن نے دراصل آپ کو یہ اصول سمجھایا ہے کہ جس طرح خدا کے  
 نبی ایک تھے اور آپس میں بھائی بھائی تھے، اسی طرح ان کی امتوں کی برادری بھی ایک  
 ہونی چاہئے اور وہ اس طرح کہ کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم کے نبی اور انسانی کتاب کو  
 رد نہ کرے بلکہ سب تو ہیں اور سب ملکوں کی کہ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام قوموں اور ملکوں پر حق ہے یعنی نبی آئے نہ چکے  
 ہیں اور جتنی بھی کتابیں ان کو دی گئی ہیں، وہ سب حق ہیں۔ آپس کی علیحدگی مٹ جائی  
 چاہئے اور سب لوگوں کو بھائی بھائی بن کر اس آخری ہدایت نامے کے مطابق زندگی بسر کرنی  
 چاہئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے تمام نبیوں اور تمام کتابوں پر ایمان لانے  
 کا اس لئے حکم دیا ہے تاکہ سب دنیا کے لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہمارا خدا بھی ایک ہے اور خدا  
 کی ہدایت بھی ایک ہے اور خدا کی طرف سے ہدایت نامے بھی ایک ہیں۔ لہذا ان  
 سب کو "ایک خدا، ایک قانون اور پروگرام، ایک رہنمائی اور ایک انسانی برادری" کے اصول  
 کو تسلیم کر کے اس دنیا کی زندگی کو خوشی اور آرام سے بسر کرنا چاہئے۔ اسے عزت مآں اسلام!  
 یہ کتنی قیمتی تعلیم ہے، آپ کا فرض ہے کہ آپ تمام دنیا کی قوموں کے ہر منبر پر اصول  
 پیش کریں تاکہ قومی جھگڑے اور فساد مٹ جائیں اور انسانی اتفاق کا زمانہ شروع ہو جائے۔  
 اور سب انسان بھائی بھائی بن جائیں۔

شروط داخلہ قرآنی جماعت ۱۴- منقح کون ؛ شرط پنجم ذمہ داری اعمال کا عقیدہ

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ

و کے معنی اور۔ بِالْآخِرَةِ کے معنی آخرت پر۔ ب کے معنی پر یا ساتھ۔ مثلاً بِالْكِتَابِ کے معنی کتاب پر۔ بِالرَّسُولِ کے معنی رسول پر۔ هُمْ کے معنی وہ سب۔ يُوقِنُونَ کے معنی یقین کرتے ہیں۔ ساری آیت کے معنی یہ ہوتے۔ وہ پرہیزگار قوم جو قرآن کی تعلیم سے پیدا ہوگی اس کی زندگی کا پانچواں اصول یہ ہے کہ وہ موت کے بعد آنے والی زندگی پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے چار اصول بیان ہو چکے ہیں۔ اول یہ کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ دوم یہ کہ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں، سوم یہ کہ وہ خالق تعالیٰ کے دینے سے کچھ راہ خرابی خرچ کرتے ہیں۔ چہارم یہ کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر اور قرآن سے پہلے کی تمام کتابوں اور نبیوں کو سچا تسلیم کرتے ہیں۔ اب اسی پرہیزگار قوم کی زندگی کا آخری اور پانچواں اصول پر بتایا کہ وہ اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ انسان کو موت کے بعد جو بھی زندگی ملیگی، وہ اس دنیا کے عملوں کے مطابق ہوگی۔ قرآنی جماعت کے داخلہ کے لیے ایمان آخرت کی شرط اس لیے لگائی گئی تاکہ اس جماعت کا کوئی ممبر کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے قرآنی جماعت یا عام انسانیت میں بگاڑ، دکھ اور خرابی پیدا ہو۔

اسلام کی تعلیم میں دو باتیں بڑھی ہی خاص ہیں۔ ایک ذات خداوندی پر ایمان لانا اور دوسرے یوم آخرت یعنی موت کے بعد کی زندگی پر ایمان لانا۔ اگر اسلام کی عمارت سے خدا پر ایمان لانے کا عقیدہ نکال دیا جائے تو اس کی تمام عمارت ہی گر جائے گی۔ اسی طرح اگر یوم آخرت کا عقیدہ نکال دیا جائے تو پھر بھی تمام عمارت گر جائے گی اور یہ سارا سلسلہ بے جان ہو جائے گا۔

اسے ایمان والا وہ خاص بات جس کے لئے مذہب کی ضرورت ہے، صرف یہ ہے کہ

انسان کی زندگی نقطہ موت پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جا ہی رہتی ہے۔ آپ چونکہ اس دنیا کی زندگی کے نقصانات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس واسطے آپ ان سے اپنا بچاؤ بھی کر سکتے ہیں مگر موت کے بعد کی زندگی کا ہر معاملہ ایسا ہے جسے آپ نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ عقل سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اس واسطے آپ اپنے ذاتی عقل اور قیاس سے اپنے بچاؤ کا طریقہ بھی معلوم نہیں کر سکتے ہیں۔ بس اسی ضرورت کیلئے نبیوں سے تعلیم پانا ضروری ہے۔ آپ اپنی موت کے بعد کی زندگی کو صرف ایک ہی طریقے سے کامیاب بنا سکتے ہیں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ صرف ایک خدا کو اپنا بادشاہ سمجھیں اور صرف اسی کے حکموں کی پوری طرح پیروی کریں کیونکہ ان حکموں میں آپ کے لئے دونوں جہانوں کی بھلائی کا خیال رکھا گیا ہے۔ مگر اگر آپ خدا کے حکموں پر نہیں چلتے تو موت کے بعد آپ ہمیشہ نقصان میں رہیں گے۔ اس لئے کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ آپ جو بھی عمل اس دنیا میں کرتے ہیں، اس کا ایک ذرہ بھی کہیں ضائع نہیں ہوتا اور اس عمل کی پوری ذمہ داری ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ پر قائم ہو جاتی ہے۔

اسے ایمان والو! یہ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے اور موت کے بعد کی زندگی، اس دنیا کے عملوں کا پھل پانے کی جگہ ہے۔ پس جو لوگ یوم آخرت پر ایمان نہ رکھتے ہیں، ان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے عملوں کی ذمہ داری کا خیال کریں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے موجودہ دنیا میں بگاڑ اور مشکلات پیدا ہوں، یا موت کے بعد جس کا بدلہ بدلہ ملے۔ افسوس کہ ہم لوگ زبان سے تو آخرت کا بہت نام لیتے ہیں مگر ہمارے دلوں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اس دنیا میں جتنی بھی نیکیاں جمع کر سکے، جمع کر لے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں رحمت خدا کا حق دار بن جائے۔

اہل ایمان کی کامیابی

(۱۸)

اُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

تین لفظوں کے معنی یاد کر لیں۔ اُولَئِكَ، هُمْ اور هُمُ تینوں کے معنی وہ سب۔ عَلَىٰ هُدًى کے معنی ہدایت پر۔ مِّن رَّبِّهِمْ کے معنی اپنے خدا کی طرف سے۔ مِّن کے معنی سے اور رَّبِّهِمْ کے معنی ان سب کا رب۔ اور الْمُفْلِحُونَ کے معنی کامیاب۔ ساری آیت کے معنی یہ ہوئے، یہی لوگ اپنے خدا کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ مراد حاصل کرنے والے ہیں۔

اسے ایمان والو! اس آیت کے دو حصے ہیں۔ ایک اُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں کی زندگی پانچ اصولوں کی پابندی سے، وہی لوگ ہدایت پر ہیں۔ آپ پہلی آیتوں میں پانچوں اصول معلوم کر چکے ہیں۔ ان میں سے تین اصول ماننے کا ہیں اور دو کرنے کے ہیں۔ پہلا اعتقادی اصول یہ ہے کہ آپ غیب پر ایمان لائیں اور اس دنیا اور اس دنیا دونوں کی بھلائی کا خیال کر کے اپنا وقت گزاریں اور کسی حال میں بھی اپنی موجودہ زندگی یا خدا کی نجات کے متعلق اپنے حق اور حصے کو بھولیں۔ دوسرا اعتقادی یہ کہ آپ خدا کے تمام نبیوں اور کتابوں کی سچائی کو تسلیم کریں اور یہ سمجھیں کہ جس طرح خدا ایک ہے اسی طرح تمام دنیا کے انسانوں کے لئے راہ نجات بھی ایک ہے اور سب کے سب انسانوں کی اصل اور برادری بھی ایک ہی ہے۔ تیسرا اعتقادی یہ کہ آپ خود کو اپنے ہر عمل کا ذمہ دار سمجھیں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے موجودہ یا آئندہ زندگی میں کوئی جواب نتیجہ ظاہر نہ ہو۔ ان تین اعتقادی اصولوں کے علاوہ دو عمل ضروری ہیں۔ اول یہ کہ آپ نماز کی حکمت کو سمجھ کر نواہیت پابندی کے ساتھ نماز قائم کریں اور سب لوگ دن میں پانچ وقت خدا کے دربار میں حاضر ہو کر یہ بیان لکھائیں کہ ہم سب ایک جسم ہیں۔ دوم یہ کہ آپ کو جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ



لے عطا فرمایا ہے، اس کا ایک حصہ لازمی طور پر دوسرے بھائیوں کی امداد میں خرچ کریں یہ  
وہ پانچ اصول ہیں جن کے متعلق خدا نے ارشاد فرمایا ہے، اُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ  
یعنی ہدایت کی بنیاد یہی پانچ باتیں ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا، اُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ  
یعنی جو لوگ اوپر کے پانچ اصولوں کو قائم کر کے قرآن پاک پر عمل کریں گے، وہ دونوں جہانوں  
میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اے بندگانِ خدا! اسلام کی تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ سے ساڑھے تیرہ سو سال  
پہلے بالکل ایسا ہی ہو گیا۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے قرآن پیش  
فرمایا تو ہر ملک اور ہر قوم کے سچے آدمی اور چند غریب، بے علم اور اذیتوں کو چرانے والے  
بدو آپ کے ساتھ ہو گئے اور انہوں نے پچاس ہی سال کے اندر اندر آدھی دنیا کو ظلم سے  
پاک کر کے کروڑوں انسانوں کو ہدایت کی راہ دکھادی۔ افسوس ہے کہ آج کروڑوں انسان  
اور سب سے زیادہ جو مسلمان اب اسی راہ ہدایت سے غافل ہو گئے ہیں۔ ہمارا دعویٰ تو یہ  
ہے کہ ہم قرآن کو سچا مانتے ہیں حالانکہ جو کچھ بھی قرآن میں لکھا ہوا ہے، اس کا ہم کو کچھ بھی  
علم نہیں ہے۔ جب ہم قرآن کو جانتے ہی نہیں تو ہم سچا کس کو مانتے ہیں؟

اے ایمان والو! اگر آپ دنیا اور آخرت میں پھر بامراد ہونا چاہتے ہیں تو آپ کا پہلا  
فرض یہ ہے کہ آپ قرآن کے اصولوں کا علم حاصل کریں اور پھر ان اصولوں پر عمل کریں۔  
اس کے بعد آپ میں وہ شان پیدا ہوگی کہ تمام انسان آپ کی عزت کریں گے۔ یہ اللہ کا  
وعدہ ہے۔ اس وقت بہت مسلمان پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ الہی کیوں پورا نہیں ہوتا؟  
اس لئے کہ تم قرآن الہی کو پورا نہیں کرتے۔ دیکھو جس قرآن نے چند شتر بانوں کو تاجدار بنا دیا  
اگر تم ہم کروڑ مسلمان اس پر عمل کرو تو تم کیوں کامیاب نہ ہو گے؟ مختصر بات یہ ہے، شرط  
ایمان پوری کرو اور رشتہ اسلام حاصل کرو۔

## ۱۹۔ کافر کون؟

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۹﴾  
 بے شک جنہوں نے انکار کیا برابر ہے ان پر خواہ ڈراوے تو ان کو یا نہ  
 تنذیر ڈھکیں، ڈراوے ان کو۔ لَیُّوْمَ مُنُونٍ، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

عزیزان اسلام! آپ آیتوں کی پوری ترتیب سمجھ لیں۔ سب سے پہلے بسم اللہ، یہ قرآن کا شروع  
 ہے۔ پھر سورہ فاتحہ، یہ دیا چہ ہے۔ پھر قرآن کی حیثیت بتلائی ہے، ذَلِكِ الْكِتَابُ الَّذِي رَتَّبَ  
 فِيهِ۔ یعنی ایسی کتاب جو بغیر شک کے ہو۔ پھر قرآن کا مقصد بتایا ہے، هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ  
 یعنی ایسے لوگوں کے لئے ہدایت جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیں۔ اس کے بعد یہ  
 ذکر شروع ہوا ہے کہ قرآن کے اُترنے سے دنیا تین گروہوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ایک گروہ  
 قرآن کو ماننے گا اور وہ کامیاب ہوگا۔ دوسرا گروہ قرآن ماننے سے صاف انکار کرے گا اور  
 وہ دنیا اور آخرت میں ناکام رہے گا، تیسرا گروہ دورنگی یا ایسی اختیار کرے گا اور ذلیل کیا جائے گا  
 اب سے پہلے جو آیتیں آپ نے پڑھی ہیں، ان میں سرسری طور پر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ پرہیزگار  
 لوگ پانچ شرطیں مان کر قرآنی جماعت بن جائیں گے اور کامیابی حاصل کریں گے۔ ممبروں کے  
 بعد اب آج کی آیت سے غیر ممبروں کا ذکر شروع ہوا ہے، پہلے ان کا ذکر ہو گا جنہوں نے قرآن  
 ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے اور اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہو گا جو دورنگی برتیں گے۔

عزیزان اسلام! آج کی آیت کا مطلب یہ ہے، جن لوگوں نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ہم  
 قرآن کو نہیں مانتے۔ اے نبی! انہیں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ کبھی نہیں مانیں گے۔  
 رسول خدا کے دل میں یہ بڑی ٹپ تھی کہ سب لوگ صرف ایک خدا کو اپنا بادشاہ مانیں، اسی  
 کے حکم کے مطابق سچائی کی زندگی بسر کریں۔ لیکن وہ ظالم انسان جو خود بادشاہ بنے ہوتے  
 تھے یا وہ غلام یا جاہل عوام ان کے جال میں پھنس چکے تھے، اس اصول کو کیسے مان سکتے

ہیں؟ مثال اس کی یوں سمجھئے، ابھی ہمارے زمانے میں جرمنی کے ہٹلر کی طرف سے پولینڈ  
 ماروے اور فرانس وغیرہ پر حملہ کر دیا گیا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ہٹلر کو سمجھا  
 بچھا کر واپس پھیر دیتا ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ پیغمبر خدا کے زمانہ میں بھی کفار کی حالت  
 بھی یہی تھی، انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم لوگوں پر اپنی حکومت قائم رکھیں گے اور  
 انہیں ہرگز اجازت نہیں دینگے کہ وہ ہمارا حکم نہ مانیں اور خدا کا حکم مانیں۔ خدا کہتا ہے  
 کہ اب ان کے اس اعلان جنگ کے بعد انہیں آپ کا ڈرانا اور سمجھانا بے کار ہے، اب تو  
 انہیں طاقت سے مجبور کرنا پڑے گا کہ وہ خدا کے بندوں کو آزاد کر دیں۔

اسے بندگانِ خدا! مومن، کافر اور منافق کے الفاظ سے آج دنیا میں بڑی غلطی لگ  
 گئی ہے، اب یہ سمجھا جاتا ہے، جو شخص مسلمانوں کے گھر پیدا ہو، وہ مومن اور مسلمان ہے اور  
 جو عیسائیوں کے گھر پیدا ہو، وہ عیسائی ہے۔ اس وقت ہم لوگوں نے اپنے مذہب تک بالکل  
 ذات اور نسل بنا لیا ہے، حالانکہ قرآن کا بالکل یہ مطلب نہیں ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جو  
 شخص گورنر کے گھر پیدا ہو، وہ بھی گورنر ہے۔ جس طرح گورنری عہدہ ہے اور ذات نہیں  
 ہے۔ اسی طرح مسلمان، کافر اور منافق بھی عہدہ ہے، یہ کسی کی ذات نہیں ہیں۔ قرآن  
 کے نزدیک مسلمان وہ ہے جو صرف ایک خدا کو اپنا بادشاہ سمجھے اور اس کے قانون کے سوا کسی  
 دوسرے قانون کا غلام نہ ہو۔ کافر وہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو بادشاہ مانے اور اس کے  
 قانون کا غلام ہو اور منافق وہ ہے جو زبان سے تو یہ کہے کہ میں خدا کو بادشاہ مانتا ہوں مگر  
 عملی طور پر دوسروں کے قانون کی غلامی کرے، اسلام کسی شخص کی ذات اور نسل کا نام نہیں ہے،  
 اگر آپ صحیح معنوں میں مسلمان بننا چاہتے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ آپ صرف ایک خدا کی رسمت  
 بن جائیں اور قرآن کے اصولوں کو اپنی زندگی کا قانون بنالیں، نسلی کافر اور نسلی مسلمان ہمارا  
 من گھڑت باتیں ہیں۔ خدا کے ہاں مسلمان وہ ہے جس کے عمل اسلام کے مطابق ہوں۔

## ۴۰۔ انجامِ انکار و بغاوت

حَسْبُكَ اللَّهُ نَفَى قَلْبِي هَهُدُ وَ عَلَى مَنَعِ هِجْرُ وَ عَلَى الْبَصَارِ هَهُدُ

مہرِ کردی اللہ نے اور ہر دلوں ان کے اور اوپر کالوں ان کے اور اوپر آنکھوں ان کے  
غشاوہ پر وہ۔ وَ عَلَى مَنَعِ هِجْرُ اور واسطے ان کے۔ عَذَابُ بَطْرًا۔ مطلب یہ ہے  
اللہ نے کافروں کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کیلئے  
بہشت عذاب ہوگا۔ دلوں پر مہر سے یہ مراد ہے کہ وہ سچائی کے سبب نشان دیکھتے ہیں مگر ذرا اثر  
نہیں لیتے۔ کانوں پر پردہ کا یہ مطلب ہے کہ وہ سچ باتیں سنتے ہیں مگر قبول نہیں کرتے۔ آنکھوں  
پر پردہ کا مطلب یہ کہ وہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود سچائی کی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

عزیزانِ اسلام! تمام انسان شرک اور ظلم کی مصیبتوں سے تڑپ رہے تھے کہ پیغمبر  
خدا تشریف لائے اور آپ نے خلقِ نوح کو قرآن کے حکموں پر چلنے کی دعوت دی۔ اس پر بعض  
لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے اور ایمان داری کے ساتھ قرآن کے حکموں پر چلنے لگے اور بعض  
لوگوں نے کھلم کھلا انکار کر دیا اور عداوت کہہ دیا ہے کہ ہم خدا کے کسی حکم کو ماننے کے لئے تیار  
نہیں ہیں، ان لوگوں نے نہ یہ سوچا کہ سچ بات کیا ہے، نہ یہ سوچا کہ مخلوق خدا کا فائدہ  
کس بات میں ہے! نہ یہ سوچا کہ قرآن کی تعلیم کتنی اچھی اور مبارک ہے! وہ صرف خدا  
پر ہٹ دھرمی اور دھڑہندی، خود غرضی اور غرور کے پیچھے لگ گئے اور یہ کہہ دیا کہ نہ خود ایک  
خدا کو بادشاہ مانیں گے، نہ خلقِ خدا کو حکم خدا سننے دیں گے، نہ ماننے دیں گے۔ یہ باغی جماعت  
اپنی ضد، دشمنی اور دھڑہندی میں اس قدر غرق ہوئی کہ اس نے قرآنی جماعت کو مٹانے  
کے لئے اپنے جان، مال اور اولاد تک کی بانی لگا دی۔ اوپر کی آیت میں انہی لوگوں کے متعلق  
کہا گیا ہے کہ ان کی بد اعمالی کے باعث ان کی انسانی حالت ہی اب مسخ کر دی گئی ہے اور ان  
کے دل و دماغ اور آنکھیں کان، بانگھل حیوان کے دل و دماغ اور آنکھیں کان بن چکے

ہیں۔ یہ اس طرح کہ ہمارے قانون میں ہر غلطی کے لئے ایک قطعی سزا مقرر ہے، اگر کوئی شخص آگ میں کود جائے تو ہم اسے جلا دیتے ہیں۔ اگر زہر کھا جائے تو ہم اسے ہلاک کر دیتے ہیں اسی طرح جب کوئی شخص یا پارٹی روحانی اور قومی جرم کرتی ہے تو انہیں بھی ہماری طرف سے ویسی ہی مقررہ قومی اور روحانی سزائیں مل جاتی ہیں۔ مثلاً جو شخص یا جماعت خود غرضی نفسانیت، ضد اور دھڑ بندگی کا شکار ہو جائے تو ہم اسے دوسرا نہیں دیتے ہیں اول یہ کہ ان کی عقل فنا ہو جاتی ہے، کان بند ہو جاتے ہیں اور آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ دنیا اور آخرت میں مصیبتیں بھگتتے ہیں۔

عزیزان اسلام! اوپر کی آیت کے متعلق کئی لوگوں نے کئی قسم کی بیجا بحثیں شروع کر دی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب خدا نے کافروں کے دلوں پر پھر کر دی تو پھر ان کا کیا گناہ ہے؟ حالانکہ اصل واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے، اس آیت میں تو ذکر ہی ان لوگوں کا ہے جنہوں نے قرآن کو سننے اور سمجھنے کے بعد اپنی خود پرستی، ضد، نفسانیت اور دھڑ بندگی سے اندھے ہو کر خود یہ کہہ دیا ہے کہ ہم خدا، رسول اور قرآن کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اب اگر جلتے ہوئے تنور میں کون سے کسی شخص کا جسم جل جاتا ہے تو یہ لوگ نفسانیت اور دھڑ بندگی کی بھٹی میں خود ہی کودے ہیں، ان کی عقل، دماغ، آنکھیں اور کان کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ کافروں نے خود خدا کے قانون کو ماننے سے انکار کر دیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کے دل، کان اور آنکھیں سب اندھی ہو گئی ہیں اور انہیں دنیا اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہو گا۔

عزیزان اسلام! سچائی سے انکار کرنے کی یہ سزا صرف مکہ کے کافروں تک ہی محدود نہیں، خدا تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں دونوں کے الگ الگ نشان بیان کر دیئے ہیں جس شخص پر جسے نشانیاں صداق آئیں، وہ اپنے آپ کو اسی جماعت میں سمجھے۔

## منافق کی پہلی نشانی

### ۱۔ منافق

### زبانی جمع خرچ

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ  
اور بعض لوگ جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر  
وَمَا أُوذِينَا بِهِمْ وَ هُوَ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ لَمَن يَشَاءُ لَكُنَّا  
کے معنی کہتے ہیں۔ ہاں، لڑیا کٹر کے معنی نہیں، اَصْنَاء میں ناکے معنی ہم۔

عزیزان اسلام! بتایا یہ جارہا ہے کہ قرآن کے اترنے کا لوگوں پر اثر کیا ہوگا۔ پہلے بتایا  
کہ بعض لوگ نیک نیتی سے قرآن کے حکم کو مانیں گے اور کامیاب ہوں گے۔ پھر بتایا  
کہ بعض لوگ صاف انکار کریں گے اور ناکام ہوں گے۔ اب آج کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ  
بعض لوگ ایسے ہوں گے جو زبان سے کہیں گے، ہم نے خدا اور یوم آخرت کو مانا مگر دل  
سے وہ ماننے والے نہیں ہوں گے۔

اے صاحبان ایمان! جب پیغمبر اسلام نے لوگوں کو خدا کے قانون کی اطاعت کیلئے  
فرمایا تو بہت سے لوگوں نے جو اپنے آپ کو بڑا سیاسی مدبر، چالاک اور پالیسی باز سمجھتے تھے  
زبان سے یہ کہا کہ ہم خدا اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں مگر اپنے دل میں مخالفت پر  
جھے رہے۔ ان لوگوں نے سوچا یہ کہ اگر مسلمان کامیاب ہو گئے تو ہم کہیں کہ ہم بھی تمہارے  
ساتھ تھے لیکن اگر ناکام ہوتے تو ہم کافروں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو تہ دل سے تمہارے  
ساتھ تھے۔ چونکہ یہ جماعت تمام دنیا کے بچوں اور ایمانداروں کے لئے بڑی ہی خطرناک  
رہی ہے، اس واسطے سارے قرآن میں بڑی تشریح کے ساتھ ان کا پردہ کھولا گیا ہے اور  
ابھی اسی رکوع میں ایمانداروں کا ذکر چار آیتوں میں ہے۔ کافروں کا ذکر صرف دو آیتوں  
میں ختم کیا گیا ہے مگر اب منافقوں کا بیان تیرہ آیتوں میں ختم ہوگا۔ اوپر کی آیت میں  
منافق آدمی کی پہلی نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ زبان سے جمع خرچ کرنا خوب جانتا

ہے، جب آپ اُن سے ملیں گے، وہ فی الفور یہ کہیں گے، اَمَّا بِاللّٰهِ، ہم اللہ پر ایمان لاتے۔  
وَجِئْتُمُ الْاٰخِرِہُمْ اَمْرًا پَرِیْمًا لَاتے، ہم سچے یومین ہیں، ہم تمہارے بھائی ہیں۔ خدا  
تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب ان کا زبانی جمع خرچ ہے کہ ایماندار لوگ کبھی اس قسم کے باتوں پر  
باغ دکھانے والے لوگوں سے دھوکا نہ کھائیں۔

اسے بندگانِ خدا! قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ منافق لوگ، کافروں سے بہت زیادہ بدتر  
ہیں۔ کافر لوگ، کھلے ہوئے باغی ہیں اور صاف کہہ دیتے ہیں، ہم خدا کے قانون پر نہیں  
چلتے۔ مگر یہ منافق لوگ، خدا کے بندوں اور ایمانداروں کے چھپے دشمن ہوتے ہیں۔ یہ بغلی  
سانپ ہیں۔ یہ دوستوں کے لباس میں آتے ہیں اور زبانی جمع خرچ کر کے ایماندار لوگوں  
کے دلوں میں گھس جاتے ہیں اور پھر چھپا کر اندر ہی اندر سے کافروں وغیرہ سے مل کر انسانیا  
یا اسلامی حقوق کو ذبح کر ڈالتے ہیں۔ آپ ان سے بچئے۔

عزیزانِ اسلام! اس وقت دنیا میں اگر اعتقادی نہیں تو عملی منافق بہت موجود ہیں۔  
رسول اللہ کے زمانے کے منافق تو انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ مگر اب وہ ہر جگہ چھلکتے ہوئے  
ہیں۔ بہت سے لوگ مسلمان کہلاتے ہیں مگر خدا کے قانون کی ذرا اطاعت نہیں کرتے، نماز  
پڑھتے ہیں اور نہ روزہ رکھتے ہیں، بلکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے احکامِ شرعی  
کا خوب مذاق اڑاتے ہیں اور ان سب حرکتوں کے باوجود مسلمانوں کے جلسوں، جمعوں  
اور اجتماعوں کے چوہدری بھی بنے ہوئے ہیں۔ جلسوں کے اندر مسلمانوں سے بڑی بھدردی  
ظاہر کرتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں مگر دراصل نماز، روزہ وغیرہ پران کا کچھ بھی  
عقیدہ نہیں ہے۔ اگر آپ ان کے زبانی جمع خرچ کا ان لوگوں کے اندر دینی غلطوں سے  
مقابلہ کریں تو آپ کو ان کا نفاق صاف نظر آجائے گا، انہیں قرآن کی روشنی میں پہچان کر ان  
سے بچنا چاہئے۔

منافق کی دوسری نشانی ۲۲۔ منافق ایمانداروں سے دھوکا

یَخْلِبُ عُنُوقَ الَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ

وہ دھوکا دیتے ہیں اللذکو اور ان کو جو ایمان لائے اور نہیں دھوکا دیتے

إِلَّا مَكْرًا لِّفُسُسِهِمْ أُولَئِكَ فِي شَعْرُونِ وَمَا يَشْعُرُونَ، وہ سمجھتے۔

خلب کے معنی دھوکا۔ یخلب عُنُوق کے معنی وہ دھوکا دیتے ہیں۔ شعور سمجھنے کو

کہتے ہیں۔ وَمَا يَشْعُرُونَ کے معنی وہ نہیں سمجھتے، ماکے معنی نہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے منافق آدمی کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کو اور ایمانداروں کو

دھوکا دے گا لیکن دراصل وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہتا ہوتا ہے، اور ان کو اس بات

کی سمجھ نہیں ہوتی۔ اس آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ جو شخص جھوٹا ہو مگر وہ سچوں کا روپ

دھار کر سبک کو دھوکا دے، وہ دراصل سبک کو نہیں بلکہ خود اپنے آپ کو دھوکا دیتا

ہے، اس لئے کہ اس کی فریب کاری کسی نہ کسی وقت کھل جاتی ہے اور اس کے بعد کوئی

شخص اس کا اعتبار نہیں کرتا۔

عزیزان اسلام! پیغمبر اسلام کے زمانے میں ایک پارٹی تھی، یہ لوگ ظاہر کرتے تھے

کہ ہم خدا کو اپنا بادشاہ سمجھتے ہیں اور اسی کے قانون پر چلتے ہیں، یہ لوگ نمازیں بھی پڑھتے

تھے، روزے بھی رکھتے تھے، لیکن دراصل ان کا مقصد سبک کو دھوکا دینا ہوتا تھا، یہ

لوگ مسلمانوں کے اندر داخل ہو کر اور مسلمانوں کے دوست بن کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا

کرتے تھے اور کافروں کی امداد کیا کرتے تھے۔ اوپر کی آیت میں انہی لوگوں کے متعلق خدا

تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ خدا کو یا ایمان دار لوگوں کو دھوکا نہیں دیتے، اصل میں اپنے آپ

کو دھوکا دے رہے اور یہ خود ہی ذلیل ہو جائیں گے۔

اے صاحبان ایمان! آپ پوچھیں گے کہ جب منافق لوگ سچوں کا لباس پہن لیتے



ہیں تو پھر ان کی پہچان کیا ہو؟ آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ایک منافع اور ایک ایماندار میں اصل  
 فرق دونوں کی نسبت ہے۔ ایماندار شخص اس ظاہری دنیا میں جو کچھ بھی کرتا ہے، خدا کو  
 خوش کرنے کے لئے کرتا ہے مگر منافع آدمی اگرچہ کام تو وہی کرتا ہے مگر کرتا اپنی غرض، شان  
 شیخی اور مفاد کے لئے ہے۔ منافع کی پہچان یہ ہے کہ آپ اسے ہر وقت اپنی غرض کے  
 پیچھے دوڑ لگاتے ہوئے دیکھیں گے۔ جب اسے غرض ہوگی تو وہ نمازیں پڑھے گا، روزے  
 رکھے گا، کانفرنسین اور جلسے کرے گا، مضمون چھاپے گا، تقریریں کرے گا، چندے دیگا۔  
 آپ کا دوست بھائی اور خیر خواہ بن جائیگا، نگران کاموں کو وہ اپنا توہی اور اسلامی غرض سمجھ کر  
 نہیں کرے گا بلکہ صرف اسی وقت کرے گا جبکہ اس کی غرضیں آپ سے نکلے گی ایک ایماندار آدمی یہ  
 سب باتیں ہمیشہ کرے گا، ہمیشہ کرتا رہے گا، خواہ مہر بیٹے کا وقت ہو یا نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ  
 ان کاموں کو خدائی غرض سمجھتا ہے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں کو دھوکا دیں، ان کے متعلق آپ بھی  
 سمجھیں کہ ان کے اندر ایمان نہیں ہے۔ اگر خدا اور آخرت پران کا ایمان ہوتا تو وہ بڑی آسانی  
 سے یہ سمجھ لیتے کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہم جو دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں، وہ وہ  
 اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ عزیزان اسلام! اوپر کی آیت میں خدا سے بندوں سے  
 فریب کرنے کو خود خدا سے فریب کرنے کے برابر قرار دیا ہے تاکہ منافقین کو معلوم ہو سکے کہ  
 دھوکا دینا کتنا جرم ہے۔ تاملو میں لکھا ہے کہ جو شخص منافقت برتا ہے، وہ دنیا پر غضب  
 لاتا ہے اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور جو بچے اچھی رحم مادر میں ہیں، وہ بھی اس کی  
 لعنت کرتے ہیں اور اس کی جگہ جہنم میں ہے۔ سنی کی انجیل میں منافقوں کے متعلق کہا  
 گیا ہے "تم پافسوں کہ تم سفیدی بھری قبروں کی مانند ہو، جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی  
 مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور نجاستوں سے بھری ہوتی ہیں۔ دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ہم کو منافقت  
 کے اس مہلک مرض سے محفوظ رکھے۔"

منافق کی تیسری نشانی ۳۳ منافق ہر وقت خود غرضی

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَ اللَّهُ مَرَضًا وَلِي حُمْرٌ

بیچ دلوں انکے بیماری ہے پس زیادہ کر دی ان کو اللہ نے بیماری اور واسطے انکے

عَذَابٍ أَلِيمٍ عذاب دردناک۔ بھنا وجہ یہ کہ۔ کالوا تھے وہ۔ یٰکَلِّبُ بَنَیَّ جَبَّوْنًا جھوٹ کہتے

عزیزان اسلام! کل کی آیت میں بتایا گیا کہ خدا کے بندوں کو دھوکا دینا اتنا بڑا جرم

ہے کہ گویا خود خدا کو دھوکا دیا اس کے علاوہ دھوکا دینے کا اصل نقصان بھی خود دھوکا دینے

والے ہی کو پہنچتا ہے۔ آپ پوچھیں گے کہ پھر یہ منافق لوگ کیوں دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں

اور اپنا نقصان کرتے ہیں؟ آج کی آیت میں خدا تعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیا ہے: اَشَادَ

ہوتا ہے، فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ یعنی ایسے کام کرنے والوں کے دل میں حسد اور جلن کی

بیماری ہوتی ہے۔ چونکہ یہ اپنی بزدلانہ پالیسی، دورنگی چالوں اور منافقانہ سیاسیات کے بھروسے

پر یہ خیالی کرتے ہیں کہ وہ ایمانداروں کی قوت کو توڑ دیں گے اس واسطے جتنی زیادہ ایمان

حاملوں کو ترقی ہوتی ہے، اتنا ہی ان کا حسد اور جلن بڑھتے جاتے ہیں اور اس کا آخری نتیجہ

صرف یہ ہوتا ہے، وَكَهْرٍ مِّنَ آتِ الْيَسْرِ یعنی آخر یہ لوگ دردناک عذاب کی چکی میں

پیس دیئے جاتے ہیں۔

اسے ایمان والوں آپ کو معلوم ہے کہ نبی ہونے کے بعد پیغمبر خدا ﷺ میں تک کے

میں رہے یہاں ایمانداروں کا مقابلہ صرف ان لوگوں سے تھا، جنہوں نے کھلم کھلایہ کہہ دیا

تھا کہ ہم خدا کو بادشاہ نہیں مانتے اور نہ ہم خدا کے قانون پر چلیں گے۔ مکہ کے بعد نبی خدا

اور آپ کے ساتھ، مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے، یہاں پہنچتے ہی ایمانداروں کی قوت

قائم ہو گئی، اس واسطے یہاں کے سرداروں نے جو قرآنی جماعت کے آنے سے

پہلے مدینہ کے لیڈر سمجھے جاتے تھے اور جو سالہا سال یہودیوں کے ساتھ رہنے کے سبب

اپنے آپ کو بڑا ہی ہوشیار اور چالاک سمجھتے تھے، منافقت کا لباس پہن لینا اور یہ کوشش شروع کر دی کہ مدینہ میں ایمانداری کے اصول جاری نہ ہوں۔ مکہ کے کافر بھی ان اصولوں کو مٹانا چاہتے تھے، انکاری وہ بھی تھے اور یہ بھی۔ مگر مکہ والوں نے دلیری کے ساتھ اپنی دشمنی اور عناد کو ظاہر کر دیا تھا اور مدینہ میں چونکہ پہلے ہی دن قرآنی اصولوں پر چلنے والوں کی قوت قائم ہو گئی تھی اس واسطے مدینہ کے کفار نے دو رنگی پالیسی اختیار کر لی۔ انہیں اصل دکھ یہ تھا کہ قرآنی اصولوں کے پرچار نے مدینہ میں ان کی لیڈری ختم کر دی تھی اپنی سرداری اور اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے مدینہ کے یہ سردار اور بھادر "ظاہر طور پر مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے لیکن در پردہ یہودیوں اور مکہ کے کافروں کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور صرف اپنی خود غرضی، نفسانیت اور لیڈری کی خاطر خدا و رسولؐ سے جلتے تھے اور پر کی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے ان کے اسی حسد اور جلن کا ذکر فرمایا ہے جو آگ کی طرح ان کے دلوں کو لگی ہوئی تھی۔ جب منافقتیں مدینہ یہ دیکھتے تھے کہ مکہ کے ایماندار لوگ ہماری بجائے پیٹک لیڈر بنے ہوئے ہیں تو جل بکھ کر کوئلہ ہو جاتے ہیں۔ ایماندار پارٹی کو جس قدر کامیابی ہوتی تھی، خود غرض سردار اور شریر پارٹی کے لوگ اسی قدر زیادہ جلتے تھے اور ان کے دل کی بیماری زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آج کی آیت میں خدا تعالیٰ نے منافقوں کی قسمت کا فیصلہ بیان کر دیا ہے۔ وہ فیصلہ یہ ہے کہ منافقت ایک ایسی بیماری ہے جس کا دکھ کبھی کم نہیں ہوتا اور آخری نتیجہ اس کا منافق کی بربادی ہے۔ منافق کی پہلی نشانی یہ بتائی کہ وہ زبانی جمع خرچ بہت کرتا ہے اور دوسری نشانی یہ بتائی کہ وہ جا بجا پھرتا ہے اور سب لوگوں کو دھوکا دیتا پھرتا ہے۔ آج یہ بتایا کہ اس کے دل میں خود غرضی کا، لیڈر بننے کا اور حسد و عناد کا روگ بھی چھپا ہوتا ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو حسد، فریب اور خود غرضی کے روگ سے بچائے اور ایمان دار بننے کی توفیق دے۔

منافق کی چوتھی نشانی ۲۴ منافع اصلاح کی آڑ لینا

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ اصلاح کرنے والے۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ دنیا میں فسادات پھیلاؤ، تو آگے سے یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو امن قائم کر رہے ہیں۔

اسے ایمان والو! اس آیت میں منافقین کی اس بدترین چال کا پردہ کھولا گیا ہے جس سے دنیا بھر کی ایماندار جماعتوں کو ہمیشہ بہت بڑا نقصان پہنچتا رہتا ہے اور ہزار نیک اور شریف لوگ ہمیشہ نقصان اٹھانے کے باوجود اس چال سے ضرور دھوکا کھا جاتے ہیں۔ آج کی آیت میں خداوند پاک نے منافقوں کے اس آخری ہتھیار کو بھی بالکل چور چور کر دیا ہے۔ اسے ایمان والو! آپ کو معلوم ہے کہ منافقوں کا اصلی مطلب صرف ایک ہوتا ہے اور وہ یہ کہ نیک و شریف اور صاف دل لوگوں میں نفاق اور فساد کی آگ بھڑکا کر اپنا آؤ سیدھا کریں۔ اس معاملہ میں ان کی سب سے بڑی نامرادی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اصلاح، امن، آزادی، اتفاق وغیرہ کا نام لے کر لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ آپ آج کی حالت دیکھئے، ہمارے کئی بھائی جب ممبری اور عہدوں کے لئے غیر طاقتوں کے پاس قوم فروشی کے لئے جانا چاہتے ہیں، تو وہ سب سے پہلے خود قوم پروری یا اسلام پرستی کا لباس پہن لیتے ہیں اور ساتھ ہی قومی یا ملکی حقوق کی حفاظت کے لئے بہت ہی لمبے چوڑے دعوے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہم بینک یا مسلمانوں کے دلی خیر خواہ ہیں، ہم ملک یا اسلام کی قوت اور ترقی کے لئے مرے جا رہے ہیں، ہم دشمنان اسلام کی شرارتوں کا پتہ لگانے کے لئے اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے غیر طاقتوں سے

ملتے ہیں اور ان سے مل کر مسلمانوں کا فائدہ کراتے ہیں لیکن اصل بات یہ نہیں ہے۔ اصل  
 بات صرف یہ ہے کہ یہ نفاق پرور لوگ اپنی غرض کے بندے ہوتے ہیں، انہیں اسلام  
 یا ملک سے کچھ بھی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ لوگ صرف اپنی غرض کے لئے قابو یافتہ قوموں کے  
 غلام بن جاتے ہیں، ان کے اشاروں پر ناپچھتے ہیں، ان کی مرضی کے مطابق قانون بھی بنواتے  
 ہیں، پروپیگنڈا بھی کرتے ہیں، چندے بھی دیتے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی گردنیں بھی  
 کٹواتے ہیں۔ سچی اور پکی بات عرف اتنی ہے کہ ان لوگوں کی یہ سب فساد انگیزیاں صرف  
 اپنی خود غرضی اور مطلب برداری کے لئے ہوتی ہیں مگر قوم میں پہنچ کر یہ لوگ ہمیشہ یہ بیان کرتے  
 کرتے ہیں کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں، قوم کے فائدے کے لئے کر رہے ہیں۔ یہ لوگ نام تو  
 رکھتے ہیں اتحاد و اتفاق کا، قومی حقوق کی حفاظت کا اور اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی  
 کا۔ مگر کام یہ کرتے ہیں اسلام کو مٹانے کا، دشمنان اسلام کی سلطنتوں کو مضبوط کر کے  
 غریب مسلمانوں کے حقوق کو بیچنے اور اپنا اوسیدھا کرنے کا۔ نئی خدا کے زمانہ میں بھی یہی  
 ہوتا تھا۔ جس وقت لیڈران نفاق سے یہ کہا جاتا، اَلْكَافِرُ فِي الدِّينِ اَسَءُ خَلَاكُ  
 بِنْدُو! تم کیوں قوم اور ملک میں فساد پھیلاتے ہو تو وہ فوراً کانوں پر ہاتھ رکھ دیتے تھے  
 اور بڑے ہی عابد، زاہد، قوم پرور اور اسلام پرست اور محافظ حقوق بن کر اپنی صفائیاں  
 پیش کرتے تھے اور کہتے تھے، اے دوستو! تو یہ کرو، اِنَّمَا نَحْنُ مُصَلِّحُونَ، ہم تو صرف  
 اصلاح کرنے والے ہیں۔ خدا کہتا ہے، ایسے ہی لوگ پہلے مفاد اور ایماندار لوگوں کے  
 سب سے بڑے دشمن ہیں۔ اے ایمان والو! آپ ہندوستان کو دیکھتے، یہاں ملک کے  
 ہر گوشے میں منافقت کا وہی کھیل کھیلا جا رہا ہے جو پیغمبر اسلام کے ساتھ مدینہ میں کھیلا  
 گیا۔ ہزار لوگ قوم، ملک، اسلام، امن کے نام پر اپنی اپنی غرضیں پوری کر رہے ہیں۔  
 اللہ تعالیٰ اس اُمت کو منافقت کے فتنے سے بچائے۔

منافق کی پانچویں نشانی ۲۵ منافق ہر ایماندار سے شرارت

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ

سنو بے شک وہ ہی فسادی ہیں لیکن نہیں وہ سمجھتے

پہلی آیت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ منافقوں کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں جب قومی حقوق

کو بیچنا ہو تو وہ محافظ حقوق کا چولا پہنتے ہیں۔ جب ملک میں فساد کرانا ہو تو وہ اتفاق و

اتحاد کی وعظیں کرتے ہیں۔ جب کسی نیک تحریک کو مٹانا ہو تو وہ خیر خواہ بن کر اس کے اندر

داخل ہو جاتے ہیں۔ جب کسی شریف آدمی کو خراب کرنا ہو تو اس کے ہمدرد بن کر اسے اُلٹے

مشورے دینے لگتے ہیں۔ پہلے زمانے میں صرف اشخاص منافق ہوتے تھے مگر اب پوری کی پوری

قومیں منافق ہیں اور ساری دنیا میں شرارت پھیلا رہی ہیں اور دنیا میں جہاں بھی آپ

دیکھیں، فساد پھیلانے کے سوا ان کا کوئی کام نہیں ہے، کہیں ہندو مسلمانوں میں فساد کہیں

عربوں اور یہودیوں میں فساد، کہیں ترکوں اور ارمینوں میں فساد، کہیں امان اللہ خاں اور پچھ

میں فساد، لیکن اس کے باوجود کہتے وہ یہ ہیں، إِنَّمَا أَخْرَجْتُمُوهُمْ مِنْ دِينِهِمْ لِيُظَاهِرُوا فِي سَبِيلِهِمْ

اصلاح کرنے والے ہیں۔ آیت کہتی ہے، أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ، اے لوگو! بے

خبردار ہو جاؤ۔ یہ اصلی فسادی ہیں اور اپنی غرض پرستی کے باعث انہیں اپنی ذلت، جھوٹ

کیننگی اور بے ضمیری معلوم نہیں ہوتی۔

عزیزان اسلام! آپ یہ دیکھتے کہ منافقین مدینہ، جماعت، اسلام کو نقصان پہنچانے

کے لئے کیا کیا چالیں کرتے تھے۔ یہ لوگ سنا ہوا طور پر مسلمانوں میں لے ہوئے تھے مگر کفر کی طاقت

کو مضبوط کرنے کے لئے کفار مکہ اور یہود مدینہ کو بھی بڑی عزت اور خاطر داری سے ملتے۔ ان کی

طاقت کو بڑھا چڑھا کر دکھاتے، ان کے کاموں کی سمیت افزائی کرتے، انہیں شہہ دینے کیلئے

مسلمانوں کی طاقت کا ذکر حقارت کے ساتھ کرتے، اسلامی فتوحات کو چھوٹا کر کے دکھاتے اور

غریب مسلمانوں سے دل شکنی کا سلوک کرتے۔ دشمنان اسلام میں رسول اللہ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے اور انہیں یہ یقین دلاتے کہ ہماری طرح مدینہ کے بے شمار لوگ دلی طور پر تمہارے ساتھ ہیں، تم جب بھی حملہ کرو گے تو سب لوگ مل کر مسلمانوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔ یہ لوگ مسلمان بن کر مسلمانوں سے خبریں نکالتے اور کفار تک پہنچاتے۔ ادھر کی باتیں ادھر لے جاتے اور ادھر کی باتیں ادھر لے آتے اور اس طرح فریقین کی دشمنی کو ہر وقت تازہ رکھتے۔ اگر مسلمانوں میں کوئی معمولی بد مزگی یا کمزوری ہو جاتی تو یہ لوگ اسے خوب اچھالتے اور بھڑکاتے۔ رسول خدا پر الزام لگانے سے بھی نہ چوکتے، کئی دفعہ ملکی اور غیر ملکی یا حسب نسب کی بڑائی کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں میں نا اتفاقی کرا دیتے۔ یہو د مدینہ اور کفار مکہ کی سازشوں میں برابر شریک رہتے۔ مگر جب کبھی یہ باتیں ظاہر ہو جاتیں تو یہ بد بخت اسی وقت بالکل صاف مگر جاتے تھے، بہانے کرنے لگتے تھے، قسمیں کھا جاتے تھے، اپنی باتوں کی تاویلیں کرنے لگتے تھے اور اپنی صفائی پیش کر کے مسلمانوں کو یقین دلاتے تھے کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، ہم تو جو کچھ بھی کر رہے ہیں بس اسلام ہی کے لئے کر رہے ہیں۔ اسے ایمان دارو! دیکھو! آج ہندوستان اور دنیا بھر اسلام میں ہر جگہ منافقین مدینہ ہی کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ آج ہر جگہ ہم خود اپنی قوم کی جاسوسی کرتے ہیں، غیروں کو خبریں پہنچاتے ہیں۔ غیروں کی طرف سے خود صفائی دیتے ہیں، کفار کو فوجی بھرتی دیتے ہیں۔ غیروں کا آلہ کار بن کر انہوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ آپ خدا کے لئے ایسے لوگوں سے بچ جائیے۔ پھر آپ کو کبھی شکست نہیں ہوگی۔ آپ کبھی اس کی پروا نہ کیا کریں کہ آپ تھوڑے اور غریب ہیں، آپ کی جماعت ایک جسم اور ایک دل ہونی چاہئے، آپ کی جماعت میں جس قدر کم منافق ہوں گے، آپ کی کامیابی اسی قدر زیادہ یقینی ہو جائے گی۔

منافق کی چھٹی نشانی - ۲۶ - منافق ہر بات میں عذر مصلحت

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا  
 اور جب کہا جائے واسطے ان کے ایمان لاؤ جیسے ایمان لاتے لوگ کہیں گے  
 آؤ مَن كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ  
 کیا ہم ایمان لائیں جیسے ایمان لائے بے وقوف سٹو بیشک وہ وہی ہیں  
 السُّفَهَاءُ بے وقوف - وَلَٰكِنْ مَّا لَّا يَعْلَمُونَ وہ نہیں جانتے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں نیا لفظ "سُفَهَاءُ" ہے جس کے معنی ہیں بے وقوف  
 یا کم رتبہ اور عامی آدمی۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے، جب عرب کے منافقوں یا ٹوٹیوں سے  
 کہا جاتا کہ تم کیوں نڈر ہو کر اور کھلے بندوں صرف خدا کو بادشاہ نہیں مانتے۔ جس طرح کہ  
 عام پبلک اسی کو بادشاہ مان رہی ہے اور ایک رنگ ہو کر ظاہر و باطن میں اس کے قانون  
 پر چل رہی ہے تو یہ منافق لوگ بڑے ہی معتبر بن کر اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ  
 اے بھائی! ہماری مشکلات اور ہیں، ہماری پوزیشن اور ہے، ہماری مصلحتیں دوسری  
 ہیں، ہم کو سب گرد و نواح کے حالات پر نظر رکھنا پڑتی ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو خود اسنام کو  
 نقصان پہنچ جائیگا، اس واسطے ہم عامی اور غیر ذمہ دار لوگوں کی طرح اسلام کو کیسے قبول  
 کر سکتے ہیں؟ ہم تو آہستہ آہستہ کام کریں گے، ہم اسلام کے سبب کام درست کر دینگے  
 مگر قاعدے اور ترتیب کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ایماندارو! اچھی طرح سن  
 لو کہ یہ لوگ جو صاف ایماندار ہی کی راہ پر چلنے کے بارے میں پوزیشن، حالات، مشکلات  
 اور مجبوریوں کے بہانے پیش کر دیتے ہیں اور ایک رنگ ایمان والوں کو بے وقوف اور اپنے  
 آپ کو عقلمند اور پالیسی کا مالک سمجھتے ہیں تو یہ خود ہی اصلی اور پکے بے وقوف ہیں اس  
 لیے کہ عقلمند تو وہی ہو سکتا ہے جو ایک دھڑے میں شامل ہو اور دو کشتیوں میں پاؤں رکھے



اسے ایمان والو! ہر زمانے کے منافق ایسی ہی بناوٹی اور رنگدار باتیں کیا کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ ہماری چالوں کو سمجھتے نہیں ہیں، اس واسطے وہ ان منطقی دلیلوں اور فرضی مصلحتوں پر جنہیں ہم پبلک یا اسلامی کاموں میں مردانہ وار شامل نہ ہونے کے جواز میں پیش کرتے ہیں، ضرور یقین سے آئیں گے اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ بھی ہماری بنی سہ کی اور غیر طاقتیں بھی ہمارے خلاف نہیں ہوں گی اور ہم دونوں طرف سے اپنے ذاتی فوائد برابر حاصل کرتے رہیں گے۔ قرآن کہتا ہے کہ بس یہ بات ان منافق لوگوں کی بیوقوفی اور کمینگی کی دلیل ہے، انہیں اتنی بھی سمجھ نہیں آتی کہ یہ دورخی چالوں سے، دونوں جماعتوں کو کب تک خوش رکھ سکتے ہیں؛ ان کی دوسری بیوقوفی یہ ہے کہ یہ کام تو بزدلی اور خود غرضی کے کرتے ہیں اور قربانی سے دور بھاگتے ہیں مگر سمجھتے یہ ہیں کہ چونکہ عام لوگ ہماری چالوں کو نہیں سمجھتے، اس واسطے ان کے لیڈر بھی بنے رہیں گے، قربانی بھی نہیں کریں گے اور پبلک اور گورنمنٹ دونوں سے فائدے بھی حاصل کرتے رہیں گے۔ اسے ایمان والو! اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا کے دین اور انسانوں کی بھلائی کو جتنا نقصان منافقوں سے پہنچا ہے کسی اور طریقے سے نہیں پہنچا۔ رسول اللہ کے زمانے میں ایماندار لوگوں کو ڈانڈول کرنے والے بھی یہی منافق لوگ تھے۔ پھر حضرت صدیق اکبر کے زمانے میں جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، وہ بھی یہی منافق تھے۔ پھر عبدالعزیز عثمانی میں خلیفہ رسول کو شہید کرانے کے ذمہ دار بھی یہی تھے۔ پھر انہی ٹوٹیوں نے زمانہ یزید میں امام حسینؑ کو شہید کرایا۔ پھر انہی ٹوٹیوں نے یورپین قوموں کے آلہ کار بن کر ترکی اور عرب کو برباد کیا اور اب بھی وہ دنیا کے کتے جو پیٹ کے لئے ظالم طاقتوں کے غلام بنے ہوئے ہیں، جو خدا کے قانون کی بجائے غیر سلطنتوں کے قانون کی حفاظت اور خیر خواہی کرتے ہیں، یہ زبان سے خدا کو بادشاہ سمجھتے ہیں لیکن دراصل انہوں نے انسانوں کو خدا اور بادشاہ بنا لیا۔

منافق کی ساتویں نشانی ۲۷۔ منافق دورنگی اور حیلہ پروری

وَ إِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا

اور جب ملتے ہیں ان سے جو ایمان لائے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتے ہیں

إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤُونَ

پاس اپنے شیطانوں کے کہتے ہیں ہم ساتھ تمہارے صرف ہم مذاق کرتے ہیں

عزیزان اسلام! آیت کا مطلب یہ ہے۔ جب منافق لوگ ایمانداروں سے ملتے تھے تو

کہتے تھے، ہم نے بھی صرف خدا کو بادشاہ مان لیا ہے۔ مگر جب خدائی قانون کے باغیوں کے

پاس جاتے تھے تو وہاں اپنی صفائی پیش کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں

ایمانداروں کو تو ہم یونہی بے وقوف بنا رہے ہیں۔ اس آیت میں منافقوں کی تین نشانیاں

اور بتائی گئی ہیں۔ اول یہ کہ وہ دونوں طرف مار کرتے ہیں، جس مجلس میں جاتے ہیں، اسی

کی ہمنوائی کرنے لگتے ہیں۔ دوم یہ کہ بزدل ہوتے ہیں، بے ضمیر ہوتے ہیں، بے اصول ہوتے

ہیں، ابھی کچھ کہتے ہیں اور ابھی کچھ اور کہنے لگتے ہیں۔ سوم یہ کہ صفائی پیش کرنا خوب جانتے

ہیں اور حیلے بہانے بھی خوب گھڑ لیتے ہیں، کہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو مخالف پارٹی کو صرف

بہکاتے تھے، کہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کا دل معلوم کرنے کے لئے ان کی موافقت کی تھی۔

کہیں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا ان کے متعلق ذرا سا کام پھنسا ہوا تھا۔ یہ عادتیں عرب کے

منافقوں کی تھیں مگر افسوس کہ اب یہ ساری عادتیں مسلمانوں میں گھر کر رہی ہیں۔ انگریز،

کانگریس، لیگ کے معاملات اور الیکشنوں اور کمیٹیوں کے جھگڑوں میں بے شمار مسلمانوں نے

منافق بن کر کام نکالنے کو ہنر سمجھ لیا ہے۔ ایک طرف تو ہم پبلک میں کھڑے ہو کر تقریریں

کرتے ہیں اور دوسری طرف خبر دینے کے لئے غیروں کے پاس بھی پہنچ جاتے ہیں۔ دعا

ہے کہ خدا تعالیٰ ہر انسان کو دورنگی اور حیلہ بازی سے بچائے۔

## ۲۸۔ انجام نفاق

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهَدْمٍ وَيَمْدٌ هُمْ فِي طَعْيَانِ هَدْمٍ  
 اللہ ہنسی کرتا ہے ساتھ ان کے اور ڈھیل دیتا ہے ان کو اندر سرکشی انکی  
 یعمہون، وہ بھٹکتے ہیں۔ استہزاء کے معنی ٹھٹھا۔ مد پڑھنے کو کہتے ہیں۔ طعیان کے  
 معنی سرکشی۔ یعمہون کے معنی، وہ بھٹکتے ہیں۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ منافق لوگوں کی چالاکیوں کا آخری  
 انجام کیا ہوتا ہے؟ آپ یاد رکھئے کہ اس دنیا کی ہر بات کے لئے خدا کی طرف سے ایک  
 بدلہ مقرر ہے مثلاً جو شخص آگ میں کودے گا، جل جائیگا۔ جو شخص محنت کرے گا، پھل  
 پائیگا۔ جو شخص یا قوم، خدا کے احکام پر نہ چلے گی، زندگی میں موت کے بعد نقصان اٹھائیگی  
 خدا کے اس قانون کا نام، قانون مکافات ہے۔ مکافات کے معنی ہیں بدلہ۔ اس قانون  
 کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کا جیسا عمل ہوتا ہے، ویسا ہی اس کو بدلہ دیا جاتا ہے۔ ابھی  
 کسی پچھلے سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ جو لوگ ضد، دشمنی اور دھڑ بندی کے باعث  
 سچی بات کے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں، ان کی عقلیں، آنکھ اور کان سب مردہ ہو جاتے  
 ہیں، اس کے بعد پھر منافقوں کے متعلق کہا گیا کہ ان کے دلوں میں کفر، عناد، حسد اور  
 جلن کی بیماری ہے، لہذا ان کی سزا بھی یہی ہے کہ ایمانداروں کی ترقی کے ساتھ ساتھ  
 ان کی یہ بیماری روز بروز بڑھتی چلی جائے گی اور وہ ہر وقت کوٹلوں پر پڑے تڑپتے رہیں گے  
 پھر کل کے سبق میں یہ کہا گیا تھا کہ منافق لوگ جب مومنوں کے پاس جلتے ہیں تو کہتے  
 ہیں کہ ہم نے صرف خدا کو بادشاہ مانا ہے مگر جب دشمنان اسلام کے پاس جاتے ہیں تو کہتے  
 ہیں کہ ہم تمہاری رائے پر چلیں گے۔ ہم تو ایمانداروں کو یونہی بوقوف بناتے تھے۔ اب آج کی  
 آیت میں ان کے جرموں کی تین سزائیں بتائی گئیں۔ اول یہ کہ ٹوڈی لوگ جو خدائی قانون پر

چلنے والوں کے ساتھ ہمنسی کرتے ہیں تو اس کے بدلے میں ان پر بھی ضرور جگ ہنسائی ہوگی  
 خدا ان سے ہمنسی کر رہا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ خدا ان کو ہمنسی کا بدلہ یہ دیگا کہ اس دنیا  
 میں بھی ان کی ہمنسی ہوگی اور قیامت میں بھی۔ دوم یہ کہ خدا ان کو مہلت اور ڈھیل  
 دیگا اور اس طرح ہمنسی ہمنسی میں ان کی سرکشی بڑھتی چلی جائے گی اور یہی لگا بڑ زیادہ  
 ہو کر آخر میں ان کو تباہ کر دے گا۔ سوم یہ کہ آخر کار وہ چاروں طرف بھٹکتے پھریں گے انہیں  
 کبھی پناہ نہیں ملیگی۔ یعنی قرآن پر عمل کرنے والے فتح مند ہو جائیں گے، قرآن پر نہ چلنے والے  
 مغلوب ہو جائیں گے اور اُس وقت یہ منافق لوگ نہ گھر کے رہیں گے اور نہ گھاٹ کے۔  
 لیکن ہمنسوں کا مطلب یہ ہے کہ اُس وقت توڑیوں منافقوں کو کچھ سمجھائی نہ دے گا کہ وہ  
 کیا کریں؟ اور ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کی عقل پر ساری دنیا ہمنسی اڑائے گی۔ زبور  
 باب ۵۹ کی ۸ ویں آیت یہ ہے "تو اے خدا، ان پر ہمنسی گا، تو ساری قوموں کو مسخرہ  
 بنا دے گا" اسی طرح امثال باب ۱ کی ۲۹ ویں آیت یہ ہے "از بسکہ میں نے بلایا، پر تم نے  
 نہ مانا، میں نے اپنا ہاتھ لپکا کیا، پر کوئی متوجہ نہ ہوا تو میں بھی تمہاری پریشانی پر ہمنسوں گا اور  
 جب تم پر دہشت طاری ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا۔ یہاں اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جس  
 چیز کا نام اسلام ہے، وہ نفاق کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ لوگ یک رنگ  
 ہوں مگر منافقت دورنگی چاہتی ہے۔ اسلام دلیری کے ساتھ صاف صاف کام کرنے کا  
 نام ہے، مگر منافق بزدل ہوتا ہے اور چھپ چھپ کر کام کرتا ہے۔ اسلام سچائی کے  
 ساتھ چلتا ہے مگر منافق پالیسی باز، مکار اور مصلحت پرست ہوتا ہے۔ اسلام، مہربان اور  
 قربانی ہے مگر منافقت سر سے قدم تک فساد اور دنیا پرستی اور خود غرضی ہے۔ دعا کرو کہ  
 خدا تعالیٰ ہر انسان کو منافقت سے بچائے اور اپنے بندوں کو منافقوں کی شرارتوں سے  
 محفوظ رکھے اور اپنے قانون پر چلنے کی طاقت دے۔

## ۲۹۔ اِخْتَامُ نِفَاقٍ

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَ مَا رِبْحُ

یہی ہیں جنہوں نے خریدی گمراہی بدلے ہدایت کے پس نہ پھل لائی

تِجَارَتُهُمْ، اُن کی تجارت۔ وِصَا، اور نہ۔ کَاوَدَا، وہ ہوئے۔ مَثَلَتَيْنِ مَنزِلٍ پُتِخْتَيْنِ

عزیزان اسلام! اس آیت میں ٹوٹیوں اور منافقوں کو بھوٹے سودا گروں سے تشبیہ کی

گئی ہے۔ منافق لوگ اپنے آپ کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوب چلتے پرتے ہیں یا ایسا

ہیں، ہم قرآن پر چلنے والوں کے بھی خوب لیڈر بنے رہتے ہیں اور قرآن پر نہ چلنے والوں

سے بھی خوب میل ملاپ رکھتے ہیں اس واسطے ہماری پوزیشن اور مفاد کو کوئی نقصان

نہیں پہنچا سکتا؟ اگر خدا کے دین یا قانون پر چلنے والے جیتے تو پھر بھی ہم لیڈر ہوں گے

اور اگر خدائی قانون کے نافرمانوں کی فتح ہوتی تو وہ بھی ہمیں کو عزت اور سرداری دیں گے

مگر خدا کہتا ہے کہ منافقوں کی یہ تمام راہ کوہانی غلط ہے۔ اگر یہ صرف ایک خدا کے بادشاہ

ہونے کا اعلان کرتے تو ایک تختی سب انسانوں کی غلامی سے چھوٹ جاتے، ہدایت پاتے

اور دنیا اور آخرت میں آزاد ہو جاتے۔ مگر یہ ایسا نہیں کر سکے۔ یہ ہدایت کی جنس نیک ہے

ہیں اور گمراہی کا مال خرید رہے ہیں۔ پھر ایسی تجارت سے ان کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا

ہے؟ ہدایت سے مراد، صرف ایک خدا کو بادشاہ ماننا اور تختی ہو کر اسی کے قانون پر چلنا

گمراہی سے مراد ہے، انسانوں کو بادشاہ سمجھنا اور ان کے احکام کی پابندی کرنا۔ جو لوگ خدا

کی جگہ اپنے جیسے انسانوں کے غلام ہوں، ان کے متعلق خدا کا فیصلہ یہ ہے، وِصَا کَاوَدَا

مَثَلَتَيْنِ، یہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ منافق لوگ بھی کفار کی

طرح مسلمانوں سے شکست کھائیں، وہاں منافقوں کی یہ ضروری نشانی بھی بیان کی گئی ہے

کہ یہ پست ہمت لوگ زندگی کے نیک اعمال اور اعلیٰ مقاصد کو تو ضائع کر دیتے ہیں مگر  
 بری چیزوں کے خریدار بنے رہتے ہیں۔ افسوس کہ اس ظاہر داری اور ٹیپ ٹاپ کے بازار  
 میں، یہ نقصان دینے والی تجارت بھی اب ہم لوگوں میں بہت زیادہ پھیل رہی ہے۔  
 ہماری نظریں نیکی کی، سچائی کی، عبادت کی، خلوص کی، راستبازی کی اور علم دہن کی  
 کوئی قدر باقی نہیں رہی۔ مگر جلسوں کی، تقریروں کی، ریاکاری اور نمائش کی، ٹی پارٹی کی،  
 خطابات کی، غیروں کی عزت اور قبولیت کی بہت زیادہ قدر اور مانگ ہے۔ قرآن نے  
 انسانوں کو سچائی، صاف گوئی اور خلوص نیت کا سبق دیا تھا اور فرمایا تھا کہ ہمارا ظاہر و  
 باطن ایک ہونا چاہئے۔ مگر افسوس کہ ہم نے یہ قرآنی سبق تو بھلا دیا مگر اپنی گوری اور  
 کالی سرکار سے ایک نئی قسم کا سبق سیکھ لیا۔ وہ سبق یہ ہے کہ ہمارے دل میں کچھ اور  
 ہے اور زبان پر کچھ اور ہے۔ ہم ایمان کو بیچ رہے ہیں اور خطابوں اور ممبروں کو خرید رہے  
 ہیں اور آہ کہ ہم نے قرآن کی اعلیٰ ترین تعلیم کو غیروں کی خوشنودی کے لئے پس پشت  
 ڈال دیا ہے۔ اسے ایمان والو! اچھی طرح سمجھو، اسی چیز کا نام منافقت ہے اور یہی معنی  
 ہیں "الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی" کے۔ اسے کاش کہ اب بھی ہماری حالت  
 درست ہو جائے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک بھائی کو اسلام کا خلوص عطا فرمائے اور  
 منافقت کی لعنت سے محفوظ رکھے اور ہم خود غرضی کی ذلت سے بچے رہیں۔ ایمان بیچنا  
 ضمیر کی آواز کو دبانا، جھوٹ کو جھوٹ سمجھنا اور پھر بھی خود غرضی کے لئے اس کی تائید کرنا  
 یہ سب منافقت کے کام ہیں۔

اسے خدا کے بندو! جو لوگ مردار دنیا کے لئے سچے اصولوں کو چھوڑ رہے ہیں انہیں  
 یاد رکھنا چاہئے کہ ان کی کمائی ہوئی دنیا تو یہیں پڑی رہیگی مگر ایمان فروشی اور بے اصولی  
 کا عذاب ان سے کبھی دور نہیں ہوگا۔ دعا کرو کہ خدا تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔

منافقوں کی مثال ۳۔ منافق اندھے کے ہاتھ میں لمبے  
 مَثَلُ هُمٌّ كَمَثَلِ الذِّبْيِ اشْتَوْقَدَ نَارًا فَ كَيْفًا أَضَاءَتْ  
 مثال انکی ایسی مثال کسی شخص نے بھڑکائی آگ پس جب روشن ہو گیا  
 مَا حَوْلَ ۚ ذَهَبَ اللَّهُ بِ زُرْهِمٌ وَ تَرَكَ هُمٌّ فِي ظُلُمَاتٍ  
 جو رہتا، گرد اُسکا لے گیا خدا ساتھ نور ان کا اور چھوڑا ان کو اندھیرے میں  
 لَئِيْبَصُرُوْنَ وَ لَنْ وَهٍ كَچھ نہیں دیکھتے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں منافقوں کی حالت ایک مثال کے ذریعہ سے  
 سمجھائی گئی ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ منافقوں کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے آگ  
 جلائی، جب اس آگ سے سب ارد گرد کی چیزیں روشن ہو گئیں تو خدائے اسی وقت  
 منافقوں کو اندھا کر دیا، اب وہ ہمیشہ کے لئے اندھیرے میں پڑے ہوئے ہیں اور انہیں  
 کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ یہ مثال قرآن کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے۔ ایک منافق شخص  
 یا گروہ کی زندگی کی جتنی بھی حالتیں ہو سکتی ہیں، یہ مثال ان سب پر پوری اترتی ہے  
 ہم مثال کے طور پر چند حالتیں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کا نور روشن کیا جس سے انسانی زندگی کے  
 سب مسائل روشن ہو گئے اور سب آس پاس کے لوگ نور اسلام سے فائدہ اٹھانے لگے  
 مگر منافق پابلی جو ایمان نہیں لائی تھی، اندھی ہو گئی۔ اس واسطے ان کی حالت یہ تھی کہ  
 اگرچہ نور قرآن سے دنیا روشن تھی مگر یہ اندھیرے ہی میں پڑے ہوئے تھے۔

۲۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا جھنڈا اٹھایا، اسلام ہر طرف پھیل  
 گیا اور اسلام کی کامیابی سے سب ارد گرد کے لوگ قسم قسم کے فائدے حاصل کرنے لگے  
 مگر منافقوں نے تو صرف ایک خدا کو بادشاہ ہی نہیں مانا تھا۔ اس واسطے ایماندار لوگ

تو فائدے اٹھا رہے ہیں اور یہ منافق ہمیشہ کے لئے دولت کے غاروں میں پڑے ہوئے ہیں اور انہیں کچھ نظر نہیں آتا کہ اب کیا کریں؟

۳۔ منافقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مسلمانوں اور کافروں کو بھڑکا کر ان میں جنگ و جدل کی آگ روشن کرے تاکہ ایمانداروں کو شکست دلا کر دوبارہ خود لیڈر بن جائے۔ لیکن جب وقت آیا تو ایمانداروں کو فتح ہو گئی۔ اور اب یہ منافق لوگ مایوسی اور ناکامی کے اندھیرے میں گرے پڑے ہیں اور انہیں اپنا کوئی انجام نظر نہیں آتا۔

۴۔ یہی مثال منافقین یورپ پر بھی ٹھیک آتی ہے۔ ان لوگوں نے علم اور سائنس کی ایسی ایسی بجلیاں جلائی ہیں کہ ان سے ساری دنیا روشن ہو گئی، اب اہل مغرب کا ظہر تو خوب روشن ہے مگر چونکہ باطن کا نور بجھا ہوا ہے۔ اس واسطے اب وہاں کسی شخص کو نہیں سو جھتا کہ ہم اپنی سیاسی اور اقتصادی گتھیوں کو کس طرح سلجھائیں؟ جنگ کے بعد جنگ ہو رہی ہے مگر معاملہ کا صحیح حل پھر بھی نہیں ہوتا۔ اس مثال کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ منافق لوگ صرف وقتی اور ظاہری فائدوں پر نظر رکھتے ہیں اور اصل اور حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں، اس واسطے وہ ہمیشہ ایسے شخص کی طرح زندہ رہیں گے جس کے ہاتھ میں لیمپ تو ہو مگر آنکھیں اس کی اندھی ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ اندھا آدمی لیمپ سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ چونکہ منافقین کا دل، خلوص ایمان اور راستبازی سے محروم ہے، اس واسطے منافقت، دوزنگی، فریب کاری اور حیلہ پروری کا لیمپ انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ وہ یہاں بھی اندھے ہیں اور آخرت میں بھی اندھے رہیں گے، ان کی صرف آنکھیں روشن ہیں مگر دل اندھا ہے، اس واسطے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔



## منافقوں کی مثال

۱۔ منافق

غرض پرستی کا نتیجہ

صَدُّوا بِكُمْ مَبْعُوثٌ فَبَشِّرْهُم بِذُرِّيَّتِهِمْ

بہرے گوئیے اندھے رہیں، پس وہ نہیں پوٹیں گے

اس آیت میں پھر منافقوں کا ذکر ہے۔ یہ لوگ اسلام سے پہلے اپنا حکم چلاتے تھے اور غریبوں سے حیوانات کی طرح خدمتیں لیتے تھے اور انہیں لوٹ کر خود عیش کرتے تھے مگر اسلام نے لوگوں سے یہ کہدیا، بس آئندہ صرف ایک خدا کا حکم مانو۔ اس اعلان سے قوم کے اندر جتنے بھی جاہل اور سردار تھے ان کا حکم ٹوٹ گیا اور امیر و غریب سب آپس میں برابر ہو گئے۔ یہ انقلاب ان لوگوں کو بہت برا معلوم ہوا، اس واسطے یہ ایک عجیب حال کھیلے، یہ ظاہر طور پر مسلمانوں کے ساتھ مل گئے اور درپردہ کافروں سے مل کر اسلام کو مٹانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ مسلمانوں سے یہ اس لئے ملے تاکہ عام لوگ جو مسلمان ہو گئے تھے ان کے ہاتھ سے نہ لکل جائیں اور اگر اسلام کی فتح ہو تو وہ فائدہ اٹھا سکیں۔ کفار کے ساتھ یہ اس لئے ملے تاکہ انہیں شہ دے کر ان کے ہاتھوں اسلام کو برباد کر دیں اور خود اسلام سے ٹکرا کر نقصان اٹھانے سے بچے رہیں۔ اگرچہ یہ دلی طور پر کفر کے حامی تھے مگر کافروں کے ساتھ بھی جنگ میں شامل ہو کر کوئی نقصان اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اسی طرح یہ ظاہر طور پر اسلام کے حامی تھے مگر اسلام کی جنگوں میں اسلام کے ساتھ شامل ہو کر بھی نقصان نہیں اٹھاتے تھے۔ یا یوں کہتے کہ یہ لوگ کفار اور اسلام دونوں کی حمایت کے مدعی تھے مگر اسی حد تک کہ خود ان کے ذاتی فائدوں کو نقصان نہ پہنچے۔ آج کی آیت میں ان غرض پرست منافقوں کی حالت ایک عجیب مثال کے ذریعہ سے ظاہر کی گئی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ خود غرض لوگ غرض پرستی کی سڑک پر آخر کار اس طرح چلنے لگتے ہیں جس طرح کوئی اندھا بہرہ اور گونگا آدمی کسی غلط راستے پر چلا جا رہا ہو۔ چونکہ یہ اندھا ہے اس واسطے خود راستہ نہیں دیکھ

سکتا۔ چونکہ یہ بہرا ہے اس واسطے کسی راستہ بتانے والے کی آواز بھی نہیں سنتا۔ چونکہ یہ گونگا ہے اس واسطے یہ پوچھ بھی نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ غرض پرستوں اور منافقوں کی حالت بھی ہمیشہ ایسی ہی ہے، یہ لوگ نہ تو خود حق کو دیکھتے ہیں، نہ کسی دوسرے سے حق کا راستہ پوچھتے ہیں اور نہ ہیادیاں حق کی مخلصانہ صدائوں کو سنتے ہیں، وہ اغراض کے پیچھے بالکل اندھے بہرے اور گونگے بن جاتے ہیں، ایسے لوگ کبھی درست نہیں ہو سکتے

منافقوں کی مثال ۳۲۔ منافق نفاق کی اندرونی مشکلات

۱۹۔ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظَلُمٌكَ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ

یا جیسے بارش ہو آسمان سے، بیچ اسکے اندھیرا اور کڑک اور بجلی ہو  
يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ اُذَانِهِمْ مِنَ الصَّوۡعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ  
وہ ڈالتے ہیں انگلیاں اپنی درمیان کانوں کے اپنے، بسبب کڑک کے، ڈر سے موت کے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں کی مثال ایسی ہے، جیسے آسمان سے بادل برسے اور بارش میں اندھیرا، بجلی اور کڑک بھی ہو۔ بارش سے تو یہ منافق لوگ خوش ہو جاتے ہیں مگر جب بارش کے اندر اندھیرا، بجلی اور کڑک کو بھی ملا ہوا دیکھتے ہیں تو پھر خوف مرگ کے مارے یہ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے ہیں اور خود اسلام ہی سے بھاگ جاتے ہیں، اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے، وَاللّٰهُ مُجِيۡبُ دَعۡوٰتِ الْمُضۡلِیۡنَ۔ یعنی ان بھاگنے والوں کو اتنا بھی خیال نہیں آتا کہ یہ موت کے خوف سے بھاگ ہی کہاں سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو خود کافروں کو گھیر رہا ہے عزیزان اسلام! اس آیت میں منافقوں کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے اور خدا تعالیٰ نے بارش کی مثال دے کر ان کی کیفیت سمجھائی ہے۔ بارش سے مراد اسلام ہے۔ جس طرح بارش میں سب کیلے بھلائی ہے، غلہ پیدا ہوتا ہے، دریا چلتے ہیں، کنوؤں اور نہروں میں پانی آتا ہے، اسی طرح اسلام میں بھی تمام انسانوں کی بھلائی ہے۔ اس سے خدا کی پہچان ہوتی ہے

انسانوں میں محبت بڑھتی ہے، علم و اخلاق کے چشے بہتے ہیں، عدل اور انصاف کی نہریں جاری  
ہیں اور انسان کی ذاتی اور جماعتی زندگی کی کیفیتیاں اور چین ہرے بھرے ہو جاتے ہیں، پس  
جس طرح کوئی شخص نفسِ بارش کا دشمن نہیں ہو سکتا، اسی طرح کوئی صاحبِ عقل نفسِ اسلام  
کا بھی دشمن نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر بھی ایک رکاوٹ موجود ہے۔ جس طرح بارش کے  
اندر بجلی، کرفک اور اندھیرا ملا ہوا ہوتا ہے، اسی طرح اسلام کے اندر بھی جہاد و خیرات امتحان  
مصیبتیں، قربانیاں اور تکلیفیں ملی ہوتی ہیں۔ پس منافق لوگ، اسلام کے فائدوں کو  
سمجھنے کے بعد جب اسلام کے اندر آکر یہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں آرام چھوڑنا ہوگا، مال لگانا ہوگا  
نہوں بہانا ہوگا، اولاد کٹانی ہوگی تو یہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال کر اور توبہ توبہ کرتے ہوئے  
بھاگ جاتے ہیں۔ پس یہ لوگ دراصل اسلام کی دشمنوں اور اسلام کے فائدوں سے نہیں  
بھاگتے بلکہ اسلام کے امتحانوں سے بھاگتے ہیں۔ اسے ایمان والو! یہ اہمیت پڑی سبق آموز ہے  
خدا تعالیٰ نے اس آیت میں منافق کی زندگی کی روح نکال کر رکھی ہے۔ منافق چونکہ مکر و  
عقل نہیں بلکہ مصلحت پرست ہوتا ہے اس واسطے اتنا توجہ ضرور سمجھتا ہے کہ حق حق ہے  
اور دنیا کا اصل فائدہ حق ہی کی پیروی میں ہے مگر اس کے باوجود وہ حق کا ساتھ نہیں دیتا  
تو صرف اس لئے کہ وہ حق کے امتحانوں اور قربانیوں سے ڈرتا ہے۔ آج ہمارے زمانے کے  
منافقوں اور ٹوٹیوں کا حال بھی یہی ہے۔ وہ حق کے فائدوں کو خوب سمجھتے ہیں مگر حق کی  
قربانیاں دیکھ کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ یہ بات تو بڑھلا کہتے ہیں کہ بارش اچھی، ملکی آزادی  
اچھی، حقوق اسلام اچھے، مگر اس کے باوجود بھی جو غیر طاقتوں کے غلام بنے ہوئے ہیں تو اس  
کی وجہ صرف یہ ہے کہ جب وہ براہ حق میں قربانی، قید، بے آرامی، جلا وطنی اور تنہا کے بادلوں  
کو کٹنا اور گرجنا ہوا دیکھتے ہیں تو فوراً ہی اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال کر بھاگ جاتے ہیں  
دیکھو، ایسے ہی لوگ ہماری بے بسی اور دولت کے ذمہ دار ہیں۔

## ۳۳۔ انجام نفاق ناکامی

وَ اللّٰهُ مَحِيْطٌ بِالْكَافِرِيْنَ ۝

اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو

اگرچہ منافق لوگ، ایمانداروں کے ساتھ مل گئے تھے اور ظاہر طور پر انہوں نے خدائی جکڑوں پر چلنا شروع کر دیا تھا، پھر بھی اس آیت میں انہیں کافر کہا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اصل چیز انسان کا عقیدہ اور نیت ہے۔ جب تک کسی شخص کے عقائد اور نیت اور ایمان درست نہ ہو، صرف ایمانداروں جیسی شکل بنا لینے سے یا مسجد میں جانے اور نمازیں پڑھنے سے کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ منافق لوگ خواہ کس قدر بھی جیلہ سازیاں کریں، اب وہ خدا کی پکڑ سے بھاگ نہیں سکتے یہ آیت ایک قسم کی پیشگوئی ہے۔

اسے ایمان والو! یہاں یہ بات پھر اچھی طرح سمجھ لو کہ مومن، کافر اور منافق، کسی قوم یا نسل کا نام نہیں بلکہ یہ عہدوں کے نام ہیں۔ ایک شخص ہندو کے گھر پیدا ہو اور وہ صرف ایک خوراکو اپنا بادشاہ مان کر صرف اسی کے حکموں کے مطابق عمل کرنا شروع کر دے تو وہ ہندو نہیں بلکہ مسلمان سمجھا جائیگا۔ ایک شخص مسلمان کے گھر پیدا ہو اور وہ کسی انسان کو بادشاہ سمجھ کر اس کے حکموں کی اطاعت شروع کر دے تو وہ کافر ہوگا، منافق وہ ہے جو زبان سے تو یہ کہے کہ میں نے صرف خدا کو بادشاہ مانا اور عمل سے ماسوا کے قانون کی اطاعت کرے۔ موجودہ زمانے کے فرنگی بھی منافقوں میں شامل ہیں۔ جس طرح منافقین مدینہ، مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر طرح طرح کی چالوں، پالیسیوں، فریبوں، قسموں اور عہد ناموں سے مسلمانوں کی جڑ کاٹنے کے درپے تھے، اسی طرح یورپ کے مدبر بھی تمام مشرقیوں اور ہم لوگوں کے خیر خواہ بن کر انڈیا، انڈونیشیا کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ خدا پر انسان کو ان فریبوں سے بچائے۔

## ۳۴۔ بجلی والے منافق

۲۰۔ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كَمَا أَضَاءَ لَنْ هُمْ

قریب ہے بجلی اچکے آنکھیں اُنکی جب کبھی چمکتی ہے واسطے اُنکے

مَشَوْا فِيهِمْ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ط

چلتے ہیں اُس میں اور جب اندھیرا ہوا اوپر اُن کے کھڑے ہو جاتے ہیں

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ منافق لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب ذرا بجلی چمکتی ہے تو وہ

چند قدم چل لیتے ہیں، جب بجلی نہیں چمکتی تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور قریب ہے کہ یہی بجلی

اُن کی آنکھوں کو اچکے لے جائے۔ یہ آیت یورپ کے گورے منافقوں کی زندگی کا نقشہ

پیش کرتی ہے۔ منافق کی اصل حقیقت صرف ایک چیز ہے۔ اُس کا ظاہر نہایت ہی

خوبصورت ہوتا ہے مگر اس کا اندر بہت کھوٹا اور خوفناک ہوتا ہے۔ تہذیب یورپ۔ تہذیب

فرنگ کا حال بھی بالکل یہی ہے۔ اس کا ظاہر تو بارش کی خوبصورت اور چھوٹی چھوٹی بوندوں

کی طرح نہایت بھلا لگتا ہے مگر اس کے اندر ہزار ہا قسم کے اندھیرے ہزار ہا قسم کی مہلک بجلیاں

اور ہزار ہا قسم کے خوفناک اور گرج دار آوازیں بھری ہوئی ہیں، جب یورپ والے اپنی ظاہری

چمک دکھانے کو دیکھتے ہیں تو پھولے نہیں سماتے، مگر جب اپنی تہذیب کی اندرونی خرابیوں،

سیاسی اندھیروں، موت کی بجلیوں اور جنگ کی کرک کو دیکھتے ہیں تو موت کے ڈر سے اپنی

اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے ہیں، اب خدا تعالیٰ کے قانون عدل نے انہیں چاروں طرف

سے گھیر لیا ہے۔ اس واسطے اب وہ کہیں نکل کر جا نہیں سکتے، اُن کی موت یقینی ہے اُن

کی اندرونی دھڑہ بندیوں، نا اتفاقیوں اور سیاسی الجھنوں، اُن کے کارخانوں، مزدوروں اور

اور عہد ناموں ان کی عورتوں اور خرابی بچوں وغیرہ، مشکلات کا یہ حال ہے کہ وہ ایک قدم

بھی آگے نہیں چل سکتے، اگر کبھی تھوڑی بہت امید کی بجلی چمکتی ہے اور کوئی راستہ کھلتا

ہے تو یہ لوگ کانفرنسیں کرنے لگ جاتے ہیں مگر جب یہ روشنی اوجھل ہو جاتی ہے تو پھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

اگرچہ بارش کی طرح تہذیب مغرب کا ظاہر، شان و شوکت سے بھرا ہوا ہے، مگر اس کے اندر تاریکی، جنگ اور موت کی خوفناکی کے سوا اور کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ اہل یورپ ایک اندھیرے سے نکلنے ہیں اور دوسرے اندھیرے میں پھر پھنس جاتے ہیں۔ ذرا اُمید کی بجلی چمکتی ہے تو صلح کی کانفرنسیں شروع ہو جاتی ہیں مگر وہیں بیٹھے بیٹھے ایسی مشکل پیش آ جاتی ہے کہ توپیں گرجنے لگ جاتی ہیں۔ یورپ میں جنگ کے بعد جنگ ہوتی رہی ہے مگر وہاں کی زندگی اور امن کا سوال پھر بھی حل نہیں ہوتا۔ اسلام کا پیغام یہ ہے کہ سبھا لوگ صرف ایک خدا کو بادشاہ مان کر اس کے مقررہ قانون پر چلو اور اپنا ظاہر اور باطن ایک رکھو، جب تک دنیا میں اس پالیسی پر عمل نہیں کیا جائیگا، نوح انسان کی مہمبستیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے :- (۳۵)

وَ كَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَ زَهَبَ بِسَمْعِ هِمُّ وَّ الْبَصَارِ هِمُّ  
اور اگر چاہے اللہ ضرور لے جائے گا ان کے اور آنکھیں ان کی  
اِنَّ اللّٰهَ بَشِيْكَ الْعَلِيِّ اُوْپر۔ کُلِّ تمام شئیٰ چیز کے۔ قَدْ يُّرْ قَادِرٌ ہے۔

مطلب یہ کہ مغربی مٹا فتنوں یا مشرقی ٹوٹیوں کی چالوں، حیلوں، بہانہ سازوں اور فریبکندوں کی پروانہ کرو۔ یہ بات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کہ وہ ان کے کانوں کو ختم کر دیگا، اس واسطے وہ کوئی بھلائی کی بات نہیں سن سکیں گے اور نہ مائیں گے، وہ ان کی آنکھوں کو ختم کر دیگا اس واسطے ان کو کوئی نجات کا راستہ نظر نہیں آئیگا۔ ان کی ظاہری طاقتیں بجلیاں اور تیاریاں تو موجود ہوں گی مگر ان کی آنکھیں، کان اور دوسری قابلیتیں ختم ہو جائیں گی اس واسطے وہ خود ہی بظکر فنا ہو جائیں گے۔

اللہ ہر چیز پر قادر ہے، مطلب یہ کہ وہ ان کی منافقت کی سزا ضرور دے گا۔

## دوسری بحث

(۱) عام انسانوں کو اسلام کی دعوت (۲) صداقت قرآن کی بحث (۳) انسان کا درجہ اور اس کے حصول کا طریق  
اب تک قرآن کے ۲۰ جملے پورے ہوئے۔ اب ۲۱ ویں آیت سے نئی بحث شروع ہوگی  
تمام پہلے بیانات پر ایک نظر ڈالنی چاہئے۔

کتاب کا نام قرآن جس کے معنی ہیں وہ کتاب جو زیادہ پڑھی جاتے، بسم اللہ الرحمن  
الرحیم، وہ موضوع یا عنوان ہے جس پر تمام قرآن میں بحث کی گئی ہے۔ الحمد للہ سات  
جملوں میں پورے قرآن کا دیباچہ ہے۔ سورۃ بقرہ سے قرآن کی تفصیل بحث شروع ہوتی  
ہے۔ ذَلِكِ الْكِتَابِ لِذُرِّيَّتٍ فِيهِ مَنَّا كَلِمَاتٍ لِّمَن يَشَاءُ لَقَدْ نَزَّلَ الْحَقَّ لِقَابٍ  
کتاب۔ پھر نزول قرآن کا مقصد بتایا گیا ہے، هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ پرہیزگاری کے اصولوں  
پر نوع انسان کو ایک قوم بنایا۔ پھر یہ بتایا گیا ہے، قرآن کے نزول سے لوگوں شکے تین گروہ  
بن جائیں گے۔ پرہیزگار لوگ پانچ شرطیں مان کر قرآنی جماعت میں شامل ہو جائیں گے  
بعض لوگ خدا کے قانون کو ماننے سے انکار کر دیں گے اور مقابلہ کریں گے اور ناکام ہونگے  
تیسری جماعت دورنگی پالیسی اختیار کرے گی اور ذلیل ہوگی۔ یہ پھیلی آیات کا خلاصہ تھا  
اب ۲۱ ویں آیت سے تمام انسانوں کو خدا کے قانون پر چلنے کی دعوت دی گئی ہے اور  
(۱) خدا کے احسانات (۲) قانون خدا کی صداقت (۳) اطاعت الہی کے دینی اور اخروی  
فوائد (۴) ماسوا طافعل کی غلطی اور اطاعت کے نقصانات ظاہر کر کے نوع انسان کے لئے  
قانون الہی پر چلنے کی ضرورت ثابت کی گئی ہے۔ پھر ۲۹ ویں آیت کو تمہید بنا کر آغاز زندگی،  
مقام انسانیت اور پیدائش آدم کا ذکر کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اُس وقت خدا نے جو حضرت  
آدم سے وقت و وقت پر اپنا ہدایت نامہ بھیجے گا وعدہ کیا تھا، یہ قرآن اسی وعدہ الہی کی تکمیل ہے مختصر  
یہ کہ ۲۱ ویں آیت سے ۳۹ ویں آیت تک تمام نوع انسان سے خطاب ہے اور اسے راہ حق پر چلنے  
کی دعوت دی گئی ہے۔ پھر ۴۰ ویں آیت بنی اسرائیل سے خطاب شروع ہوا ہے۔ یہاں قرآن کی تیسری بحث شروع ہوگی

مثبت پہلو ۳۵۔ دعوت اسلام عبادت کرو

۲۱۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ

اسے لوگو عبادت کرو خدا اپنے کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو (تھے)

قَبْلَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ

پہلے تمہارے تاکہ تم پرہیزگار بنو جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین بچھونا اور آسمان

بِنَاءً مِنْهَا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاتَّخِذْ مِنْ

کوٹھا اور اتارا بلندی سے پانی پس نکالے اس سے کچھ

الْمُتَّخِذَاتِ مِنْهَا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ لَكُمْ فِيهَا مَاءٌ غَدِيقٌ أَمْ لَمْ تَرَ أَنَّ الْمَاءَ

الْمُتَّخِذَاتِ مِنْهَا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ لَكُمْ فِيهَا مَاءٌ غَدِيقٌ أَمْ لَمْ تَرَ أَنَّ الْمَاءَ

یعنی اپنے رب کی عبادت کرو اور دوسرے فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا ۝ یعنی کسی اور کو

خدا کا شریک نہ بناؤ۔ قرآن کی بولی میں اسی ایک چیز کا نام حق ہے، اسی کا نام دینِ فطرت

ہے، اسی کا نام اسلام ہے۔ اسی کا چھوٹے سے چھوٹا نام "توحید" ہے اور توحید کے اسی حق

کو جب عملی طور پر ادا کیا جاتا ہے تو اسی کا نام عبادت ہے، اب آپ اس آیت کے ترجمہ

سے عبادت کا مطلب سمجھیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے، "اے لوگو! خدا کی عبادت کرو، جس نے

تم کو پیدا کیا اور تمہارے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ وہ خدا جس نے تمہارے لئے زمین

کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا، جس نے اوپر سے پانی اتارا اور اس سے تمہارے لئے

پہلوں کی روزی پیدا کی۔ اس آیت سے تین باتیں بالکل صاف ہیں، ایک یہ کہ اس آیت

میں يَا أَيُّهَا النَّاسُ کہہ سب انسانوں کو پکارا گیا ہے۔ دوم یہ کہ عام خطاب کے بعد

مطالبہ یہ کیا گیا ہے، اعْبُدُوا رَبَّكُمُ، اپنے رب کی عبادت کرو جس نے سب انسانوں اور

ان کے سامان زندگی کو پیدا کیا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ



صاف مطلب یہ ہوا کہ مقصود انسانیت بلکہ مقصود خلقت، عبادت ہے۔ سووم یہ کہ اُنہی  
 رَبِّكَر کے بعد فرمایا، لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ  
 مقصود عبادت، تقویٰ یعنی پرہیزگاری ہے۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مقصود انسانیت  
 اور مقصود خلقت، عبادت ہے اور مقصود عبادت، تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ یہاں سوال  
 پیدا ہوگا کہ عبادت کے کیا معنی؟ یہ بات بھی خود آیت ہی کی اندر نشی کی طرح صاف  
 کر دی گئی ہے۔ پہلے کہا، خدا کی عبادت کرو، پھر بتایا کس خدا کی؟ اَلَّذِي خَلَقَكَ  
 وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ جس نے تم کو اور تمہارے پہلوں کو پیدا کیا، یہ عبادت کا ایک  
 پہلو تھا کہ خدا کے ان تعلقات کا حق ادا کرو جو نوع انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر فرمایا  
 الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً..... یعنی عبادت کا دوسرا  
 پہلو یہ ہے کہ خدا کے ان تعلقات کا حق ادا کرو جو زمین، آسمان، بارش اور پیداوار زمین سے  
 تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ (۱) خدا (۲) انسانیت (۳) کائنات  
 ارض و سما کے تعلقات کو صحیح طور پر ادا کرنے کا نام عبادت ہے۔ یا یوں کہتے کہ ایک انسان  
 کے ساتھ خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت میں خدا کی باقی مخلوق کے ساتھ جتنے بھی رشتے  
 قائم ہو گئے ہیں، ان سب کا حق ادا کرنا عبادت ہے۔ آپ بندہ خدا ہونے کی حیثیت سے  
 خدا کی تعریف کریں، مالک کا نام چھیں، یہ عبادت ہے۔ آپ بندہ خدا ہونے کی حیثیت سے  
 نبی، رسول، والدین، استاد، ہمسایہ اور دوسرے بندگان خدا سے نیک سلوک کریں، یہ  
 عبادت ہے۔ آپ خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے، زمین، پہاڑ، سمندر، پانی، آگ کے  
 اندر سے وہ خزانے نکالیں جنہیں خدا ہی نے آپ کے لئے ان چیزوں کے اندر جمع فرمایا، یہ  
 یہ بھی عبادت ہے۔ مختصر یہ کہ آپ خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت میں، اس بات پر غور کریں  
 کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی تائیں کہاں کہاں جوڑ رکھی ہیں، مثلاً خدا کی ذات کے ساتھ

ماں باپ کے ساتھ، اپنے قریبیوں اور ہمسایوں کے ساتھ، زمین، سورج، چاند، ہوا، پانی اور روشنی کے ساتھ، اپنے ملک اور وطن کے ساتھ، اس زمین و آسمان کے اُن قدرتی خزانوں کے ساتھ جنہیں خدا تعالیٰ نے آپ ہی کے لئے چاند، سورج، زمین اور آسمان آگ اور پانی کے اندر جمع فرما رکھا ہے، اولاد، تجارت اور کھیتی باڑی کے ساتھ، بس ان سب رشتوں اور ڈوروں کی حکم خدا کے مطابق حفاظت کرنا اور خدا کا غلام بن کر ان سب کے حقوق کا لحاظ رکھنا عبادت ہے۔ اے خدا کے بندو! اچھی طرح سمجھ لو کہ اسلام کا یہی پیغام ہے اور راز حیات بھی یہی ہے کہ آپ خدا کے بنائے ہوئے تمام رشتوں کی خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت میں، اور حکم خدا کے مطابق حفاظت کریں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف خدا خدا کرنا ہی عبادت نہیں بلکہ محنت کرنا، ہل چلانا اور پانی سے بجلی نکالنا، ماں باپ کی خدمت کرنا بھی عبادت ہے۔ جب تک آپ لوگ ان وسیع معنوں میں حق عبودیت اور انہیں کرینگے، زندگی کا مقصد کبھی پورا نہیں ہوگا۔

منفی پہلو ۳۶۔ دعوت اسلام

فَا لَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

پس نہ تم بناؤ اللہ کا کوئی شریک اور تم جانتے ہو

اے خدا کے بندو! دعوت اسلام کے دو پہلو ہیں، مثبت اور منفی۔ ایک وہ جو کرنا چاہئے۔ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْتَبِعُوْا كَيْدَہٗ كَمَا مَطْلَبُہٗ یہ ہے کہ قانونی فرما برداری خدا کی کرو۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا كَمَا مَطْلَبُہٗ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کی قانونی فرما برداری مت کرو انسان سب ایک دوسرے کے برابر ہیں اس واسطے وہ بھائی بھائی تو ہو سکتے ہیں مگر حکم محکوم نہیں ہو سکتے اور باقی رہی دوسری مخلوق تو وہ انسان کے برابر نہیں بلکہ انسان سے کم تر ہے اور انسان کے لئے ہے۔

آپ پوچھیں گے کہ صرف خدا کی قانونی فرمانبرداری کیوں کرنی چاہئے؟ قرآن نے اس کا جواب یہ دیا، الَّذِينَ خَلَقُوا اس لئے کہ اسی نے تم کو پیدا کیا۔ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور اس لئے بھی کہ اسی نے تم سے پہلے پیدا کیا۔ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً اس لئے بھی کہ اسی نے تمہارے لئے زمین بچھونا، آسمان چھت، بارش اور سزاوار زمین کو پیدا کیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت یا خدا کی قانونی فرمانبرداری صرف اس وقت کا حق ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہو، زمین اور آسمان میں بسایا ہو اور سامان زندگی بخشا ہو۔ دیکھو، یہ کتنی صاف اور فطری دلیل ہے۔ اس دلیل کے مطابق ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر اس طاقت کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دے جس نے انسان کو پیدا نہیں کیا ہے۔ ہم کسی شخص کے احسان کے بدلے میں اس پر احسان کر سکتے ہیں مگر ہم غلامی اور عبادت اسی کی کر سکتے ہیں جس نے ہمیں پیدا کیا ہو اور سامانِ حیات عطا فرمایا ہو۔ قرآن کی اس تشریح کے مطابق عبادت کی ایک صحیح ترین تعریف یہ ہوگی کہ عبادت نام ہے اس ذات کی قانونی فرمانبرداری کا جس نے انسان کو اور اس کے سامان زندگی پیدا کیا ہے۔ چونکہ خدا کے سوا کسی نے بھی انسان اور اس کے سامان زندگی پیدا نہیں کیا، اس واسطے صرف خدا ہی کی قانونی فرمانبرداری کرنی چاہئے، کسی اور طاقت کے قانون کی فرمانبرداری نہیں کرنی چاہئے۔ مختصر یہ کہ آپ خدا کو اپنا بادشاہ مانیں اور اس کے قانون کے مطابق خدا بنی، ماں باپ، ہمسایہ، مکان، زمین، کھیت، ہوا، پانی، چاند، سورج، پیداوار وغیرہ کا حق ادا کریں، اگر زمین میں پٹرول ہے اور آپ نکالتے نہیں ہیں تو آپ گنہگار ہوں گے اسی طرح آج اگر زمین کے اندر سے غلہ اور پھل نکل سکتے ہیں اور آپ نکالتے نہیں ہیں تو آپ گنہگار ہوں گے، اس لئے کہ زمین و آسمان کے تمام خزانے از روئے قانون آپ کے لئے پیدا کیے گئے ہیں، وہ شخص گنہگار ہے جو خدا یا انسانیت (رسول، والدین، ہمسایہ، استاد) کا قانونی

حق ادا نہ کرے، اسی طرح وہ شخص گنہگار ہے جو زمین، کھیت، سمندر اور سورج کا حق ادا نہ کرے۔ اسے خدا کے بندو! آپ سمجھیں، اَعْبُدُوا رَبَّكُمْ کے بعد خدا نے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ بھی فرمایا ہے۔ یعنی خدا نے اپنی قانونی فرما برداری کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ تم لوگ پرہیزگار بن جاؤ۔ اس کے معنی یہ ہوتے کہ خدا نے انسان کو تو اپنے قانون کی فرما برداری کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ قانونی فرما برداری خود انسان کے فائدے کے لئے ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو آپ کے لئے نماز پڑھنے کی، خدمت والدین کرنے کی، سچ بولنے کی، حلال کمانے کی، خیرات کرنے کی، علم پڑھنے کی، کھیتی باڑی کرنے کی، کان کنی کی اور اسی طرح کئی قسم کی اور عبادتیں مقرر کی ہیں، خدا کا منشاء یہ ہے کہ آپ سب لوگ پرہیزگار بن جائیں، اس سے ظاہر ہوا کہ قرآن کے ہر حکم کی آخری غرض یہ ہے کہ نوع انسان کو پرہیزگاروں کی قوم بنا دیا جائے اور یہی نزول قرآن کا مقصد ہے، یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے، پرہیزگاری کی تعریف بھی یہ ہے، کسی غیر خدا کے قانون کو نہ ماننا۔ ہر ماسوا کی اطاعت سے پرہیز۔

اسے بندگان خدا! ۲۱ میں آیت اَعْبُدُوا رَبَّكُمْ، یہ حکم دیتی ہے کہ آپ خدا کے قانون پر چل کر اپنے آپ کو کامل بنالیں ۲۲ میں آیت فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَدَاً، یہ حکم دیتی ہے کہ آپ تمام غیر خدا طاقتوں کی قانونی اطاعت چھوڑ کر آزاد اور بے نیاز اور کمزوریوں سے بہت ہو جائیں۔ ۲۱ میں آیت آپ کو صرف ایک خدا کی وفاداری کا سبق دیتی ہے اور ۲۲ میں آیت یہ حکم دیتی ہے کہ اگر تم نے خدا کو بادشاہ مانا ہے تو تم غیر طاقتوں سے باغی اور آزاد ہو جاؤ۔ یہ اس لئے کہ دنیا کا کوئی انسان ایک ہی وقت میں دو بادشاہوں کی رعیت نہیں بن سکتا۔ یا وہ خدا کی رعیت ہو گا یعنی عابد یا غیر خدا کی رعیت ہو گا یعنی مشرک۔ طے صرف یہ کرنا چاہئے کہ تم نے کس طاقت کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا ہے، خدا کو یا غیر خدا کو! اگر تم دلی طور پر خدا کو اپنا بادشاہ مان کر، اس کے قانون کی اطاعت میں تعلیم،

تجارت، محنت، زراعت، تعمیر مکان، حصول زر و مال اور نکاح و اولاد وغیرہ وغیرہ کاموں کو انجام دے رہے ہو تو یہ سب کچھ خدا کی قانونی فرمانبرداری یعنی عبادت ہے لیکن اگر تم اپنی کاموں کو کسی جرمن، انگریز، دیوی دیوتا، پیرو فقیر کے قانون یا حکم پر مطمئن ہو کر ان کی منشاء کو پورا کرنے کے لئے انجام دے رہے ہو تو یہ سب غیر خدا کی قانونی فرمانبرداری یعنی شرک ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ تمہاری ذہنیت کا مرکزی نقطہ کیا ہے؟ اور کیا تم عملاً بھی اُس نقطے کی پیروی کر رہے یا نہیں؟ اگر قانون الہی کی حمایت کے لئے اولاد ہے تو اولاد پیدا کرنا عبادت۔ اگر انگریز کی بھرتی کے لئے اولاد ہے تو اولاد پیدا کرنا شرک اس لئے کہ خدا کے قانون کی حمایت کا جو حق تھا، وہ تم نے انگریز کے قانون کو دیدیا۔ اسلام کی منشاء صاف طور پر سمجھ لیجئے۔ اسلام یہ چاہتا ہے۔ سب کا بادشاہ ایک خدا سب انسانوں کی اطاعت کے لئے اُس کے قانون کی حکومت۔ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی اور حکم خدا کے پابند۔ جب آپ ذرا بھی اس نظریے سے تجاوز کریں گے تو آپ توحید کی حدوں سے نکل کر شرک کی حدود میں داخل ہو جائیں گے۔

### صدقہ قرآن، دعوت اسلام، مخالفین کو چیلنج

۲۳۔ وَرَانَ كُنْتُمْ فِي دَرِيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ

اور اگر تم ہو شک میں اس سے جو اتارا ہم نے اوپر بندہ ہمارے پس آؤ ایک سو

مِنْ مِّثْلِهِمْ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

اس جیسی اور بلاؤ گواہ اپنے سوائے اللہ کے اگر تم ہو سچے

آپ لفظوں کے معنی یاد کر لیں۔ اِنْ کے معنی اگر۔ نَزَّلْنَا کے معنی ہم نے اتارا۔

فَأْتُوا میں ف کے معنی پس اور اَلْوَا کے معنی لاؤ۔ اَدْعُوا کے معنی بلاؤ۔ دُوْنِ کے

معنی سوائے۔ اسے بندگان خدا! قرآن کا مقام یہ ہے کہ سب انسان، خدا کے قانون کے

اور انسانوں کے خانہ ساز قوانین اور رسوم کی پیروی نہ کریں۔ اس پر بعض لوگوں نے کہہ دیا،  
قرآن بھی پیغمبر اسلام کا بنایا ہوا ہے۔ اس واسطے آج کی آیت میں کہا، آؤ، پہلے یہ فیصلہ کر لیں  
کیا قرآن واقعی خدائی قانون ہے؟ قرآن کہتا ہے، ہاں، میں خدا کا قانون ہوں اور اس کا  
ثبوت یہ ہے کہ سارے انسان مل کر بھی میرے جیسی ایک سورت نہیں بنا سکتے۔

اسے بندگان خدا! آپ غور فرمائیں کہ قرآن کی دلیل کتنی صاف ہے؟ قرآن کی دلیل یہ  
ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی اصل پرکھ صرف ایک ہوتی ہے  
اور وہ یہ کہ انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کی مانند اور چیزیں بھی بنائی جاسکتی ہیں مثلاً  
آپ کے سامنے دو پھول ہیں۔ ایک کاغذ کا پھول اور دوسرا گلاب کا اصلی پھول۔ آپ  
کہہ سکتے ہیں کہ کاغذ کا پھول انسان کا بنایا ہوا پھول ہے۔ اس لئے کہ ہزار ہا دوسرے انسان  
بھی کاغذ کے ویسے پھول بنا سکتے ہیں مگر آپ گلاب کے اصلی پھول کو انسان کا بنایا ہوا  
پھول نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ اگر کروڑوں انسان بھی جمع ہو جائیں تو وہ ایسا پھول نہیں  
بنا سکیں گے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کے مانند ہم کوئی دوسری چیز نہیں بنا  
سکتے مگر انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کی مانند ہمیشہ اور ہر وقت اور چیزیں بنائی جاسکتی ہیں  
اب خدا کہتا ہے کہ آپ اس کسوٹی پر قرآن کو پرکھ لیں۔ اگر قرآن خدا کا کلام ہے تو کسی  
انسان سے بھی ویسا کلام نہیں بن سکیگا۔ لیکن اگر وہ انسانی کلام ہے تو پھر دوسرے  
انسان بھی ضرور ویسا کلام بنا سکیں گے۔ قرآن کہتا ہے، تم سب لوگ مل کر میرے جیسی  
ایک سورت لے آؤ، بس اسی سے فیصلہ ہو جائیگا کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ پھر جب یہ  
ثابت ہو گیا تو آپ کا فرض ہے کہ آپ قرآنی تعلیمات پر عمل کریں اور رسم و رواج کو فزنی  
فیشن کے طور طریقوں کو اور غیروں کی سیاسی غلامی کو چھوڑ دیں، پھر آپ دنیا اور آخرت  
کا ضرور کمال حاصل کر لیں گے۔

## صدقہ قرآن ۳۸ دعوت اسلام مخالفین کو پہنچانے

۲۴- فَاَنْ تَفْعَلُوْا وَلٰكِنْ تَفْعَلُوْا فَاَنْتُمْ كَالنَّارِ الَّتِي وَقُوْدُهَا  
 پھر اگر نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو بچو آگ سے جس کا ایندھن ہے اس کا  
 النَّاسِ اَدْمٰی۔ وَالْحِجَارَةُ اور پتھر۔ اَعْدَاتٌ تیار ہے۔ لِلْمُكْحَرِيْنَ واسطے کافروں کے۔  
 کل کہا گیا تھا، اگر تم کو قرآن کے قانون الہی ہونے میں شک ہے تو اس جیسی ایک  
 سورت بنا کر دکھاؤ۔ آج کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم قرآن جیسی ایک بھی سورت نہیں  
 بنا سکو گے اور اس سے تم کو خود بچو ولقین ہو جائیگا کہ قرآن اللہ کا قانون ہے۔ پھر اگر اس  
 کے بعد بھی تم قرآن پر نہ چلو تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم عذاب الہی کی ایک ایسی جگہ میں  
 پس دیتے جاؤ گے جس کے لئے آدمی اور پتھر دونوں یکساں ہیں۔ عذاب الہی کی یہ جگہ ان  
 لوگوں کے لئے تیار ہے جو قرآن کی پیروی نہیں کرتے۔ اس آیت میں پھر اس بات پر زور  
 دیا گیا ہے کہ جو لوگ ایک خدا حاکم اور تمام انسانیت غلام کے قرآنی اصول کا ساتھ  
 نہیں دیں گے وہ بہر حال ذلیل ہوں گے۔ یہاں سمجھایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو کافروں کی  
 کی بربادی کا منتظر رہنا چاہئے اور لقین کر لینا چاہئے کہ قرآنی اصولوں کا ساتھ چھوڑنے کے  
 بعد کوئی جماعت بربادی اور ذلت سے بچ نہیں سکتی۔ اہل یورپ اور خود آپ لوگوں کی  
 ذلتوں کا باعث بھی یہی ہے کہ آپ نے قرآنی تعلیم پر چلنا ترک کر دیا ہے۔ آپ زبان سے  
 کہتے ہیں کہ ہم قرآن کے پیرو ہیں مگر عملی طور پر ہمارا حال بھی قریباً قریباً وہی ہے جو منکرین قرآن  
 کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اہل یورپ، فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں اور آپ  
 اپنی کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ جب تک کوئی شخص صرف ایک خدا کے قانون کا پیرو ہو کہ  
 دنیوی بادشاہوں کی عبادت اور غلامی سے مشرف نہ ہو جائے، اسلام کی حقیقت کو  
 کبھی نہیں پاسکتا۔ آواپنے خالق کے حکموں کی پابندی کریں۔

صدقہ امت قرآن ۳۹۔ دعوت اسلام ذریعہ امن و راحت

۲۵۔ وَ كَثِيرًا مِّنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّ

اور بشارت دو ان کو جو ایمان لائے اور کئے نیک کام بے شک

لَهُمْ فِي جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ط

واسطے ان کے باغ ہیں بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں

اے لوگو! ۲۱ویں آیت میں قرآن نے آپ کے سامنے اپنا پیغام رکھ دیا ہے، یہ کہ آپ

خدا کو بادشاہ مانیں اور قرآن پر چلیں، آپ پوچھینگے، کیوں؟ قرآن کہتا ہے، اول اس لئے کہ

خدا نے آپ کو اور آپ سے پہلوں کو پیدا کیا ہے اور زمین و آسمان میں آپ کے لئے زندگی

گزارنے کے سامان پیدا کر دیئے ہیں، دوسرے اسلئے کہ قرآن خدا کا بھیجا ہوا ہے، تیسرے اسلئے

کہ آپ خدا سے بیچ جائینگے۔ بعض غیر خدا کی غلامی سے جو دنیا اور آخرت میں سب بٹا دوزخ

ہے۔ آج کی آیت میں جو تمہی بات یہ کہی ہے کہ اے رسول! سب لوگوں کو یہ بات سنا دو کہ جو بھی آدمی

خدا کو بادشاہ اور خدا کے قانون کو اپنی زندگی کا قانون مان لیں گے اور پھر اسی قانون کے مطابق

عمل کریں گے، ان کیلئے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ اس آیت میں کسی

فرقہ یا قوم سے نہیں بلکہ تمام لوگوں سے خطاب ہے اور کہا گیا ہے کہ جو بھی آدمی ایمان لائینگے

اور نیک عمل کریں گے، انہیں بہشتی زندگی حاصل ہو جائیگی۔ آیت نے یہ نہیں کہا کہ زبان ہلا کر یا

بالتھ اٹھا کر "یا اللہ جنت" "یا اللہ جنت" کہنے والوں کو خوشخبری دی جائے بلکہ اس کی بجائے

صاف لفظوں میں یہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کر رہے ہیں، نہیں

خوشخبری سنائے کہ وہ بہشت میں داخل کئے جائیں گے۔ جب کسی شخص نے یہ اعلان

کر دیا کہ ایک خدا ہمارا بادشاہ ہے، اور صرف قرآن ہمارا قانون زندگی ہے تو وہ ایماندار ہو

گیا۔ پھر جب اس نے قرآن کے احکام پر چلنا شروع کر دیا تو نیک عملی کامنشا بھی پورا ہو گیا

عمل صالح ہر روز نماز روزہ کا نام نہیں ہے، خدا پر ایمان لانے کے بعد کھانا، پینا، مکان بنانا، نکاح سب عمل صالح ہیں



صداقت قرآن ۳۰ دعوت اسلام بہشتی زندگی کا ایک نظارہ

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهَا إِذَا كَانَ مِنْ ثَمَرِهَا قُلُوا هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ  
 جب بھی ان کو ملیگا وہاں کا کوئی میوہ کھانے کو کہیں گے یہ وہی ہے جو ملا تھا ہم کو پہلے بھی  
 وَ أَوَابِهِمْ مَثَابَهُمْ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ  
 اور لائے جائیں گے وہ ملتے جلتے اور واسطے ان کے وہاں عورتیں پاک اور وہ ہونگے وہاں ہمیشہ رہنے والے

اسے لوگو! اس غرض سے تم خدا کو اپنا بادشاہ مانو اور قرآن کے اصولوں پر چلنا شروع کرو  
 تمہارے سامنے بہشتی زندگی کا ایک نظارہ پیش کیا گیا ہے۔ آیت کہتی ہے کہ ایمانداروں اور  
 عمل کرنے والے کو ایسے باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں، جب انہیں وہاں کا کوئی  
 میوہ ملیگا تو وہ کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا حالانکہ وہ اس کے مشابہ  
 ہوگا، ان کے لئے وہاں پاکیزہ عورتیں ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔

اسے بندگان خدا! انسانی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک موت سے پہلے اور دوسرا موت  
 کے بعد۔ قرآن نے اصولی بات صرف یہی کہی ہے کہ جو لوگ اس دنیا کی زندگی میں خدا پرستی  
 اور نیک عملی کا طریقہ اختیار کریں گے، ان کی موجودہ اور آئندہ زندگی کامیاب ہو جائیگی۔ جنت  
 کا لفظ اسی کامیابی کی ایک تعبیر ہے۔ جب آپ اس اصول سے اتفاق کر لیتے ہیں تو پھر جنت  
 کی جزوی آسائشوں کے متعلق اختلاف کرنا بے فائدہ ہے۔ قرآن نے کئی جگہ یہ کہا ہے کہ خدا  
 نیک اور ایماندار بندے ایسے باغوں کے مالک ہوں گے جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں انہیں  
 پھلوں کی غذائیں، میٹھے اور سرفانی چشے اور پاکیزہ عورتیں مہیا ہوں گی۔ بعض لوگ یہ اعتراض  
 کرتے ہیں کہ جنت کی یہ تصویر، حیوانی زندگی کی تصویر ہے۔ یہ اعتراض اسلامی اصولوں سے  
 ناواقفیت پر مبنی ہے، بیشک، عیسائیوں کے نزدیک اعلیٰ زندگی کی تعریف یہ ہے کہ انسان دنیا  
 کی شوکت اور دولت سے الگ ہو کر کسی بہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھے اور پھر کسی عورت کا منہ نہ دیکھے  
 ہندوؤں اور جینیوں کے نزدیک بھی اعلیٰ زندگی یہی ہے، ان کے رشی منی اور اتار وہ لوگ ہوتے

جو تمام فطری خواہشوں سے قطع تعلق کر کے جنگوں اور غاروں میں جا بیٹھیں تاکہ وہاں کوئی بھی انسانی خواہش ان کے دامن کو چھو نہ سکے۔ لیکن اسلام کے نزدیک زندگی کو اس طرح حیوانی اور روحانی دو مستقل حصوں میں تقسیم کر لینا حدودِ رجبہ کی گمراہی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ کوئی فطری خواہش اگر وہ حدودِ الہی کے اندر ہے تو پیدا ناپاک یا حیوانی یا ایک دوسرے کے لئے نقصان نہیں ہو سکتی اور اعلیٰ زندگی کا جو تخیل عیسائی، ہنسب، جینی سادھو اور ہندو جوگی پیش کرتے ہیں وہ صرف وحشیانہ زمانے کی یادگار ہے۔ اسلام کے نزدیک پاکیزہ کھانا، پاکیزہ پہننا، پاکیزہ عورتیں باغ و بہار اور حسن و جمال اللہ کی ایسی نعمتیں ہیں جنہیں ہر ایک انسان حدودِ الہی کے مطابق بردہ کر سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کیا آپ موجودہ انسانی زندگی میں اس کو حیوانیت سمجھتے ہیں آپ کھانا اور لباس عمدہ اور آپ کی بیوی، خوش جمال اور نیک سیرت ہو، آپ کی سکونت فضا اور پرندہ کو ہو، آپ کا دل دائمی محبت، دائمی سب سے فکری اور دائمی سکون خاطر سے لبریز ہو۔ کیا آپ ہر آرزو کر سکتے ہیں کہ ایسی نفیس، لطیف اور حسین زندگی کو حیوانی، شیطانی یا غلیظ کے نام سے پکارتے ہیں۔ پھر اگر موت کے بعد بھی زندگی کی صورت ایسی ہی رہے تو آپ اس پر یہ کیونکر فتویٰ لگاتے ہیں کہ یہ حیوانی زندگی ہے؟ جس طرح کھانا اور پینا، فطرت انسانی کا ایک شریفانہ فعل ہے، اسی طرح نکاح بھی فطرت انسانی کا ایک شریفانہ فعل ہے۔ موت سے پہلے بھی اور موت کے بعد بھی۔ اس بحث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک انسان کی اعلیٰ ترین فطری زندگی کا نام جنت ہے۔ آپ پہلے یہ فیصلہ کیجئے کہ آپ کے نزدیک انسان کی اعلیٰ ترین فطری زندگی کا مفہوم کیا ہے اور آیا اس مفہوم میں شاداب باغ، پربہا بہنیں، بے فکر روزی، سکون خاطر، محبت اور عورت جیسی نعمتیں شامل ہیں یا نہیں؟ بس اسی سے فیصلہ ہو جائیگا کہ اسلام نے خدا پرست اور نیک بندوں کو جس جنت کی بشارت دی ہے، وہ جنت انسانی کا کمال ہے یا زوال؟ ممکن ہے کہ کول اور دراوڑ کے زمانہ کے جوگی اسے حیوانی زندگی کہیں مگر عالم و تہذیب کی شائستگی یہ غلطی نہیں کر سکتی۔ آپ یقین کیجئے کہ خدا پرست اور نیک انسان اسی زندگی کے وارث ہوں گے۔

## دعوت اسلام ۴۴۔ صدقہ قرآن قرآن کا انداز بیان

۲۴۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِیْبُ اَنْ یُّسْتَرْجَبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضُهُ فَمَا فَوْقَهَا

بیشک اللہ نہیں شرماتا کہ بیان کرے کوئی مثال خواہ مجھ کی یا جو اوپر لکھے ہے۔  
اعتراض یہ تھا، اگر قرآن، خدا کا قانون ہے تو اس میں صرف احکام اور قوانین ہونے

چاہتے تھے، مثالیں بیان کرنے کا کیا مطلب، اور مثالیں بھی مکھی اور مجھ کی۔ آج کی  
آیت جواب دیتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے اس میں کچھ بھی شرم یا ہتک نہیں ہے کہ وہ مجھ یا

اس سے بھی کسی چھوٹی چیز کی مثال بیان کر دے۔ بات یہ ہے کہ قرآن کتاب فطرت ہے، اس  
واسطے وہ خلق خدا کو سمجھانے کے لئے جتنی بھی مثالیں اور دلیلیں پیش کرتا ہے وہ سب

فطرت کی مثالیں اور دلیلیں ہوتی ہیں مثلاً قرآن کہتا ہے کہ آپ خدا کی عبادت کریں۔ اگر  
آپ پوچھیں، کیوں کریں؟ تو قرآن جواب دیتا ہے اس لئے کہ خدا نے آپ کو پیدا کیا ہے اور

آپ پر قسم قسم کے احسان کئے ہیں، چونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ احسان کے بدلے  
میں جھک جائے۔ اس واسطے قرآن نے خدا تعالیٰ کے احسان بتا دیئے تاکہ ہر انسان کی

فطری گواہی سے خدا کی عبادت کا حق ثابت ہو جائے۔ مختصر یہ کہ چونکہ قرآن، فطرت کی  
کتاب ہے اس واسطے اس نے جا بجا مکھی، چھر، زمین، دریا، پہاڑ، کھیتی، سمندر، زلزلہ

وغیرہ کی مثالیں پیش کر کے انسان کو حق کا راستہ دکھایا ہے۔ قرآن کا اصل مقصد یہ ذرا ذرا  
سی مثالیں نہیں ہیں بلکہ فطرت کے قاعدے سے بیان کرنا اور حق بات کا کھولنا مقصد ہے لیکن

کافروں کی حالت یہ تھی کہ وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ، اصول کیا پیش کرتا ہے؟  
بلکہ وہ صرف یہ دیکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ یہ ذرا ذرا سی مثالیں کیوں دے رہا ہے؟ حالانکہ یہ بالکل

بات ہے کہ خدا نے گوہر یا مجھ کو پیدا کیا ہے اور اگر یہ اسکے لئے باعث شرم نہیں ہے تو مجھ کی مثال بنا  
کس طرح باعث شرم ہو سکتا ہے؟ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے سبق دیا ہے کہ آپ مطالعہ قرآن وقت

فطرت کے اصولوں پر نظر رکھنی چاہئے۔ قوانین فطرت بارے میں یہ وہی نیالی اور منطقی بحثیں بالکل بریکار ہیں

## صدقہ قرآن ۲۲۔ دعوت اسلام طریق مطالعہ قرآن

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّ كَلِمَةَ الْحَقِّ مِنْ رَبِّهِمْ

پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں سو وہ جانتے ہیں کہ وہ درست کلمے رب کی طرف سے

آیت کا مطلب یہ ہے۔ جو لوگ ایمان دار ہیں اور حقیقت کو پائے ہوئے ہیں، وہ دیکھی

اور مجھ وغیرہ کی مثالیں سن کر یہ جان لیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے سچائی ہے۔

اے بندگانِ خدا! آج کی آیت، بھی کل کی آیت کا حصہ ہے۔ نکتہ یہ بتایا جا رہا ہے

کہ قرآن کتابِ فطرت ہے اس واسطے اس پر غور و بحث کرنے کا طریق بھی فطری ہونا

چاہئے۔ جس طرح آپ دنیا کو عملی نظر سے دیکھتے ہیں، اسی طرح قرآن کو عملی نظر سے دیکھتے،

مثال کے طور پر آپ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ آگ گرم ہے، اب آپ یہ نہیں سوچتے کہ آگ کیوں

گرم ہے؟ بلکہ یہ سوچتے ہیں کہ اس کی گرمی سے فائدہ کس طرح اٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح

خدا کہتا ہے کہ مطالعہ قرآن کے وقت یہ مت سوچئے کہ خدا نے مکھی کی مثال کیوں دی؟ مجھ کا

ذکر کیوں کیا؟ آپ لفظوں پر، مثالوں پر، چھوٹی چھوٹی فرعی باتوں میں اور بال کی کھال

اتارنے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ آپ کو دیکھنا صرف یہ چاہئے کہ بیان قرآن کا اصل

مقصد کیا ہے؟ اور ہمیں اس کی تعمیل کس طرح کرنی چاہئے؟ ۲۱ ویں سے ۲۶ ویں آیت

تک خدا نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے، اس کا اصل مطلب صرف اتنا تھا کہ سب انسان خدا

کو بادشاہ مان کر اس کے قانون کی اطاعت کریں اور ماسواطِ اقدوں کی غلامی سے انکار کریں،

وہ اس طرح دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن بہت سے لوگ اصل مطلب پر عمل

کرنے کی بجائے جنت کے لفظ کو لے بیٹھے اور انہوں نے یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ جنت کے پھل کیسے

ہونگے؟ عورتیں اس جگہ کہاں سے آئیں گی؟ مردوں کو جو رین ملینگی تو عورتوں کو کیا ملیگا؟ اس

واسطے قرآن نے تنبیہ کی اور بتایا، قرآن پر بحث کرنے کا یہ مناسب طریقہ نہیں ہے، یہ جھگڑا

تو محض لفظی ہے جس کا اصل اصول پر جو قرآن نے پیش کیا، کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔

## صداقت قرآن ۲۳۔ دعوت اسلام طریق مطالعہ قرآن

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَ يَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِ هَذَا مَثَلًا  
 اور ہے وہ جنہوں نے انکار کیا سو کہتے ہیں کیا غرض تھی اللہ کو ساتھ اس مثال کے  
 آیت کا مطلب یہ کہ کافر لوگ، قرآن کی مثالوں سے اصل بنو حاصل نہیں کرتے، بلکہ وہ  
 صرف اسی بات میں الجھ جاتے ہیں کہ خدا کو اس قسم کی مثالیں دینے سے غرض کیا ہے؟ آج اور کل  
 کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومن اور کافر کے مطالعہ قرآن کے طریقوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟  
 مومن تو یہ دیکھتا ہے، أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ، وہ حق اور حکم کیا ہے جو خدا نے بھیجا۔ کافر  
 یہ کہتا ہے، مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِ هَذَا مَثَلًا، خدا کو کیا پڑھی کہ وہ ایسی ایسی مثالیں دے رہا ہے  
 ایماندار لوگ ان مثالوں کے لفظوں پر فضول اور بے نتیجہ جھگڑے نہیں کرتے، وہ صرف مقصد  
 کو سمجھتے ہیں اور مرد میدان بن کر اسے عملی طور پر پورا کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں، گرساوی اور  
 کھوٹے لوگ جو اصولوں پر نظر نہیں ڈالتے، وہ صرف جزوی، لفظی، خیالی اور منطقی باتوں  
 کو لے بیٹھتے ہیں، وہ یہ کہنے لگتے ہیں کہ اللہ کے کلام میں مچھر کا ذکر کیا ہے؟ یہ کبھی کی مثال کیوں؟  
 آخر خدا کو کیا پڑھی تھی کہ وہ اپنے پاک کلام میں ایسی حقیر مثالیں پیش کرتا ہے؟ اسی طرح وہ جھگڑ  
 دوزخ اور ملائکہ وغیرہ پر جھگڑے اور نکتہ چینیاں شروع رکھتے ہیں اور اپنی باتوں میں اپنی  
 زندگی گزار دیتے ہیں۔ آیت کہتی ہے کہ انسان کا اس طرح کے مباحثے کرنا انسانی زندگی کے  
 لئے سخت مضر ہے اس لئے کہ انسان کو عملی قوتوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے،  
 اسے تو صرف سادگی کے ساتھ اصول اور مقصد کو سمجھ کر، عملی کام شروع کر دینا چاہئے۔ اگر اس دنیا  
 آپ میں عمل کی بجائے مباحثوں سے اطمینان چاہیں تو خود اس دنیا کا اور انسانی زندگی کا معرہ ہی  
 حل نہیں ہوتا۔ قرآن، ان غیر فطری بحثوں کو ختم کرنے آیا تھا مگر افسوس کہ اب غیر مسلم کہلائے والے  
 تو عمل کے لئے کوشاں ہیں اور ہمارے پاس جھگڑا، بحث، اعتراضات کے سوا اور کچھ باقی نہیں

## ۲۲۔ دین فطرت کا اہمیت

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ

وہ گمراہ کرتا ہے اس سے بہتوں کو اور راہ پر لاتا ہے اس سے بہتوں کو اور وہ بہکانا نہیں  
 بہ اس سے۔ اِلَّا الْفَاسِقِينَ، مگر فاسقوں کو۔

اسے بندگانِ خدا! اس آیت پر صداقتِ قرآن کی بحث ختم ہو گئی۔ ۲۰۔ ۲۱ آیت

میں پیغامِ قرآن بیان کیا گیا۔ ۲۳ تا ۲۵ میں صداقتِ قرآن۔ اور اب ۲۶ میں (۱) ایماندارانہ

طور پر مطالعہ قرآن کا طریقہ کیا ہے؟ (۲) بدنیت اور مخالف لوگ قرآن کا مطالعہ کس طرح

کرتے ہیں؟ آج کی آیت میں فرمایا کہ جو لوگ بدنیتی سے اور غیر فطری طریقہ سے مطالعہ قرآن

کرتے ہیں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں، جو نیک نیتی سے اور فطری طریقہ سے مطالعہ کرتے ہیں،

وہ ہدایت پا جاتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ فرمایا کہ خدا صرف نافرمانوں کو گمراہ کرتا ہے، مطلب یہ کہ

خدا کے قانون میں نافرمانی کی مقررہ سزا یہ ہے کہ وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔ آپ یہاں چند

مثالوں سے فطری دلیل کی حقیقت سمجھ لیں۔ (۱) ایک شخص آپ پر احسان کرتا ہے، اب

آپ فطرۃً اس کا ادب کریں گے۔ احسان کرنے والے کی عزت کرنی چاہئے، یہ فطری

دلیل ہے (۲) قرآنِ خدا نے بنایا یا انسان نے؟ خود قرآن کی ایک سورت بنا کر دیکھو،

اگر یہ انسان کا کلام ہوگا تو دوسرے انسان بھی ایسا کلام بنا لیں گے۔ لیکن اگر قرآن

کے برابر کوئی انسان ایک بھی سورت نہیں بنا سکتے تو خود آپ کی فطرت یہ کہے گی کہ قرآن

انسان کا کلام نہیں ہے (۳) میری زندگی کے تمام وجود کو کس کی غلامی کرنی چاہئے، اس کی

جس نے خود اس وجود کو پیدا کیا ہے۔ چونکہ کسی انسان نے انسان کو پیدا نہیں کیا لہذا یہ فطری

دلیل ہے اس کی کہ انسان کو انسان کی غلامی نہیں کرنی چاہئے۔ قرآن میں اکثر ایسی ہی دلیلیں

دی گئی ہیں، جن کی صحت کا فیصلہ ہر انسان خود اپنی فطری گواہی سے کر سکتا ہے۔

ثمرات قرآن سے محروم ۴۵۔ فاسق کی تعریف مخلوق بے ایمن

۲۷۔ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ ص وَ

جو توڑتے ہیں خدا کا عہد بعد مضبوطی کے اس کی، اور

يَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَ يَفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ

کاٹتے ہیں جو حکم دیا اللہ نے اس کا یہ کہ جوڑا جائے، اور فساد پھیلاتے ہیں زمین میں

أُولَئِكَ يَرَى اللَّهُ هُمُ لُوكٌ - الْخَاسِرُونَ ۵ نقصان اٹھانے والے ہیں

اے بندگان خدا! پچھلی آیت میں فاسق کا لفظ آگیا ہے، اس آیت میں فاسق کی

تعریف کی گئی ہے، یہ آیت قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے

فاسق وہ ہے جو اللہ کے عہد کو مضبوطی کے بعد توڑتے ہیں اور جس چیز کے جوڑنے کا

خدا نے امر کیا ہے اس کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، پس یہی لوگ نقصان

اٹھانے والے ہیں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ فاسق یا اصلی نقصان خور وہ آدمی وہ ہے

جس میں تین نافرمانیاں جمع ہو جائیں (۱) وہ عہد اللہ کو توڑے (۲) وہ امر اللہ کو بھی توڑے

(۳) وہ امن زمین کو بھی توڑے۔ عہد، امر اور امن تین الگ الگ سچائیاں ہیں اور انہی

میں تمام انسانی فائدوں کا راز پنہاں ہے۔ اگر کوئی شخص ان تین میں سے کسی ایک کی

پابندی بھی کر لے تو وہ ضرور فائدہ پاسکتا ہے۔ اس دنیا میں اصل نقصان زدہ انسان وہی ہے

جو ان تینوں کو ترک کر دے۔ عہد اللہ کے توڑنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ فطرت کے اصولوں کی

پیروی نہیں کرتے۔ مثلاً عورت پر اور مرد کا تعلق، یا بیمار پر رحم، یا والدین کا ادب، یہ سب فطری

اصول ہیں مگر وہ کسی فطری اصول پر نہیں چلتے۔ امر اللہ سے مراد شرعی احکام ہیں مثلاً نماز

پڑھو، حج کرو، سو دن لو، وہ ان اصولوں پر بھی نہیں چلتے۔ امن زمین سے مراد وہ قاعدے

ہیں جو انسان خود آپس میں طے کرتے ہیں، وہ انکی پابندی بھی نہیں کرتے۔ اب آپ غور فرمائیے جو

لوگ اپنی فطرت کے اصولوں کی پیروی کریں، نہ شریعت کے اصولوں کی، نہ بلہمی سمجھوتے کی، وہ کیسے نفع حاصل کر سکتے

خاتمہ بحث ۴۶۔ دعوت اسلام سلسلہ زندگی کو یاد دلانے کے

۲۸۔ کَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝  
 کس طرح تم حق نہیں پہچانتے اللہ کا اور تم تھے مردہ پھر اس نے زندہ کیا تم کو پھر  
 وہ مارے گا تم کو پھر وہ چلائیگا تم کو پھر۔ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے

اے بندگانِ خدا! ۲۱ ویں اور ۲۲ ویں آیت میں آپ قرآن کا اصل پیغام سن چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس پیغام کو قبول کرنے کے لئے آپ سے تین باتیں فرمائی ہیں، ایک یہ کہ خدا نے آپ کو پیدا کیا ہے، یہ خدا تعالیٰ کا آپ پر ذاتی احسان ہے، پھر اس نے آپ کے پہلوں کو پیدا کیا ہے، یہ خدا تعالیٰ کا آپ پر نسلی احسان ہے، پھر اسی نے آپ کو زمین و آسمان اور تمام سامانِ زندگی عطا فرمایا ہے، ان سب احسانوں کا بدلہ یہ ہے کہ آپ قرآن کے قانون کی پیروی کریں (۲) لیکن اگر آپ کو قرآن کے قانون خدا ہونے میں شک ہے تو پھر سب انسان مل کر کوئی اس جیسی سورت بنانے کی کوشش کریں، اس سے یہ بھی شک دور ہو جائیگا۔ اب آخری بات جو آج کی آیت میں بیان کی گئی، یہ ہے کہ آپ اس سلسلہ زندگی کو دیکھیں کہ کس طرح اس میں وقت بہ وقت تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں، پہلے آپ مردہ تھے، پھر اس نے آپ کو زندہ کیا۔ اس زندگی کے بعد آپ پھر مر جائیں گے، مگر یہ موت بھی آخری نہیں ہے، اس کے بعد آپ پھر زندہ ہوں گے اور اس کے سامنے حاضر کئے جائیں گے تاکہ وہاں اپنے عملوں کا حساب دیں اور بتائیں کہ آپ نے قانونِ خدا کی اطاعت کی تھی یا ناسوا کے قانون کی؟ جب آپ کی زندگی کا اول اور آخر سب خدا کے ہاتھ میں ہے تو پھر آپ کیسے خدا کے بادشاہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اے بندگانِ خدا! آپ زندگی اور موت کے اس چکر کو سمجھیں اور خدا کو اپنا حقیقی بادشاہ سمجھ کر اسی کے قوانین و احکام کی پیروی کریں۔



تمہید خلافت ۳۷۔ انسانی زندگی کی تنظیم انسان کی تقدیر

۲۹۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ

وہی جس نے بنایا تمہارے جو کچھ زمین میں ہے سب۔ پھر قصد فرمایا

رَآئِي السَّمٰوٰتِ فَتَسْوٰی هُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

طرف آسمان کے پس درست کیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے

اے بندگان خدا! اس ۲۹ ویں آیت سے بحث کا سلسلہ پھر بدلتا ہے۔ یہاں بتایا

جائیگا کہ انسانی زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ اس زندگی کی تقدیر کیا تھی؟ یہ زندگی کیونکر اٹھی

کیونکر گری؟ پھر کیونکر سنبھلی؟ اور انسان کو اپنی پوری تقدیر پر قبضہ پانے کے لئے خدا

کے قانون کی اطاعت کس قدر ضروری ہے؟ ۲۱ ویں آیت میں خدا تعالیٰ نے آپ پر اپنی

منشاء ظاہر فرمادی ہے کہ آپ اسی کے قانون کی پیروی کریں اور غیر طاقتوں کے قوانین کو ٹھکرا

دیں۔ آپ پوچھیں گے کہ ہم ایسا کیوں کریں؟ اب ۲۹ ویں آیت میں عقلی اور تاریخی حیثیت

سے اسی راز کو بے پردہ کیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسانی زندگی کی دو تقدیریں ہیں، انسان

کا ایک حصہ وہ ہے جو اسے زندگی میں ملتا ہے، دوسرا حصہ وہ ہے جو اسے موت کے

بعد ملیگا۔ پس ہر ایک شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ میرے لئے دو بہان ہیں جن کی نعمتوں پر

مجھے قبضہ کرنا ہے۔ یہ قبضہ اُسے صرف اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ سب لوگ ماسوا کے

قوانین کو ٹھکرا کر انسانی غلامی سے آزاد ہو جائیں اور خدا کے قوانین پر چل کر خدا کی ان

سلطنتوں پر جو اس نے انسان کے لئے پیدا کی ہیں، قبضہ کر لیں۔

اے بندگان خدا! آیت کہتی ہے، هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا۔ خدا تعالیٰ نے

جو کچھ بھی زمین میں پیدا کیا ہے، وہ سب آپ کیلئے ہے۔ صرف یہی نہیں، ثُمَّ اسْتَوَىٰ رَآئِي السَّمٰوٰتِ

فَسَوَّىٰ هُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ ”ثُمَّ“ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کے لئے زمین کی سب دولتیں پیدا

کرنے کے بعد خدا نے آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی۔ اور سات آسمان بنا دیئے یہ وہ مملکت ہے جو

موت کے بعد آپ کو ملیگی۔ ان دونوں تقدیری سلطنتوں کو حاصل کرنیکی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ آپ خدا

کے قوانین پر چلیں۔ اسی کا نام خلافت ہے۔

اعلانِ خلافت ۳۸۔ انسانی زندگی کی تنظیم انسان کا مقام

۳۹۔ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط

اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے کہ میں بنائوں اللہ پر زمین میں ایک خلیفہ

اسے بنندگانِ خدا! پہلی آیت میں بتایا گیا کہ وہ دو ملک ہیں جن پر آپ نے قبضہ

کرنا ہے، ایک ملک پر اپنی موجودہ زندگی میں اور دوسرے پر موت کے بعد۔ ۲۹ ویں آیت

میں کہا گیا ہے کہ جب خدا نے آپ کے لئے زمین کی تمام دولتیں بنالیں اور اس کے بعد

آسمانوں کی طرف متوجہ ہو کر ایک اور نئی دنیا بھی آپ کے لئے بنا ڈالی تو اس کے بعد اس نے

فرشتوں سے کہا میں نہیں میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہ انسانی زندگی کے آغاز کا پہلا

اعلانِ تھا، اس اعلان میں انسان کو جو درجہ دیا گیا، وہ حاکم کا نہیں بلکہ خلیفہ کا ہے

قرآنی تعالیم کے مطابق حکومت یا بادشاہی کا حق صرف ایک خدا کو ہے، کسی بھی انسان یا

انسانی جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود قانون بنائیں اور اپنے جیسے انسانوں کو ان

احکام پر چلنے کا حکم دیں، اول اس لئے کہ انسانوں کا علم ناقص ہے، اس لئے ان کے

بنائے ہوئے قوانین ہمیشہ نقص، تبدیلی اور ابتری کا ذریعہ بنے رہیں گے۔ دوم اس لئے

کہ کبھی کوئی انسان کمزوریوں سے پاک نہیں ہو سکتا، اس واسطے ان کے بنائے ہوئے

قانونوں میں بھی ظلم، رعایت اور کمزوریاں بہر حال موجود رہیں گی۔ چونکہ خدا کی رحمت کو

یہ منظور ہی نہیں تھا کہ انسانوں کو حاکم اور محکوم میں تقسیم کیا جائے، اس واسطے اس نے

انسان کو حاکم کا درجہ نہیں دیا، بلکہ خلیفہ ہونے کا درجہ دیا ہے۔ خلیفہ کا مطلب یہ ہے

کہ بندوں کا پادشاہ خدا ہے، اور انسان زمین پر اس کا نائب ہے۔

اسے بنندگانِ خدا! چونکہ زمین میں آپ کا درجہ حکومت نہیں بلکہ خلافت ہے، اس واسطے

آپ یہ اچھی طرح سمجھیں کہ خدا کی نیابت یا خلافت کا مطلب کیا ہے؟ خلافت توحید کا

لازمی نتیجہ ہے۔ خلافت کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی محدود طاقتوں کے مطابق زمین میں خدا کی نقل کرے۔ یعنی انسان اپنی طاقت کے مطابق اپنے اندر خدا کی صفتیں جذب کر لے اور پھر ان سے زمین میں کمالیہ خدا کے پاک رحیم یعنی رحم کرنے والا ہے۔ عادل یعنی انصاف کرنے والا ہے، حکیم یعنی حکمت و دانائی کا مالک ہے، حلیم یعنی بردبار ہے۔ مالک الملک یعنی ملک کا حاکم ہے۔ مدبر امر یعنی مخلوق الہی کا انتظام کرنے والا ہے، موجد و صانع یعنی ایجاد کرنے والا اور بنانے والا ہے، پس ہر ایک انسان کو اسی طرح اپنے مالک کی پیروی میں رحم دل، عادل، دانا، دانش مند، بردبار، موجد اور صانع ہونا چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے آپ میں سے ہر ایک شخص کو اپنے حلقہ عمل میں خلافت اور اختیار دیا ہے۔ جس طرح بادشاہ کو اپنی رعایا کے ساتھ نیک سلوک کرنا لازم ہے، ٹھیک اسی طرح ہر ایک انسان کو اُس تمام مخلوقات کے ساتھ جسے حکم خدا نے اُس کو محکوم بنا دیا ہے، نیک سلوک کرنا چاہیے۔ انسانی کمال کا آخری درجہ یہ ہے کہ ہر انسان خلافت کا درجہ حاصل کرے۔ یعنی اپنے آپ کو خدا کے رنگ میں رنگ دے۔ خدا کے پاک کسی کا غلام نہیں، انسان بھی خدا کے سوا کسی کا غلام نہ ہو۔ خدا انسانوں کے بہت سے عیبوں کو ڈھانتا ہے، انسان بھی اپنے بھائیوں کے عیب پر پردہ ڈالے اور غیبت نہ کرے، خدا اپنے بندوں پر ہمیشہ بڑے بڑے احسان کرتا ہے، بند سے بھی ایک دوسرے پر احسان کریں۔ کائنات کی ہر چیز پر خدا کی حکومت ہے، انسان بھی حکم خدا کے مطابق زمین پر حکومت کرے۔ خدا تعالیٰ عجیب و غریب چیزیں ایجاد کرتا ہے، انسان بھی اپنی حد میں اسی طرح موجد اور صانع بنے۔ اب ہر شخص کو غور کرنا چاہیے، کیا وہ زمین میں خدا کے رنگ سے رنگین ہے؟ اگر نہیں ہے تو آؤ، اُس کے لئے کوشش کریں اور اپنے درجہ کو پہچانیں۔

مشکلات خلافت ۲۹۔ انسانی زندگی کی تنظیم اختیار کا بے محل استعمال

قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ

انہوں نے کہا کیا تو بنا بیگا اس میں جو فساد مچائے اس میں اور بہائے خونوں کو

وَلَنَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ بِمَعْدِنَا كَمَا كُنَّا

اور ہم پاک کہتے ہیں ساتھ تعریف کے بھلو اور بے عیب کہتے ہیں بھٹھو کو

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ

بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا، کیا تو زمین میں وہ خلیفہ بنا بیگا جو اس میں فساد مچائے

اور خون بہائے۔ حالانکہ ہم ہر وقت تیری تعریف کے گیت گاتے رہتے ہیں۔ فرشتوں کے

جواب کا مطلب یہ تھا کہ خلافت تو بے شک بن جائیگی مگر انسانوں کے خون اور فساد کا حل

کیا ہوگا؟ آیت کی تشریح کے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ قرآن نے ۲۹ سے ۳۹

آیت تک دس جملوں میں حضرت آدم کی خلافت کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جس طرح

کسی درخت کے بیج میں اس درخت کی پوری تصویر اور تاریخ موجود ہوتی ہے، اسی

طرح پیدائش آدم سے قیامت تک کی انسانی دنیا کی پوری سیاسی تاریخ ان دس جملوں

میں موجود ہے۔ اگر آپ ان دس آیتوں کو تسلی کے ساتھ سمجھ لیں تو ایسا ہوگا کہ گویا آپ نے

تمام انسانی تاریخ کو سمجھ لیا۔

اسے بندگان خدا! ایک دفعہ پھر شروع سے یہ واقعہ دیکھئے۔ سب سے پہلے خدا نے

وہ ملک اور وہ خزانہ بنایا جو انسان کے لئے مقرر تھا، هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِمَّا فِي الْاَرْضِ

جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَاوَاتِ فَسَوَّاهُنَّ۔ خدا کی یہ ساری زمین اور اس کے اندر جو

کچھ بھی ہے، وہ سب آپ کا ہے اور آپ کے بھائیوں کا ہے، صرف یہی نہیں، وہ یہ سب

کچھ بنا دینے کے بعد پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے سات آسمان بنا دیئے۔

اس میں خدا کا یہ اشارہ ہے کہ میں اپنے جنسِ نائِب کو پیدا کر رہا ہوں، اگر وہ میرے قانون کی پابندی کرے گا تو زمینی دولتوں کے علاوہ آسمانوں کے سات درجے اور سات بلندیوں بھی اسی کی ہیں۔ جب زمین و آسمان کا نظام پیدا ہو چکا تو اس نے خلافت کا اعلان کیا اور فرشتوں سے فرمایا "اے فرشتو! میں زمین میں اپنا نائِب پیدا کرنے والا ہوں۔" اس آیت نے اس بات پر مہر لگا دی کہ ہر انسان کائناتِ عالم میں خدا کا نائِب ہے۔ اب آگے چلئے، جب یہ بات فرشتوں نے سنی تو کہنے لگے "اے خدا! کیا تو زمین میں اُس کو اپنا نائِب بنائے گا جو خون اور فساد کرے، حالانکہ ہم ہر وقت تیری حمد کرتے رہتے ہیں۔" اس سے کئی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

اول۔ سیاسی طاقت کتنی بڑی چیز ہے۔ اگرچہ فرشتوں میں اعلیٰ جذبات اور اطاعت کے سوا اور کچھ موجود ہی نہیں ہے، تاہم اُن کے جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی سیاسی طاقت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ دوم۔ انسانی سیاست میں سب سے کڑوی چیز نامزدگی ہے۔ خدا نے آدم کو خلافت کے لئے نامزد کیا تو فرشتوں نے سوال اٹھا دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر خود خدا بھی کسی شخص کو کسی سیاسی عہدے پر نامزد کرے گا تو فرشتے بھی جو اطاعت کے سوا اور کچھ نہیں جانتے ہیں، اس پر ضرور سوال اٹھائیں گے۔ سوم۔ زمینی سیاست کا سب سے مشکل پہلو خون، فساد اور بدامنی کی روک تھام ہے۔ چنانچہ اُس وقت جبکہ پہلا خلیفہ بنایا جا رہا ہے، فرشتوں نے کہہ دیا کہ ان چیزوں کا کیا انتظام ہوگا؟ اس کہانی سے ثابت ہوا کہ زمینی سیاست اور خلافت میں اصلی مشکلات تین ہیں۔ ایک یہ کہ ہر شخص سیاسی طاقت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ دوم یہ کہ نامزدگی اور انتخاب کا سوال کیونکر حل ہو؟ سوم یہ کہ زمین کے اندر خون، فساد اور بدامنی کی مشکلات پر کیونکر قابو پایا جائے؟

مصالح خلافت ۵۔ انسانی زندگی کی تنظیم رازداری اور مقابلہ

قَالَ إِنِّي أَنشَرْتُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

خدا نے کہا تحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

اے بندگان خدا! جب خدا تعالیٰ نے طے کر دیا کہ انسان زمین میں میرا نائب اور خلیفہ

ہوگا تو اس وقت کی بہترین نوری مخلوق نے انسانی زندگی اور انسانی اقتدار کا وہ پہلو

پیش کیا، جو سب سے زیادہ کمٹھن، دردناک اور قابل نفرت تھا۔ فرشتوں نے کہا،

تمام انسان جب اپنی اپنی فطرت کے اندر سے، خودی کی یہ آواز سنیں گے کہ ہم خدا کے

نائب ہیں تو پھر وہ سب ضرور آپس میں ٹکرا جائیں گے اور اس سے زمین میں فساد اور

خونریزی شروع ہو جائیں گے۔ یہ زندگی کا ایک پہلو تھا۔ اسی کے ساتھ فرشتوں نے زندگی

کا دوسرا پہلو بھی پیش کیا اور یہ کہا کہ اے خدا! ہماری طرف بھی دیکھنا چاہئے۔ ہم ہر وقت

تیری حمد اور تعریف میں لگے رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسانی زندگی شروع

ہو رہی تھی تو اس وقت زندگی کے دونوں پہلو زیر نظر تھے۔ جنگ اور فساد کا پہلو بھی اور

حمد و ثنا کا پہلو بھی، زندگی کی حیوانیت بھی سامنے تھی اور زندگی کی ملائکت بھی سامنے

تھی۔ فرشتے یہ کہتے ہیں کہ انسان کو اس قدر بڑا اور جہ تو دیا جا رہا ہے مگر اس کی خودپرستی،

نفسانیت، فساد، خود غرضی، خونریزی اور کبر و غرور کا علاج کیا ہوگا؟ خدا تعالیٰ نے اس

کے جواب میں انسانی زندگی میں فساد اور خونریزی کے وجود سے انکار نہیں کیا بلکہ صرف

یہ کہا ہے کہ "اے ملائکہ، جو کچھ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے؟" آپ اس جواب کی نوعیت

پر غور کیجئے، آپ کو اعلان نامزدگی، مشکلات امن اور سوال و جواب کی یہ خاص نوعیت

ایسی ہی معلوم ہوگی جیسی کہ آپ روزمرہ پارلیمنٹوں میں دیکھتے ہیں۔ اس جواب کا ظاہر ہے

کہ سیاسیات میں رازداری اور مصلحت کس قدر اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس

جواب کا مطلب یہ تھا کہ یہ فساد اور خونریزی کا پہلو جسے تم پیش کر رہے ہو، میرے علم میں اور میری مصلحت کے ماتحت ہے اور اس کا علاج اور نتیجہ بھی میرے علم میں ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ علم اور مصلحت کیا ہیں؟ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دنیا کی ہر پیدائش کے دو پہلو ہیں۔ جس طرح انسان میں نیکی اور بدی دونوں قسم کی قوتیں ہیں۔ اسی طرح قدرت کی پیدائش کی ہوتی تمام چیزوں میں خیر اور شر کے دونوں پہلو موجود ہیں اور انہیں انسان اچھے یا برے طور پر استعمال کر سکتا ہے، مثلاً انسان، زبان سے گالی، غیبت اور جھوٹ بھی کہہ سکتا ہے اور محبت، نصیحت، علم اور سچائی کے الفاظ بھی ادا کر سکتا ہے، اسی طرح دل کو نیک، اعلیٰ اور دانائی کے خیالات کا ٹھکانا بھی بنایا جا سکتا ہے اور اس کے برخلاف اس میں دغا، فریب، بدی اور کینہ بھی بھرا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آپ لکڑی لوہے وغیرہ سے اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے بہترین ہتھیار، برتن اور اوزار بھی تیار کر سکتے ہیں اور اسی لوہے لکڑی سے قتل و غارت، ڈاکہ اور چوری میں بھی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ سنگھیا اور تیزاب سے بڑے بڑے مفید کلم بھی لے سکتے ہیں اور شہد و شکر جیسی مفید و لذیذ چیزوں کو بے موقع استعمال کر کے بلاکت کا سامان بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ فساد کی طاقت نہ ہاتھ میں ہے اور نہ تلوار میں بلکہ انسان کی استعمال کرنے والی طاقت میں ہے۔ فرشتوں میں تو سرے سے گناہ کر سکنے کی طاقت ہی نہیں ہے اس واسطے وہ بغیر کسی رکاوٹ، ہمت، بخت، محنت اور مقابلہ کے نیکی اور برائی کا اظہار کر سکتے ہیں، لیکن انسان کے سامنے شہوت، غصہ، لذت، گناہ، بھوک، پیاس، تندر، مقابلہ باہمی کے ہزاروں پتھر موجود ہیں۔ اگر آپ انہیں طے کر کے پھر نیکی اور نکال کر چوٹی پر پہنچ جائیں تو آپ فرشتوں سے بہت زیادہ نیا مٹا الہی کے حق وار ہو سکتے ہیں۔ مصلحت الہی بھی یہی تھی کہ انسان مشکلات کے سمندر سے نکل کر درجہ نیکی کو حاصل کرے

ذریعہ قیامِ خلافت ۵۔ انسانی زندگی کی تنظیم انسان کی علمی طاقت

۱۔ وَ عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

اور اُس نے سکھائی آدم کو نام سارے

اسے بندگانِ خدا! خلافت کے معنی اور خلافت کی مشکلات بیان کی جا چکیں

آپ ایک دفعہ پھر ان چیزوں کو صاف طور پر سمجھ لیں۔ خلافت الہی کا مطلب وہ

اختیارات ہیں جو خدا تعالیٰ نے آپ کو دیئے ہیں، یہ اختیارات نہ جمادات کو دیئے گئے

ہیں، نہ نباتات کو، نہ چاند اور سورج کو، نہ حیوانات کو، نہ ملائکہ کو، یہ صرف انسان کو

دیئے گئے ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں خاص حدود کے اندر زمین میں جو چاہے کرے، جب

انسان کو یہ اختیارات ملے تو یہ کہا گیا تھا کہ وہ اللہ کے رنگ میں رنگا جائے اور اپنی طاقت

کے مطابق اپنے اندر علم، رحمت، عدل، انتظام، حکومت، ایجاد وغیرہ خدائی صفات پیدا کر کے

زمین میں بسے اور خدا کی ان نعمتوں اور خزانوں سے پورا فائدہ اٹھائے جو اُس نے زمین میں اس

کے لئے جمع فرما دیئے ہیں، ایسی زندگی کی راہ میں مشکلات دو ہیں، ایک یہ کہ آپ کو نیکی کے

علاوہ بدی کرنے کا اختیار بھی ہے، مثلاً زبان آپ کے قابو میں ہے، آپ اس سے جھوٹ

بھی بول سکتے ہیں اور سچ بھی۔ اب مشکل یہ ہے کہ جب بھی آپ جھوٹ بولیں گئے آپ

درجہ خلافت سے گرجائیں گے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ ہی کی طرح، دنیا کی ہر ایک

چیز میں نیکی اور بدی کے استعمال کی گنجائش ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جب آپ روٹی پکانا

چاہیں تو آگ جل پڑے لیکن اگر آپ کسی غریب کے گھر کو پھونکنا چاہیں تو وہ بچھ جائے

مختر یہ کہ جب بھی آپ اپنی طاقتوں یا دنیا کی چیزوں کو بے محل استعمال کرتے ہیں تو

اسی وقت دنیا میں ظلم، فساد، گناہ اور بدامنی پیدا ہو جاتی ہے اور آپ فوراً ہی نامناسب

خدا کے درجہ سے گرجاتے ہیں۔ زندگی کا یہی پہلو خلافت کے راستے میں اصل روک ہے



اسے بندگان خدا یہاں آپ پوچھیں گے، پھر کیا ہو کہ انسان غصہ، شہوت، بھوک، پیاس، غرور، نفسانیت، خود غرضی، نیند، تھکان، دولت، طاقت، حکومت، ہتھیار، زر و مال، اولاد، سامان وغیرہ رکادلوں کے باوجود اللہ کے رنگ میں رنگا جائے اور زمین کے اندر اپنے اختیارات کو صحیح استعمال کرے؟ آج کی آیت اسی سوال کا جواب ہے، خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ جس انسان کو میں زمین میں اپنا نائب بنا رہا ہوں، اس کو یہ مشکلات پیش ہونے والی ہیں، پس، اس کریم کارساز نے ان کا علاج بھی کر دیا، وہ علاج یہ تھا،

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا، اُس نے آدم کو علم پڑھایا تمام چیزوں کے ناموں کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اختیارات مل جانے کے باعث جتنی بھی مشکلات پیش آسکتی ہیں، ان سب کا حل "علم" ہے۔ کونسا علم؟ منطق نہیں، فلسفہ نہیں، صرف و نحو نہیں، بلکہ وہ علم جس میں چیزوں کے نام معلوم کرنے کی ضرورت پڑے۔ یعنی عملی، صنعتی اور تجارتی، طبی اور کیمیائی، طبیعی اور مادی علوم۔ یہاں یاد رکھئے کہ کوئی قوم جتنی زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے، اسے اتنے ہی زیادہ چیزوں کے نام یاد ہوتے ہیں۔ زمانہ جہالت کے آدمیوں کو صرف چند اوزاروں یا چیزوں کے نام یاد ہوتے تھے لکڑی، لباس، غذا، سائنس، صنعت، طب، اعضائے جسمانی، آلات جنگ کے سلسلے میں اس قدر نئے نئے نام نکل آئے ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں ہو سکتا۔ جو قوم جتنا زیادہ ان علوم کی طرف توجہ کرے گی، وہ زمین میں خدا کی طرف سے اسی قدر زیادہ اختیارات کی مالک ہوتی جائے گی۔ زمین میں مالک اختیار ہونے کے لئے عملی صنعت، سائنس، جنگ، بحری، برقی اور ہوائی طاقتوں کے علم کی ضرورت ہے اور پھر انسانوں میں عدل اور امن کو قائم کرنے کے لئے اخلاقی، روحانی اور دینی علموں کی ضرورت ہے۔ پھر حال زمینی خلافت کے راستے کی مشکلات کا حل یہ ہوا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو مادی علم سکھا دیا۔

مقابلہ خلافت ۵۲۔ اسلامی زندگی کی مقولیم بے علمی میں پیمانہ زندگی

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

پھر پیش کیا ان کو فرشتوں پر پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو

قَالُوا نَسْجَانِكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

فرشتے بولے تو پاک ہے نہیں علم، ہم کو مگر جتنا سکھایا تو نے ہم کو بیشک تو علم والا حکمت والا

(ترجمہ) خدا نے حضرت آدمؑ کو سب چیزوں کے نام سکھادیئے، پھر انہیں فرشتوں کے

سامنے کیا اور فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا، اے خدا! تو پاک

ہے، ہم کو تو اسی قدر علم ہے، جتنا تو نے سکھایا، اعلیٰ علم والا اور حکمت والا تو ہی ہے۔

اے بندگان خدا! جب خدا نے انسان کو اختیار کیا تو اسے زمین اپنا

نائب بنا دیا تو فرشتوں نے کہا، اے خدا! یہ انسان تیرے رنگ میں رنگیں ہو کر کس طرح

زمین کی بادشاہی کرے گا، جبکہ اس کی بناوٹ میں حیوانیت، غصہ، انتقام اور

خودپرستی وغیرہ چیزیں موجود ہیں، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ یہ ذرا بھی سرکشی نہ کر سکتا،

جیسے کہ ہم ہر وقت تیری حمد و تعریف میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جواب دیا، اے

ملائکہ! جو کچھ نہیں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ فرشتوں کا مطلب یہ تھا کہ قانون خدا کی

ایسی اطاعت، جو انسان کو خدا کے رنگ میں رنگ دے، انسان کو کیسے میسر ہو سکتی

ہے؟ اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ انسان، خدا کے عدل، رحمت، پردہ پوشی، حلم، علم

اور حکمت کی تصویر بن کر زمین میں راج کرے گا؟ لیکن خدا تعالیٰ کی حکمت کچھ ابد

تھی، اس نے آدم کی فطرت کو علمی طاقت دی جس سے اس میں دو قسم کی قابلیتیں

پیدا ہو گئیں، اول یہ کہ وہ جمادات، حیوانات اور نباتات کی مخفی طاقتوں سے کام لیکر

تمام زمین پر تصرف کرنے کے قابل بن گیا۔ دوم یہ کہ اس کی ذاتی اور دوسری آفاقی طاقتوں

کے غلط استعمال سے جو شر کا پہلو پیدا ہو سکتا تھا، وہ اس سے بھی باخیر ہو گیا اور اس قابل بن گیا کہ وہ حیوانی اثر اور بدی کے پہلو پر غالب آکر خدا کے رنگ میں رنگین ہو سکے۔ مختصر یہ کہ حضرت آدم کو علمی طاقتوں سے مسلح کر کے فرشتوں کے سامنے لایا گیا، وہ صرف اتنا ہی جانتے تھے جو خدا نے انہیں بتایا تھا، کیونکہ وہ بغیر کسی ہمت و محنت اور ایجاد و اجتہاد کے محض خدا کی بخشش سے قبولیت کے درجہ کو پہنچے تھے۔ خدا نے فریقین کے سامنے چند سوالات یا نام رکھے، حضرت آدم نے اپنی علمی قوت سے ان کے نام بتا دیئے مگر فرشتے نہ بتا سکے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف اسی قدر باتیں جانتے ہیں جتنی کہ خدا نے ہم بتائی ہیں۔ یہ اس امر کا اقرار تھا کہ فرشتوں کے پاس جو علم تھا، ترقی خیز نہیں تھا۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کی زندگی کی بنا اس بات پر ہے کہ اس کے پاس ترقی کرنے والا علم ہو (یعنی علم ایجاد) اور وہ دوسری طاقتوں کے مقابلے میں اپنی علمی برتری کا ثبوت دیتا ہے۔ غور کیجئے کہ قرآن کا یہ سبق کتنا قیمتی ہے۔ آج اہل یورپ صرف اس لئے زمین پر چھائے ہیں کہ ان کے پاس ترقی کرنے والا علم ہے اور وہ اپنی اس علمی طاقت سے روز بروز نئی نئی چیزیں ایجاد کر رہے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ آیت بتاتی ہے کہ پہلے دن انسان کو جو برتری ملی تھی، وہ علمی مقابلہ کی وجہ سے ملی تھی۔ جب تک کئی گروہ علمی مقابلے میں دوسرے گروہ پر غالب نہیں آئے گا، اس کو سیاسی برتری بھی کبھی حاصل نہیں ہوگی۔ حضرت آدم جب فرشتوں کے پر علمی مقابلے میں کامیاب ہوئے تو ان کا عہدہ مسلم ہو گیا۔ آپ بھی جب علمی مقابلے میں اپنی ہستی تسلیم کرالیں گے تو زمین پر نصرت و اقتدار کے حق وار ہو جائیں گے۔ اے خدا! ہمیں علم عطا فرما، ہماری جہالت کو دور کر دے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم پیدائش سے موت تک علم حاصل کرنے میں مصروف رہیں۔

## فیصلہ خلافت ۵۳۔ انسانی زندگی کی تنظیم علمی برتری کی جہت

۳۳۔ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْ هَٰؤُلَاءِ بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ

فرمایا اے آدم بتا دے ان کو نام ان کے پس جب اس نے بتائے ان کو

بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ قَالَ لَا لَكُمْ مِنْهُ لَقَدْ رَأَىٰ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

نام ان کے، فرمایا کیا نہ کہتا تھا میں تم کو تحقیق میں جانتا ہوں غیب آسمانوں

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ كَاذِبُونَ ۝

اور زمین کا اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو ہوتے چھپاتے

مطلب یہ کہ جب فرشتوں سے چیزوں کا نام نہ بتائے گئے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا اے

آدم تم نام بتا دو۔ جب اُس نے بتا دیئے تو پھر خدا نے فرشتوں سے فرمایا، کیا میں نے

تم کو نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہوں اور جو کچھ تم چھپاتے یا

ظاہر کرتے ہو، وہ بھی جانتا ہوں۔

اسے بندگان خدا! آپ تھوڑی دیر کے لئے آدم اور ملائکہ کا نام الگ رکھ لیں اور

اس واقعہ سے جو اب تک بیان ہوا، صرف یہ سمجھیں کہ انسانی زندگی کا اصل معاملہ کیا ہے

پچھلی آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ اس نظام عالم کو بے شمار دولتوں کے ساتھ

پیدا کر چکا تو سوال پیدا ہوا کہ کسی جماعت کو صرف زمین کے اختیارات دے کر اسے

زمین میں خدا کا نائب مقرر کر دیا جائے تاکہ وہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے۔ خدا نے

اپنی حکمرانی سے اس کے لئے ایک جماعت کو نامزد کر دیا۔ اس پر ایک دوسرا گروہ سامنے

آیا اور کہنے لگا، اے خدا! جب یہ حقیقت ہے کہ تیرے خزانوں سے وہی جماعت فائدہ

اور آرام حاصل کر سکے گی جو تیرے حکم پر چلے گی، تو ہماری طرف دیکھ، ہم میں تو تیری نافرمانی

کا مادہ ہی نہیں ہے۔ اب رہی دوسری جماعت تو اس میں نافرمانی کا مادہ صاف موجود ہے

پھر ایسی فسادی اور خونخوار جماعت تیری نیابت کا حق کیسے ادا کرے گی؟ اس کے بعد حصول خلافت کے لئے دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہوا جن میں ایک جماعت کی خوبی یہ تھی کہ اُس میں سرے سے خدا کی نافرمانی کا کوئی مادہ موجود نہیں تھا مگر نقص یہ تھا کہ اس کے پاس اتنا ہی علم تھا جتنا کہ خدا نے اس کو دیا تھا، وہ اپنی علمی طاقت کو خود بڑھا نہیں سکتی تھی۔ دوسری جماعت میں نقص یہ تھا کہ اُس میں نافرمانی کا مادہ بھی موجود تھا اور اس کے ساتھ ہی گناہ، خود غرضی، غصہ، شہوت، بھوک، پیاس، اولاد، مال، دولت وغیرہ کئی قسم کے دھندے بھی لگے ہوئے تھے مگر خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی علمی طاقت کو بڑھا کر ان تمام نقصوں پر قابو پاسکتی تھی۔ ان دونوں جماعتوں کو خدا تعالیٰ نے زمین کے امن و انتظام اور خلافت و حکومت کے متعلق چند سوال دیئے۔ جس جماعت کے پاس ترقی کرنے والا علم نہیں تھا، وہ ان سوالات کو دیکھ کر حیران رہ گئی اور اس نے لکھ دیا اے خدا! ہم کو اتنا ہی علم ہے، جتنا تو نے دیا، لہذا ہم ان معاملات کو چل نہیں کر سکتے۔ دوسری جماعت کے پاس چونکہ ترقی کرنے والا علم تھا، اس واسطے اس نے اپنی کمزوریوں پر بھی قابو پایا اور جن معاملات کو خدا نے پیش کیا تھا، ان کا حل بھی بتا دیا۔ خدا نے دونوں جماعتوں کے پرچے دیکھے تو پہلی جماعت سے فرمایا، تم زمین پر میری نیابت کرنے کے قابل نہیں ہو۔ اس سارے واقعہ سے سبق یہ نکلا کہ زمین کی خلافت کے متعلق جب بھی دو طاقتوں میں جھگڑا ہوگا تو اس میں وہ لوگ کامیاب نہیں ہونگے جو مقدس بنے ہوئے رات اور دن صرف زبان سے اللہ اللہ تو کرتے رہتے ہیں مگر زندگی کے نئے نئے مسائل کو حل کرنے کی علمی اور عملی طاقت نہیں رکھتے بلکہ خلافت زمین انہی لوگوں کو ملے گی جو اپنے علم کو بڑھا کر ان طاقتوں پر قبضہ کر لیں جو ہوا، پانی، زمین، آسمان کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ آؤ، ترقی کرنے والا علم حاصل کریں۔ کوئی قوم علم کے بغیر عزت نہیں پاسکتی۔

قیام خلافت ۵۴۔ انسانی زندگی کی تنظیم علم ایجاد

۳۴۔ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَ سَجَدُوْا

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو واسطے آدم کے پس انہوں نے سجدہ کیا

اسے بندگان خدا! جب انسانی زندگی شروع ہوئی تو اس وقت پہلا سوال یہی سامنے

آیا کہ زمین میں نیابت الہی کا اختیار کس کو دیا جائے؟ فرشتوں نے کہا، ہم کو۔ کیونکہ ہم

خدا کی حمد اور تعریف کرتے ہیں اور ہر وقت خدا خدا کرتے رہتے ہیں۔ آدم علیہ السلام نے

علمی اور عملی قابلیت کا ثبوت دیا۔ علم اور یاد خدا دونوں میں سے کسی ایک پر فرشتوں کا

امتحان کیا جاسکتا تھا۔ مگر خدائے حکیم نے علم کو سامنے رکھ کر مقابلہ کرایا، یاد خدا پر مقابلہ

نہیں کرایا۔ اس میں ایک عجیب سبق موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین کے امن و

انتظام کا تعلق علم سے ہے نہ کہ لفظی یاد خدا سے۔ اگرچہ فرشتے رات اور دن خدا کی تعریفیں

کرتے تھے لیکن مقابلہ خلافت کے وقت ان کے اس عمل کو کچھ بھی وزن نہیں دیا گیا۔ یہ

اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کی سیاست اور خلافت کا تعلق علم سے ہے۔ تسی پھر نے

سے نہیں ہے۔ پھر مقابلہ کے بعد ملائکہ کو جو ہر وقت یاد خدا میں مصروف رہتے تھے، حکم

ہوا کہ وہ آدم (علم) کو سجدہ کریں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کی بزرگی، بڑائی اور

امامت کا انحصار علم پر ہے اور علم ایک ایسی طاقت ہے جس سے انسان اس قابل بن

سکتا ہے کہ فرشتے بھی اس کے سامنے جھک جائیں۔ اس وقت فرشتوں کی جماعت

خدا تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز اور مقبول تھی، جب فرشتوں نے علم کو سجدہ کر

دیا تو سمجھئے کہ ان سے کتر مخلوق بھی علم کے سامنے سجدہ رہنے ہو گئی۔ جس سے ثابت ہوا

کہ خدا کی مخلوق میں علم سب سے بڑی طاقت ہے۔ انسان کی بزرگی کی بنیاد علم ہے

بادشاہت کی بنیاد علم ہے، نیابت و خلافت الہی کی بنیاد علم ہے، علم کا درجہ یاد خدا

سے بھی اونچا ہے۔ وہ لوگ جو رات اور دن صرف زبان ہلا کر خدا کا نام لیتے رہیں اور فرشتوں جیسی پاک اور بے عیب زندگی بسر کریں، وہ بھی علم کے بغیر انسانیت کا اعلیٰ درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ فرشتوں کی موجودگی میں انسان بنایا گیا تھا، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو بنانے کی غرض یہ نہیں تھی کہ وہ صرف زبان سے خدا کی تعریف کرتا رہے بلکہ غرض یہ تھی کہ وہ علم کے درجے کو سمجھے اور علم کے ذریعہ سے خدا کی مخفی رحمتوں اور نعمتوں کو بے نقاب کر دے۔ اگر زندگی کا مقصد صرف یاد خدا ہوتا تو یہ چیز فرشتوں کو پہلے سے حاصل تھی۔ ان کی موجودگی میں انسان کو نہ بنایا جاتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کا مقصد حیات یہ تھا کہ اس کے ذریعے سے علم کے معجزات ظاہر ہوں۔ وہ تو میں جو علم کی طرف توجہ کرتی ہیں، وہ خدا کے راز کو پالیتی ہیں، قدرت کے مخفی خزانوں پر قابض ہو جاتی ہے اور علم کی بدولت ایسا درجہ حاصل کر سکتی ہیں جو فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ افسوس کہ ہم لوگ علم کے نہ ہونے سے روز بروز گرتے جا رہے ہیں۔ آپ اگر نیابت الہی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو علم کی طرف توجہ کیجئے۔ علم کا اصلی خزانہ قرآن پاک ہے، جب آپ قرآن کی روشنی میں ہر قسم کی علمی طاقتیں حاصل کرینگے تو آپ کو یاد خدا کا ثواب بھی حاصل ہوگا اور خدا کی نیابت کا درجہ بھی مل جائیگا۔ پس آپ دین اور دنیا دونوں قسم کے علوم کی طرف توجہ کریں۔ بہت سے لوگ گوشوں میں بیٹھکر رات اور دن صرف زبان سے خدا کا نام لیتے رہتے ہیں اور دنیا کے علمی جہاد میں کچھ حصہ نہیں لیتے۔ زبان سے خدا کا نام لینا بڑی ہی بابرکت بات ہے لیکن اس سے بھی بابرکت بات یہ ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی سے خدا کے عجائبات کو سمجھیں اور اس کے قوانین کی اطاعت کر کے اس کی رحمتوں کے مالک بن جائیں۔ اے خدا، ہمیں علمی طاقت عطا فرما۔

خلافت میں بغاوت ۵۵ انسانی زندگی کی تنظیم کفر و نافرمانی کا آغاز

(رَفِئِدُوۤا اِلَّا اِبْلِیْسَ ط اٰجٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ  
فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس نے انکار کیا اور غرور کیا اور تھا وہ کافروں سے  
آیت کا ترجمہ یہ ہے، فرشتوں نے سجدہ کر دیا مگر شیطان نے سجدہ نہ کیا، اس نے انکار  
کیا، تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔

اے بندگانِ خدا! آپ کو کسی پچھلے سبق میں بتایا گیا تھا کہ حضرت آدمؑ کے  
واقعہ میں تمام انسانیت کی تاریخ چھپی ہوئی ہے۔ فرشتوں کے سجدہ کے یہ معنی تھے  
کہ اُس وقت 'امن' اور نیکی کی جتنی بھی طاقتیں تھیں، ان سب نے انسان کے سامنے  
سر جھکا دیا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت ایک اور طاقت ظاہر ہوئی۔ یہ نافرمانی کی طاقت  
تھی، اس طاقت کے ظاہر ہونے پر زندگی کے میدان میں تین طاقتوں کا ظہور ہو گیا۔  
ایک طرف فرشتے تھے، یہ نیکی کی طاقت تھی۔ دوسری طرف شیطان تھا، یہ بدی کی طاقت  
تھا، اُس نے انسان کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے انکار کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا  
کہ بدی کی طاقت انسان کے راستے میں سب سے بڑی روک ہے۔ جب تک  
انسان اس طاقت کو مغلوب نہ کر لے گا، اس کا اقتدار خطروں سے محفوظ نہیں ہوگا۔  
اسے بندگانِ خدا! آیت آپ کو یہ بھی بتلاتی ہے کہ شیطان کیا ہے؟ خدا تعالیٰ  
نے شیطان کے تین وصف بیان کیے ہیں، ایک یہ کہ اس نے علم کی بزرگی کو تسلیم  
کرنے سے انکار کر دیا (اٰجٰی)۔ دوسرے یہ کہ اس نے غرور کیا (وَاسْتَكْبَرَ)۔ تیسرے  
یہ کہ وہ کفر کی زنجیر کا ایک پرزہ تھا۔ (وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ)۔ بس یہی تین بیماریاں  
ہیں جن سے خدا کی پادشاہت میں بغاوت پھیلتی ہے۔ نیکی کے نظام میں فتنہ پیدا  
ہوتا ہے۔ انسان کے قدم راہ حق سے ڈگمگا جاتے ہیں اور انسان خلافتِ خداوندی



کے درجے سے گر کر کفر اور ذلت کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ آپ پھر اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ علم کی بزرگی سے انکار کرنا شیطنیت ہے، غرور کرنا شیطنیت ہے اور صرف ایک خدا کو اپنا بادشاہ ماننے اور اس کے قانون پر چلنے سے انکار کرنا شیطنیت ہے۔ خدا تعالیٰ نے سب انسانوں کو حضرت آدمؑ کے واقعہ سے یہ سبق دیا ہے کہ آپ علم، خاکساری اور اطاعت کا راستہ اختیار کریں تاکہ خدا کی خلافت کا تاج آپ کی پیشانی پر رکھا جائے مگر افسوس کہ آج بے شمار انسان ان تینوں دولتوں کو کھو بیٹھے ہیں اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ وہ لوگ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہی علم میں سب قوموں سے زیادہ پیچھے ہیں۔ غیر قوموں کی غلامی کرتے ہیں۔ خدا کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ ہم مسلمان کہلاتے ہیں۔ لیکن خدا کے حکموں کو نہیں مانتے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے دوست کا دروازہ چھوڑ دیا ہے اور دشمن کی راہ اختیار کر لی ہے۔ ہم کو سبق دیا گیا تھا کہ شیطان جہالت، غرور اور نافرمانی کے راستے سے ہم حملہ آور ہوگا مگر افسوس کہ ہم نے خدا تعالیٰ کی اس تنبیہ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ اگر آپ شیطانی قوتوں کو توڑنا چاہتے ہیں، اگر آپ بدی اور شر کی طاقتوں کو مغلوب دیکھنا چاہتے ہیں، اگر آپ نیابت الہی کے درجے تک پہنچنا چاہتے ہیں تو آپ اپنے اندر علم کی طاقت پیدا کیجئے۔ غرور اور سرکشی سے تائب ہو جائے۔ آپ خدا کے قانون کو سمجھئے اور اس کی اطاعت پر کمر بستہ ہو جائیے پھر شیطانی طاقتیں آپ کے سامنے سر جھکا دیں گی اور آپ اس زمین پر صحیح معنوں میں خدا کے نائب بن جائیں گے۔

اے لوگو! آج جہالت، غرور اور نافرمانی نے انسان کو تباہ کر دیا ہے، آؤ، اس تباہی سے نکلیں اور علم حاصل کریں، علم والوں کی قدر کریں اور علم کے راستے پر چل کر خلافت اور آزادی کے مالک بن جائیں۔ اے خدا! ہم کو علم کی طاقت عطا فرما۔

عروج خلافت

الانسانی زندگی کی تنظیم وصال جنت

۳۵۔ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

اور ہم نے کہا اے آدم تو بس تو اور تیری بیوی جنت میں اور دو لکھا اُس میں

رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ

بافراغت جہاں تم دو لکھا ہو اور قریب نہ جاؤ اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ تم ظالموں

آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ جب حضرت آدم، علم کے امتحان میں پاس ہو گئے تو خدا

نے فرمایا، اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو، بوافراغت

کھاؤ مگر اس درخت کے پاس مت جاؤ۔ ورنہ تم ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ اس آیت سے

معلوم ہوتا ہے کہ انسان علمی کامیابی اپنی زندگی کا آخری آرام اور کمال حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت آدم کو اسی وقت جنت دی گئی جبکہ وہ علم کے مقابلے میں کامیاب ہوئے،

انہیں انسانی زندگی کی آخری تقدیر اور کمال انسانی کی آخری منزل دکھادی گئی تاکہ احکام

الہی کی فرمانبرداری کرتے رہیں۔ اس آیت سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ خدا نے زندگی کے

شروع ہی میں آدم کے سامنے دو راستے رکھ دیئے تھے۔ ایک امر کا راستہ کہ یہ کرنا چاہئے

اور دوسرا اپنی کاراستہ کہ یہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ اگر اطاعت

حکم کرو گے تو یہ جنت اور کھلی روزی ہے۔ اگر نافرمانی کرو گے تو نعمت سے محروم ہو جاؤ گے

جنت کی بڑی خوبی یہ بتائی کہ وہاں کھلا رزق ملتا ہے۔ آج جن لوگوں کو یہ دولت حاصل

ہے، انہیں سمجھنا چاہئے کہ ہمیں دنیا کا بہشت حاصل ہو گیا۔ اس آیت میں ایک اور

قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جب خدا نے حضرت آدم کو علم سکھایا، یا فرشتوں سے مقابلہ

ہوا، اُس وقت عورت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لیکن جب یہ حکم ہوا کہ بہشت میں جاؤ اور

کھلے کھانے کھاؤ تو اس وقت مرد کے ساتھ عورت کو بھی شامل کر دیا گیا، اس سے ثابت

ہوا کہ عورت مرد کی رفیق نعمت ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نیک عورت کا ساتھ

اور کھلی روزی بہشت کی خاص نعمتیں ہیں

زوالِ خلافت انسانی زندگی کی منظم پذیرِ عورت

۳۶۔ وَ اَزَلَّ هُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاَخْرَجَ هُمَا مِمَّا كَانَا

پس پھسلایا دونوں کو شیطان نے اُس سے پس نکالا دونوں کو جس میں تھے دونوں  
فِيهِمْ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَاكْذِبُ

اُس میں، اور کہا ہم نے سب اترو بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں، اور واسطے تمہارے  
فِي الْاَرْضِ زَيْمِنَ مِيْنٍ۔ مُسْتَقَرًّا مَّهْرًا جَاءَ۔ وَ مَتَاعٌ اور فائدہ ہے۔ اِلیٰ حِيْنٍ اِيْكَ وَ قَتَّ تَمَّ

آیت کا مطلب یہ ہے۔ آدم اور حوا جنت میں تھے کہ شیطان نے دونوں کو پھسلادیا

اور جنت سے نکالا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سب اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن

ہو۔ اب تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور کام چلانا ہے۔ اس آیت میں

بتایا گیا کہ انسان کو زوال کیسے ہوتا ہے؟

اے بندگانِ خدا! آپ غور سے دیکھیں کہ زندگی کا میدان کس طرح آہستہ آہستہ وسیع

اور پرشور ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے زمین و آسمان بنے، پھر آدم وجود میں آیا، پھر ملائکہ سے مقابلہ

ہوا، اسی سلسلے میں شیطان نے نافرمانی کا اعلان کر دیا۔ حصولِ کامیابی کے بعد آدم اپنی

عورت کے ساتھ بہشت میں داخل ہوئے، یہاں انہیں زندگی کا قانون دیا گیا اور کہا گیا

کہ یہ کرنا اور یہ نہ کرنا۔ اب زندگی کے میدان میں سات طاقتیں مصروفِ عمل ہو گئیں (۱) آدم

(۲) اس کی عورت (۳) شیطان (۴) ملائکہ (۵) کھلی روزی (۶) قانونِ امر و نواہی (۷)

علمی طاقت۔ اب ان سات طاقتوں میں کش مکش جاری ہوتی ہے۔ آدم کے ایک طرف ملائکہ

ہیں جو سراپا نیکی کا نمونہ ہیں۔ دوسری طرف شیطان ہے جو سر بسر بدی کا نمونہ ہے۔ ان دونوں

کے درمیان انسان ہے جو ان دونوں قوتوں کو دیکھ رہا ہے۔ علمی طاقت جو علم آدم الاسماء کھا کے ذریعہ سے اُسکو ملی ہے، وہ اسے ملائکہ کے نمونے پر چلنے اور خدا کے قانون کی پیروی کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ لیکن کھلے کھانے کی طاقت جو کلامنہا رغدا حیث ششما کے حکم کے مطابق اسے حاصل ہوئی ہے، وہ اسے شیطانی نمونہ کی طرف کھینچتی اور ممنوعات کا راستہ دکھاتی ہے اور وہ دونوں طرف سے اس طرح کھینچا جا رہا ہے :-

منزلِ امر → ملائکہ → علمی طاقت → آدم → کھلا کھانا → شیطان → منزلِ نہی  
اب اس ریسہ کشی سے جو چیز الگ ہے، وہ صرف عورت ہے، وہ جس طرف بھی دوڑ کرے گی، آدم اسی طرف کو ڈھلک جائیگا۔ روایت ہے کہ خدا نے جس درخت کے قریب جانے سے آدم کو روکا تھا، عورت نے اسی درخت کے قریب جانے کے حق میں دوڑ دے دیا اور اس سے ان میں ایک نئی چیز پیدا ہو گئی، اختلاف اور دشمنی۔ اور وہ بہشت سے نکال دیئے گئے۔

اسے بندگانِ خدا! آپ آدم کے زوال کی کہانی ایک دفعہ پھر دہرائیں۔ علمی کامیابی کے بعد حضرت آدم بہشت میں داخل کئے گئے اور دو نعمتیں یعنی عورت کا ساتھ اور فراغت کا کھانا، انہیں عطا فرمایا گیا۔ اس سے پہلے وہ دیکھ چکے تھے کہ شیطان نے انہیں سجدہ نہیں کیا اور وہ بدی کی طاقت نیکر کمال انسانی کی راہ میں سب سے بڑی روک بن بیٹھا تھا۔ حضرت آدم کے ایک طرف ملائکہ تھے جو سراپائیکی کی طاقت ہیں۔ دوسری طرف شیطان تھا جو سر بسر بدی کی طاقت ہے اور ان دونوں کے درمیان انسان تھا۔ انسان کو حکم یہ کہ وہ شیطانی طاقتوں پر فتح حاصل کر کے فرشتوں کی طرح خدا کی اطاعت کرے اور خلافتِ الہی کے درجے کو پہنچے۔ اس مشکل مورچے کے لئے اس کو علم کے ہتھیار عطا فرمائے گئے تاکہ وہ اپنے اندر نیکی اور بدی کی تمیز پیدا کر کے براٹی کی طاقتوں کو دبا دے اور نیکی کے بازوؤں

پر پرواز کرتا ہوا دنیا اور آخرت کی سر بلندیاں حاصل کرے۔ جب حضرت آدمؑ بہشت میں داخل ہوئے تو یہاں بھی دونوں راستے ان کے سامنے واضح کر دیئے گئے تھے۔ امر کا راستہ اور نہی کا راستہ۔ اور کہہ دیا گیا تھا کہ حکم کو بجالاؤ گے تو جنت تمہاری، نافرمانی کرو گے تو ظالم لیکن اس کے باوجود فارغ البالی کے جوش اور عورت کی ترغیب نے اسے نہی کے راستے پر ڈال دیا جس سے شیطان کا منصوبہ پورا ہوا اور وہ جنت کی اعلیٰ ترین زندگی سے محروم کر کے زمین کی مشکل اور کمٹھن زندگی میں ڈال دیئے گئے۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ آپکے زندگی کا آرام صرف اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جبکہ آپ امر کے راستے پر چلیں۔ دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ نافرمانی کا راستہ خواہ کتنا بھی حقیر کیوں نہ ہو، انسان کے لئے اس میں بڑی کشش موجود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر صرف اتنی پابندی لگائی گئی تھی کہ اس درخت کے پاس مت جاؤ، یہ کتنی چھوٹی بات ہے؛ مگر پھر بھی پوری نہ ہوئی، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اور نافرمانی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے جذبہ کو دبانا بھی کس قدر مشکل ہے؛ تیسرا سبق یہ ملتا ہے کہ انسان کی تباہی اور بربادی کی باگ بالکل عورت کے ہاتھ میں ہے اگر عورتیں جاہل ہوں تو مرد خواہ علامہ بھی ہو جائیں، انہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچاگا۔ حضرت آدم کو بڑا علم تھا، اگر حوا کو بھی اسی قدر علم ہوتا تو وہ آدم سے کبھی اختلاف نہ کرتی۔ جب حضرت آدم جنت سے نکلے گئے تو خدا کی طرف سے ان پر یہ جرم عائد کیا گیا کہ تم سب ایک دوسرے کے دشمن ہو، اس لئے یہاں سے نکل جاؤ۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تم نافرمان یا ناشاک گزار ہو، اس لئے نکل جاؤ۔ بلکہ صرف یہ فرمایا تم نا اتفاقی کرتے ہو اور ایک دوسرے کے دشمن ہو، اس لئے نکل جاؤ۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دشمنی اور نا اتفاقی خدا کا وہ آخری عذاب تھا جس نے انسان کو جنت سے نکالا اور خدا کے بہترین انعامات سے محروم کر کے زمینی زندگی کی انتہائی دکھوں اور انتہائی

مشکلات میں مبتلا کر دیا۔ جس طرح علم کی طاقت حضرت آدم علیہ السلام کے لئے حصول جنت کا ذریعہ ثابت ہوئی، اسی طرح اب دشمنی اور عداوت کا جذبہ ان کے لئے جنت سے محرومی کا ذریعہ بن گیا۔ ایک تیسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جب حضرت آدم کو زمین کی زندگی میں ڈالا گیا تو فرمایا کہ تم زمین میں صرف عارضی طور پر رہو گے اور عارضی طور پر فائدے اٹھاؤ گے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کا مستقل ٹھکانہ کچھ اور ہے۔ یعنی آپ پھر اپنے اصلی ورثہ کو حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ علم اور اتفاق سے محروم نہ ہوں۔

۵۸۔ انسانی زندگی کی تنظیم بذریعہ علم و بین

۳۶۔ فَتَلَقَ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط اِنَّهُ

پس سیکھیں آدم نے اپنے رب سے کچھ باتیں پس متوجہ ہوا اس پر بے شک

ہو وہی ہے۔ التَّوَّابُ تُوْبَةٌ قَبُولُ كَرِيْمٍ وَاللَّهِ الرَّحِيْمُ رَحْمٌ وَاللَّهِ

آیت کا مطلب یہ ہے۔ جب حضرت آدم کو حکم ہو گیا کہ زمین میں چلے جاؤ تو اسے اپنی لغزش کا احساس ہوا۔ پس اس نے پھر خدا کی طرف توجہ کی اور خدا سے چند باتیں سیکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا ایک دفعہ پھر اس کی طرف رجوع ہوا اور اس کی توبہ قبول کر لی گئی بدشک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں فطرت انسانی کا ایک اور وصف بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ انسان کی ایک شان توبہ ہے کہ وہ غلطی کر بیٹھتا ہے اور دوسری شان یہ ہے کہ وہ غلطی کر کے شرمندہ ہوتا ہے۔ زندگی کے میدان میں تین طاقتیں موجود ہیں ملائکہ، شیطان اور انسان۔ فرشتے کی شان یہ ہے کہ وہ سر سے ہی سے غلطی نہیں کرتا شیطان کی شان یہ ہے کہ وہ غلطی کرتا ہے مگر توبہ نہیں کرتا۔ انسان کی شان یہ ہے کہ وہ غلطی

کر بیٹھتا ہے مگر پھر توبہ اور زدامت کے بعد مقام اصلاح پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی  
 کی یہ ساری باتیں آج آپ کے سامنے موجود ہیں۔ جو کچھ آپ آج یہاں دیکھ رہے ہیں  
 وہی کچھ حضرت آدم کے ساتھ پیش آیا جبکہ انسانی زندگی شروع کی گئی تھی۔ اس  
 آیت میں پھر علم کی بزرگی بیان کی گئی ہے اور نوع انسان کو بتایا گیا ہے کہ حضرت  
 آدم نے دو مرتبہ خدا سے علم حاصل کیا۔ فرشتوں کے مقابلہ سے پہلے اس نے چیزوں  
 کے نام سیکھے۔ یہ علم ایجاد تھا۔ لیکن یہ علم ایجا حضرت آدم علیہ السلام کے لئے کافی  
 ثابت نہ ہوا۔ جب شیطان نے اس کو پھسلایا تو بہشت کے رہنے والوں میں جھگڑے  
 اور نا اتفاقیاں پیدا ہو گئیں اور وہ قبولیت کے درجے سے گر گئے۔ اب زوال خلافت کے  
 بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پھر ضرورت محسوس ہوئی کہ خدا کی طرف توبہ کی جائے تاکہ  
 وہ اپنے کھوئے درجے کو پھر حاصل کر سکیں۔ آیت بتاتی ہے کہ یہاں پھر حضرت آدم کو  
 علم کی ضرورت ہوئی اور اس نے خدا تعالیٰ سے توبہ اور اصلاح کا علم سیکھا۔ یہ علم، علم دین  
 تھا، اس علم کی مدد سے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی بگڑھی کو بنایا، اپنے نفس کو پاک  
 کیا اور ایک دفعہ پھر خدا تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ خدا  
 تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی لفرش کو کیوں معاف کیا؟ آیت اس سوال کا  
 یہ جواب دیتی ہے، اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ یعنی توبہ قبول کرنا اور اپنے بندوں پر  
 مہربانی فرمانا خدا کی شان ہے۔ خدا کی اسی شان کا نتیجہ ہے کہ جب انسان بگڑتا ہے تو  
 اس سے خدا کی نعمتیں چھین لی جاتی ہیں مگر پھر جب وہ اپنی اصلاح کرتا ہے تو پھر وہی  
 نعمتیں اس کو دوبارہ عطا کر دی جاتی ہیں۔ یہ آیت تعلیم دیتی ہے کہ آپ کسی حال میں بھی  
 خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، یہاں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اگر آپ صنعت، تجارت  
 سائنس، جنگ، طب اور کیمیا وغیرہ علوم کو جو علم ایجاد کی شاخیں ہیں، حاصل کریں گے

تو اس سے آپ میں بادشاہ زمین بننے کی طاقت پیدا ہوگی لیکن اگر یہ علوم آپ کو ترقی کے بہشت تک بھی پہنچا دیں تو پھر بھی وہاں سے آپ کا گنا ضروری ہوگا۔ پھر اس سیاسی زوال میں جو علم آپ کو سہارا دے کر اصلاح کے مقام پر کھڑا کر سکتا ہے۔ وہ دین کا علم ہے۔ علم ایجاد سے آپ زمین کے مخفی خزانوں پر قابو پاسکتے ہیں اور علم دین کی امداد سے آپ اصلاح و انتظام کے مقام پر کھڑے رہ سکتے ہیں۔ یورپ کی بدبختی یہ ہے کہ اس نے علم ایجاد دیکھا یعنی پانی سے بجلی بھی بنائی۔ زمین سے سونا بھی نکالا مگر چونکہ وہ علم دین سے بے بہرہ رہا، اس لئے وہ ہر وقت جنگ اور مصیبت میں مبتلا رہتا ہے، وہی بات "اَضْبَطُوا اَبْحَصْكُمْ لِبَعْضِ عَدُوِّكُمْ اَبْحَصْكُمْ" کے دشمن ہو، جنت سے نکل جاؤ۔ اسی دشمنی کے باعث یورپ کی تہذیب اور ترقی ہر وقت خطر سے میں رہتی ہے اور اس کے سر پر ہر وقت شیطنیت اور حیوانیت کا بھوت مسلط نظر آتا ہے، اہل یورپ کی اس دشمنی کا حل علم دین ہے۔ اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ اہل یورپ سے علم ایجاد سیکھیں اور انہیں علم دین پہنچائیں۔ انسانیت کی مشکلات کا حل یہی ہے۔

الانسانی زندگی کی تنظیم (۵۹) راہ نجات

۳۸۔ قُلْنَا اضْبَطُوا مِنْهَا جَمِيعًا يَا قَوْمِ قَدْ وَدَّعْتُمْ هُدًى

ہم نے کہا تم اتر دو یہاں سے سب پھر جب کبھی پہنچے تم کو میری طرف سے ہدایت

فَمَنْ يَتَّبِعِ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

پس جس نے اطاعت کی میری ہدایت کی پس نہ ہوگا ڈر ان کو اور نہ وہ غم کھائیں گے

اسے بندگان خدا! حضرت آدم نے علم دین سیکھا اور توبہ کی تو انہیں معاف کر دیا

گیا اور آئندہ کے لئے حکم ہوا، اب تم سب جنت سے اتر جاؤ۔ اس کے بعد وقت وقت



پر میری طرف سے تم کو ہدایتیں آتی نہیں گی جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کوئی خوف اور غم باقی نہ رہے گا۔

عزیزان اسلام! یہ آیت، حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کو قرآن پاک کے پہلے مضامین سے ملا دیتی ہے۔ سورہ بقرہ کے شروع میں کہا گیا تھا کہ یہ اللہ کی کتاب، پرہیزگاروں کو راہ بتانے کے لئے بھیجی گئی ہے۔ پھر ۲۱ ویں آیت میں تمام دنیا کے انسانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ قرآن کے قانون کی غلامی کریں اور غیر طاقتوں کی غلامی سے الگ ہو جائیں۔ پھر اسی سلسلے میں یہ ثبوت پیش کیا گیا کہ قرآن پاک، اللہ کا کلام ہے۔ اس کے بعد ہی حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ شروع ہو جاتا ہے اور اب اس قصہ کے خاتمہ پر اصل بات یہ بیان کر دی گئی ہے کہ پہلے دن جبکہ زمین پر انسانی زندگی شروع کی گئی تھی اور جبکہ حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکل کر طرح طرح کی مصیبتوں اور مشکلات میں مبتلا تھے، خداوند پاک نے ان سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ تمہارے پاس وقت و وقت پر میری طرف سے ہدایت کا کلام بھیجا جائیگا۔ تمہاری زمینی زندگی کی مشکلات کا حل یہ ہے کہ تم اس ہدایت کی پیروی کرنا۔ مقصد یہ ہے کہ اب جو خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک نازل فرمایا ہے تو اسی وعدہ الہی کے مطابق ہے جو زندگی کے پہلے قدم پر حضرت آدم علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔

اے بندگان خدا! انسان کو موت کے بعد جو درجہ کمال حاصل ہونے والا تھا وہ حضرت آدم کو دکھا دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو علم ایجاد سکھایا گیا تاکہ وہ نائب خدا بننے کے راستے کی مشکلات کو حل کر سکیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کر لی گئی اور حکم دیا گیا کہ وہ عارضی طور پر زمین میں ٹھہریں۔ حضرت آدم علیہ السلام اس دنیوی زندگی کی مصیبتوں اور مشکلات میں اس لئے ڈالے گئے تھے

تاکہ وہ خدا کے راستے پر چل کر ان مشکلات پر قابو پائیں اور اپنے اس ورثہ جنت کو دوبارہ حاصل کر لیں جو انسانیت کا درجہ کمال اور نوع انسان کا مستقل ٹھکانہ ہے۔ عزیزان اسلام! یہ آیت پاک آپ کے سامنے، آپ کی دنیوی زندگی کی مشکلات کا آخری حل پیش کرتی ہے۔ آپ اپنے چاروں طرف نظر ڈال کر دیکھیں کہ آپ کس قدر بوجھ لدے ہوئے ہیں۔ بیماری، غریبی، جہالت، نفاق، گناہ، بغض، حسد، ظلم، بھوک پیاس، غلامی، بیاہ، شادی، مقدمات، اولاد، مکان، لباس، کھانا، پکانا، تجارت، زراعت۔ مختصر یہ کہ نہ تو زندگی کی ضرورتوں کی کوئی حد ہے، نہ زندگی کے جھگڑوں کی کوئی حد ہے، نہ زندگی کے نقصانات کی کوئی حد ہے، نہ زندگی کی آرزوؤں کی کوئی حد ہے، یہ بڑی ہی کمٹھن اور مشکل بات تھی کہ انسان ان سب میدانوں کو کسی اصول پر چل کر فتح کرے اور پھر جب زندگی کے میدان سے نکلے تو سرخرو ہو کر نکلے، آیت بتاتی ہے کہ صرف ایک ہی چیز انسان کو اس منجیہ ہار کے پار لگا سکتی ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی ہے، یہ قرآن خدا کی ہدایت ہے، آؤ اس کی پیروی کریں اور مشکلات سے چھوٹ جائیں۔

## تین ناپاک کتابیں

- ۱۔ اسلام زندہ پاؤ۔ یہ نہایت ہی دلچسپ اور عجیب کتاب ہے، اس میں ۲۴ سچے اسلامی واقعات یورپ اور امریکہ کی تاریخ سے چن کر درج کئے گئے ہیں، ہر واقعہ اس قدر دلچسپ ہے کہ ناول بھی اس کے سامنے شرمندہ ہو جاتے ہیں، حجم ۲۰۸ صفحے۔ قیمت دو روپیہ۔ (محمول الگ)
- ۲۔ پیغام قرآن۔ یہ کتاب قرآن کا چھوڑے۔ اسلامی بادشاہوں تک نے اس کی تعریف کی ہے۔ حجم ۲۳۴ صفحے۔ قیمت دو روپیہ۔ (محمول الگ)
- ۳۔ سالار حجاز۔ امام رشید رضا، سید سلیمان ندوی، قاضی محمد سلیمان، سید نواب علی ایم، نواب صدیق جنگ بہادر وغیرہ علماء نے رسول اللہ کے حالات لکھے ہیں۔ قیمت دو روپیہ۔

مینیجر سیرت بلڈ پوٹی، ضلع لاہور

دستور خلافت انسانی زندگی کی تنظیم پر پھیلی آیت سے متعلق

۳۹۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ

اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلائیں ہماری نشانیاں وہ سب ہیں دوزخی

ہم وہ سب۔ فیہا اس میں خلدون ہمیشہ ہوں گے۔

اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جو لوگ خدا کے قانون پر چلیں گے، وہ غم اور خوف سے چھوٹ جائیں گے اور آج کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے قانون سے انکار کریں گے اور اسے جھٹلائیں گے، وہ دوزخی ہوں گے اور وہ وہیں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ انکار اور تکذیب کا نتیجہ دوزخ ہے، جس طرح اطاعت گزار زندگی کے اعلیٰ ترین ثمرہ کا نام بہشت ہے اسی طرح نافرمان زندگی کے پست ترین نتیجہ کا نام دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو کسی شخص کو جبراً دوزخی بناتا ہے اور نہ بہشتی۔ اس نے نیکی اور بدی کے دونوں راستے انسان کے سامنے رکھ دیئے ہیں اور دونوں کے مقررہ نتائج سے بھی آگاہ فرما دیا ہے۔ اس نے نہر بھی بتا دیا ہے اور آب حیات بھی، پھر یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر تم نہر کھاؤ گے تو نتیجہ ہلاکت ہے اور اگر آب حیات پیو گے تو نتیجہ زندگی ہے۔ اب جو شخص جیسا کام کرتا ہے، ویسا نتیجہ پالیتا ہے۔ ہر ایک انسان کے لئے خدا تعالیٰ کی ہدایت بالکل صاف ہے۔ اس پاک پروردگار نے اپنی رحمت خاص سے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے خدا کے ہاں اس دنیا میں آپ کی تقدیر خلافت اور اس دنیا میں دائمی راحت اور بہشت ہے۔ یہ دونوں تقدیریں خود آپ کے عملوں کا اور خدا تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہیں۔ آؤ، احکام خداوندی کی اطاعت کریں اور اس کے انعام کے مستحق بن جائیں

تیسری بحث یہود کو دعوت اسلام (۶۱) احسانات الہی اور قومی وعدہ یاد کرو

۴۰۔ یٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ اَنْعَمَتْ عَلَیْكُمْ وَا

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت جو عطا کی میں نے تم کو اور

اَفُوْا بِعَهْدِیْ اَوْفِیْ بِعَهْدِکُمْ وَاٰیٰتِیْ فَارْجِعُوْنَ ۝

پورا کرو عہد میرا میں پورا کروں اقرار تمہارا اور مجھ سے ڈرتے رہو

اس آیت سے سورہ بقرہ کی بحث کا تیسرا قدم شروع ہوتا ہے۔ پہلی ۲۰ آیتوں

کا مضمون ایک تھا جس میں بتایا گیا کہ قبول حق کے معاملے میں لوگ تین جماعتوں

میں تقسیم ہو جائیں گے، مومن، کافر اور منافق۔ ۲۱ ویں آیت میں تمام نوع انسان

کو دعوت دی گئی کہ وہ قرآن کے پیغام کو بھی سمجھیں اور قرآن کی صداقت کو بھی سمجھیں

اب چالیسویں آیت سے نئی بحث شروع ہوتی ہے۔

پہلی آیت ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ یٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیْسَ یُغَیِّرُ

ایک شک سے پاک قانونِ زندگی

پھر ھُدٰی لِلْمُتَّقِیْنَ میں بتایا کہ نزول قرآن کا مقصد کیا ہے؟

قوم پیدا کرنا اور انہیں راستہ دکھانا

پھر ۲۰ ویں آیت تک یہ بتایا کہ نزول قرآن کے بعد لوگ تین گروہوں میں تقسیم

ہو جائیں گے، مومن، کافر اور منافق۔

پھر ۲۱ ویں آیت میں تمام نوع انسان کو دعوت دی گئی کہ وہ قرآن کے پیغام

کو اور اس پیغام کی صداقت سمجھیں، اب حضرت آدم کے بیان کے بعد یہ کہا گیا ہے

کہ یہ قرآن وہی ہدایت نامہ ہے جس کے بھیجنے کا خدا نے انسانی زندگی کے شروع میں

وعدہ کیا تھا۔ اب ۲۰ ویں آیت سے بنی اسرائیل کو خطاب شروع ہوا ہے اور بتایا

کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ خلافت اور نیابت جو حضرت آدم علیہ السلام کو دی گئی اور جو اولاد آدم میں چلتی ہوئی آخر کار بنی اسرائیل تک پہنچی، اس قوم کے ہاتھ سے کیوں چھینی گئی؟ بنی اسرائیل کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور اس کے بعد اسرائیلیوں کی قومی بیماریاں بتائی گئی ہیں جن سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہ قوم کیوں خلافت الہی کی مستحق نہیں رہی؟ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی قوم کو کہتے ہیں، اسی قوم میں حضرت یوسفؑ ہوئے، اسی قوم میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے جنہوں نے ان لوگوں کو فرعون کی غلامی سے نکالا اور ملک شام میں بسایا ایک وقت یہ قوم اس قدر طاقتور اور عظیم قوم تھی کہ دنیا کی کوئی بھی قوم ان کا لگا نہیں کھا سکتی تھی، اوپر کی آیت یہ ہے، اے یہود! تم خدا کے احسانوں کو یاد کرو اور اپنے وعدوں کو یاد کر کے قانون الہی کی اطاعت کرو۔ صرف خدا سے ڈرو اور مشکلات اور مجبوریوں کے عذرات چھوڑ دو، پھر خدا بھی اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور تم پھر خلافت کے حقدار بن جاؤ گے۔

اصل کتاب کو دیکھو

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۶۲)

۴۱۔ وَآمَنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ  
اور ایمان لاؤ جو کچھ بھیجا میں نے تصدیق کرنے والا جو کچھ پاس تمہارے اور

لَا تَكُونُوا أُولَٰ كَافِرٍ ۖ  
نہ ہو جاؤ پہلے ہی کافر اس کے اور نہ لو قیمت میری آیتوں پر تھوڑی قیمت اور

إِنِّي آتِي مَجِيًّا ۚ فَالْقَوْمِ يَضْرِبُونَ  
پہلے کہا گیا، اے یہود! میری نعمتوں کو یاد کرو یعنی خدا کے احسانوں کا بدلہ یہ ہے کہ اب تم خدا کے قانون پر چلو۔

پھر کہا گیا، جب تم میرا اقرار پورا کرو گے تو میں تمہارا اقرار پورا کروں گا، اس کا مطلب یہ کہ تم اپنے وعدہ کے مطابق خدا کے قانون کی پابندی کرو گے تو خدا تم کو پھر خلافت عظیمہ فرمائے گا۔  
 وَإِنِّي لَأَيُّهَا فَادُّصْبُونَ كَمَا مَطْلَبُ يَهِي كَهْ غَيْر طَاقَتِ سَمْتِ ذَرَوِ، بَزُولِ مَتِ بَنُو،  
 عِشْ وَعَشْرَتِ، بَزُولِي اَوْرَبِي هَمْتِي مِيں پَر كَرَبِي اَصُولِ اَوْرِنَا فَرْمَانِ نَهْ بِنِ جَاؤُ، خَدَا كَهْ  
 تَوَكَّلِ پَرَا تُطْهَوِ تَوِ كَوْنِي طَاقَتِ تَمْبَارَا رَا سَمْتِ نَهِيں رَوَكِ سَكِيگِي۔

آج کی آیت میں فرمایا، قرآن نے کوئی نیا دین پیش نہیں کیا ہے، یہ تو خود تمہاری تورات کی تصدیق کرتا ہے، اس پر ایمان لاؤ، بے سمجھی کے ساتھ پہلے ہی منکر نہ ہو جاؤ اور چھوٹے چھوٹے ذاتی فائدوں کے لئے خدائی تعلیم کے بڑے بڑے اصولوں کو جن پر قوموں کی عظمت کی بنیاد قائم ہوتی ہے، فروخت نہ کرو اور خدا سے ڈر کر خدا کے قانون پر عمل شروع کر دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صاف صاف پیش گوئیاں موجود تھیں۔ اور یہودی لوگ ان پیش گوئیوں کو پڑھ پڑھ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی زیادہ منتظر تھے تاکہ آپ آئیں اور کفار کے مقابلہ پر یہودی قوم کو پھر عروج حاصل ہو مگر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے یہی یہودی آپ کے خلاف ہو گئے حالانکہ نبی خدا پر تورات کی تمام نشانیاں پوری ہوتی تھیں اور خود قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کی تصدیق کرتا تھا۔ لیکن یہودیوں نے ان باتوں کا ذرا لحاظ نہ کیا۔ دنیا داری کی ضد، دنیوی مانع اور نفسانیت کا غرور ان کے راستے میں روک بن کر کھڑا ہو گیا اور انہوں نے خیبر اور مدینہ منورہ میں کفار ہی کی طرح پیغمبر خدا کی مخالفت شروع کر دی یہودیوں کے اسی طرز عمل کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے انہیں خطاب فرمایا ہے اور پہلی بات یہ کہی ہے کہ قرآن تورات کی سچائی تصدیق کرتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم قرآن کو

نہیں مانتے؟ دوسری بات یہ کہی کہ تحقیق، تصدیق، غور و فکر اور تاج کو دیکھے بغیر پہلے ہی تم قرآن سے کیوں انکار کر رہے ہو؟ تیسری بات یہ کہی کہ ذرا ذرا سے دنیوی فائدوں کے لئے خدائی تعلیم کے بڑے بڑے اصولوں کو کیوں چھوڑتے ہو؟ اس سے پہلی آیت میں کہا گیا تھا کہ خدا سے ڈرو، اب اس آیت میں پھر کہا گیا ہے کہ خدا سے ڈرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگوں کے کھوکھلا ہو جانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کے دل خوف خدا سے خالی ہو گئے اور انہوں نے چند مذہبی رسموں، عیدوں اور فرقہ بندیوں کو اپنا دین بنا رکھا تھا اور چاہتے یہ تھے کہ اگر کوئی نبی آئے تو وہ انہی رسموں اور فرقہ بندیوں کی تائید کرے، رسول اللہ نے انہیں اصلی خدائی اصول بتائے تو یہ برخلاف ہو گئے، پھر نہ اصل توحید کی طرف رجوع کیا، نہ قرآن کو پوری طرح سمجھا اور نہ تاج کو انصاف کی نظر سے دیکھا، صرف دل کی جلن اور حسد سے پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم اسلام کے مخالف ہیں اور پھر مخالفت شروع کر دی اور انہوں نے توحید کی آیتوں کو غرض کے تابع بنا لیا، وہ مطلب کے مطابق آیتوں کے معنی بدل دیتے اور توحید میں سے اپنی غرض کے مسئلے نکال لیتے۔ اگر فائدہ نہ دیکھتے تو حکم الہی کو رد کر دیتے آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو قوم، رسموں اور دھڑہ بندیوں کو دین بنالے، دین حق کی اصل تعلیم پیش کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھے، تحقیق اور تاج سے بے پروا ہو کر صرف حسد اور شرارت سے دین حق کی مخالفت کرے اور ذرا ذرا سے دنیوی فائدوں کے واسطے دینی احکام کو چھوڑنے توڑنے اور بدلنے پر تیار رہے۔ کس طرح یہ ممکن ہے کہ وہ قوم دینی خلافت کی وارث ہو؟ آیت بتاتی ہے کہ یہودیوں پر کیا مار پڑی کہ وہ خلافت کے نااہل قرار پائے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی خلافت کسی قوم کا نسلی ٹھیکہ نہیں ہے، خدا اس قوم کو عزت دیتا ہے جو خدائی تعلیم پر عمل کرے، ربانی دعوے سب فصول ہیں۔

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۶۳) فتنہ کتمان حق  
۴۲- وَلَا تَكْبُرُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

اور نہ ملاؤ حق میں باطل اور تم چھپاتے ہو حق کو اور تم جانتے ہو  
آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم سچے اصولوں میں اپنی جھوٹی غرضیں نہ ملایا کرو اور نہ  
سچ کو چھپاؤ اور تم اس کی خرابیاں خود جانتے ہو۔

کل کے سبق میں بیان ہو چکا ہے کہ جب یہودیوں نے رسموں کو دین بنا لیا، اپنی  
اصل دینی تعلیم کے زندہ کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھا۔ اسلامی تحریک کے عملی نتائج سے  
تو آنکھیں بند کر لیں اور صرف دھڑہ بندی، حسد اور شرارت سے دین حق کی مخالفت  
شروع کر دی اور جھوٹی جھوٹی دنیوی غرضوں کے لئے دینی اصولوں کو توڑنے اور بدلنے  
لگے تو پہلے دین اور اس کے بعد دینی بادشاہت ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔ آج کی آیت میں  
یہ بیان کیا گیا کہ وہ آخری خرابی جس نے یہودیوں کو کہیں کا بھی نہیں رکھا، یہ تھی کہ انہوں نے  
سچ اور جھوٹ کی تمیز اٹھا دی تھی۔ حالانکہ کامیابیوں کی اصل جڑ سمجھتی ہے۔ جب کوئی  
بادشاہ، رعیت کے ساتھ ناحق سلوک کرے تو بادشاہت برباد ہو جاتی ہے۔ جب کوئی تاجر  
گاہکوں کے ساتھ جھوٹ بولے تو تجارت برباد ہو جاتی ہے، جب کوئی عالم دین اپنے مقتدیوں  
کے ساتھ سمجھتی کا معاملہ نہ کرے تو دین برباد ہو جاتا ہے۔ یہودیوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ انہوں نے  
اپنی زندگی کے دائرے سے سچ کو بالکل خارج کر رکھا تھا۔ بعض لوگ سرے سے جھوٹ بولتے تھے،  
زیادہ چالاک لوگ چند سچی باتیں کہتے ہیں اور ایک آدھ جھوٹی بات ان میں ملا دیتے تھے تاکہ اعتبار  
بھی قائم رہے اور بات بھی چل جائے۔ دوسرے لوگ اپنی آنکھوں کے سامنے یہ دیکھتے تھے کہ  
سچ کا خون ہو رہا ہے مگر وہ حق گوئی کی بجائے زبان کو بند کر لیتے تھے، ان کے عالم اپنے پاس سے  
مذہبی مسائل گھر لیتے تھے، لوگوں کو جھوٹے قعے سنا کر پرچاتے تھے، اصل مذہبی حکموں کی  
بجائے رسموں کی پردہ کرتے تھے، مناظروں یا فرقہ بندیوں کی خاطر غلط دلیلیں پیش کر کے لوگوں کو  
گمراہ کرتے تھے چونکہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ جھوٹ کی بنیاد پر کوئی آبادی نہ ہو اس واسطے یہودیوں کی دینی حکومت برباد ہو گئی



نبی اسراہیل کو دعوت اسلام (۶۴) طاقت بذریعہ نماز و زکوٰۃ

۴۳۔ وَاقْتُمُوا الصَّلَاةَ وَالْوَالِئَاتُ الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ

اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور جھکو ساتھ جھکنے والوں کے

ترجمہ یہ ہے۔ نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور بارگاہ الہی میں جھکنے والوں کے ساتھ

جھک جایا کرو۔ عزیزان اسلام! پچھلی دو آیتوں میں قرآن پاک نے یہودیوں کو بتایا،

تم نے رسموں کو دین بنا لیا ہے، تم اصل دینی تعلیم کے پیش کرنے والوں کو دشمن سمجھتے ہو،

تم اسلام کے عملی نتائج دیکھے بغیر پہلے ہی اس کے دشمن بنے ہوئے ہو، تم دنیوی فائدوں

کے لئے دینی اصولوں کو چھوڑ رہے ہو، تم سچ میں جھوٹ ملاتے ہو اور سچی باتیں چھپاتے

ہو۔ یہ یہودیوں کی بری حالت کا نظارہ ہے جو پیش کیا گیا، اسی کے ساتھ اب اسلامی

زندگی کا ایک نظارہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے، اے نافرمانی میں ڈوبی

ہوئی قوم! ذرا سامنے بھی دیکھو، مسلمان نمازیں پڑھ رہے ہیں، دعائیں کر رہے ہیں،

خیراتیں بانٹ رہے ہیں، امیر اور غریب کندھے سے کندھا ملائے بارگاہ الہی میں جھک

رہے ہیں۔ یہ دونوں نظارے اس لئے پیش کئے گئے تاکہ یہودی لوگ حق اور باطل کو پہچانیں

اور بری زندگی کو چھوڑ کر اچھی زندگی میں شامل ہو جائیں۔

عزیزان اسلام! وہ باتیں پیش کرنے کے بعد جنہوں نے یہودی قوم کی زندگی کو کھلا

کر دیا تھا، اب اس آیت میں وہ خاص حکم دیئے گئے ہیں جن پر عمل کر کے کوئی قوم زمین

پر خلافت الہی کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ پہلا حکم یہ دیا گیا کہ نماز پڑھو۔ نماز، بندوں

پر خدا تعالیٰ کا سب سے پہلا حق اور انسانی زندگی کا سب سے پہلا فرض ہے۔ جو شخص

یہ فرض ادا نہ کرے، وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے اپنے خالق اور مالک سے بغاوت کر دی۔

نمازیں پانچ ہیں جو صبح، دوپہر، عصر، مغرب اور عشاء کے وقت ادا کی جاتی ہیں۔ ہوش

سنبھالنے کے بعد ہر ایک انسان کے لئے سب سے بڑی اور سب سے پہلی نیکی یہ ہے  
 کہ وہ دلی شوق سے ہر روز باقاعدہ پانچ وقت نماز ادا کرے۔ دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ زکوٰۃ  
 ادا کرو۔ اداۓ زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ جو خیرات خدا تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے، اسے  
 ہر سال باقاعدہ ادا کرو۔ اگر کسی شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات  
 تولہ سونا، یا اسی قدر زیور یا نقد روپیہ موجود ہو تو سال گزر جانے کے بعد تمام مال کا چالیسواں  
 حصہ اُسے اللہ کی راہ میں خیرات کرنا چاہئے۔ یعنی اگر کسی کے پاس ایک سو روپیہ کا  
 مال اور زیور موجود ہو تو وہ ہر سال ڈھائی روپے لازمی طور پر خیرات کرے۔ اسی طرح  
 مال تجارت کا بھی سال گزر جانے کے بعد حساب کیا جائے اور قرض کا روپیہ نکال  
 کر باقی رقم کا چالیسواں حصہ خیرات کیا جائے۔ یہ زکوٰۃ غریبوں اور محتاجوں کو دی جاتی  
 ہے یا اسلامی قانون کے مطابق بیت المال بنا کر اس میں داخل کر دی جاتی ہے تیسرا  
 حکم یہ دیا گیا کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ مطلب یہ ہے کہ نماز ہمیشہ جماعت  
 کے ساتھ ادا کرو تاکہ قوم میں اتفاق پیدا ہو اور سب مسلمان اتفاق باہمی سے ایک قوم  
 اور ایک لشکر بن جائیں۔ اگر تمام انسان صحیح طریقے سے ان تینوں حکموں کی پابندی  
 کریں تو دنیا میں پھر محبت کا راج قائم ہو جائے مگر افسوس ہے کہ خود مسلمان کہلانے والے  
 بھی ان تینوں فرائض سے غافل ہو گئے ہیں، وہ نہ نماز باقاعدہ پڑھتے ہیں، نہ زکوٰۃ  
 باقاعدہ دیتے ہیں اور نہ پابندی جماعت کی پروا کرتے ہیں، ہماری اس غفلت کا نتیجہ  
 ہے کہ ہماری قوم کی لٹی ٹوٹ گئی ہے، اسلام کا لشکر بکھر گیا ہے اور دوسری قوموں  
 کو بھی ہدایت نہیں ہوتی۔ اسے عزیزو! اب جاگنے کا وقت ہے۔ آپ اللہ کے لئے  
 جاگیں اور نماز، زکوٰۃ اور جماعت کا فرض ادا کر کے دنیا اور آخرت کے مالک بن جائیں۔

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۶۵) اپنی وعظوں کا احساس کرو

۴۴- آ تَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ أَنفُسَكُمْ

کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو نیک کاموں کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو

فَأَنذَرْتُكَ نَسْوَانَ الْكِتَابِ ط آ فَلَا تَعْقِلُونَ ۝

اور تم پڑھتے ہو کتاب کیا پھر نہیں تم عقل سے کام لیتے

مطلب یہ کہ جب تم لوگوں کو بھی نیکی کا حکم دیتے ہو، کتاب بھی پڑھتے ہو اور عقل بھی رکھتے ہو تو پھر خدا کے قانون کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟

عزیزان اسلام! اس آیت میں یہودیوں کے لیڈروں، اماموں اور مولیوں کی ایک اور مکاری کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا پاک اور بزرگ سمجھتے تھے ہر وقت توریت پڑھتے رہتے تھے، ورد و وظیفے کرتے رہتے تھے اور جاہل اور بے علم لوگوں کو اپنے گرو اکٹھا کر کے بڑی بڑی نصیحتیں فرمایا کرتے تھے، لوگوں کو نماز پڑھنے کو کہتے تھے مگر خود نہیں پڑھتے تھے، لوگوں کو خیرات دینے کو کہتے تھے مگر خود خیرات کھاتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ دنیا کی دولت مرد ہے مگر خود اسی مردار کو لے کر جھوٹے فقیر لکھ دیتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ خدا کی راہ میں جان اور مال اور اولاد کو قربان کر دینا چاہئے مگر خود بستروں پر لیٹے رہتے تھے اور بیٹھے بیٹھے بھی مریدوں سے اپنی ٹانگیں ڈبوا سکتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ مسافر، غریب اور مسکین کی خدمت کرنی چاہئے مگر خود بے تکلف تیموں کا مال ہضم کر جاتے تھے، غریبوں کو ساتے تھے، مسکینوں سے نفرت کرتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ مصیبت زدوں کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہئے مگر خود اپنے ہمسایوں سے کچھ بھی نیک سلوک نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کو کہتے تھے کہ کم کھانا چاہئے مگر خود اپنے پیٹ کو ناک تک بھر لیتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ ظالموں کا مقابلہ

کرنا چاہئے مگر خود ظالموں کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتے تھے اور اپنی غرضیں اور لحاظ بنائے رکھتے تھے۔ لوگوں کو کہتے تھے کہ سچ بولنا چاہئے مگر خود ہمیشہ حق گوئی سے دامن کترا جاتے تھے۔ مطلب یہ کہ ان اماموں، مولویوں اور عالموں کا سارا دین صرف اتنا ہی تھا کہ وہ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے اپنی زبان ہلاتے رہتے تھے مگر عملی طور پر کچھ نہیں کرتے تھے۔ بس، ایسے ہی لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم لوگوں کو دین کے کام بتاتے ہو، کتاب بھی پڑھتے ہو اور عقل بھی رکھتے ہو تو قرآن کی پیروی کر کے خود بے عملی اور گمراہی سے کیوں نہیں نکلتے؟

اے ایمان والو! ایک اور بات یاد رکھئے۔ اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو شخص خود عمل نہیں کرتا، وہ کسی حال میں بھی دوسروں کو بدی سے نہ روکے اور نیک کاموں کی ترغیب نہ دے۔ تبلیغ کرنا ایک مستقل نیکی ہے، لیکن تبلیغ میں مکمل کامیابی اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ مبلغ، خود عامل بھی ہو۔ آج تک جتنی بھی قومیں تباہ ہوئیں وہ اسی سبب سے تباہ ہوئیں کہ ان قوموں کے لیڈر، امام اور مولوی بے عمل تھے اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ کوئی بے عمل آدمی، قوم کی اصلاح کر سکے۔ سورج مغرب سے نکل سکتا ہے مگر وہ لیڈر اور مولوی جو خود بے عمل ہوں، کبھی قوم کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ان کے ساتھ نہ خدا کی برکت ہوتی ہے، نہ ان کا ضمیر ان کی زبان کا ساتھ دیتا ہے، اور نہ عام پبلک ان کی بے عملی کا خیال کر کے ان کی وعظوں پر اعتبار کرتی ہے۔ افسوس کہ آج ہماری قوم کے اکثر مولوی اور لیڈر بھی ایسے ہی بے عمل ہیں، قومی چندے کھا جانے والے، غریب آزار، مساوات اسلامی سے دور، ڈینگیں مارنے والے، پھر بھلا قومی ترقی کیسے ہو، مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے پیروں، لیڈروں اور مولویوں پر نگرانی رکھیں اور جو لوگ باعمل نہ ہوں، انہیں مجبور کریں کہ وہ کوئی دوسرا کام اختیار کر لیں۔

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۶۶) نماز اور صبر سے کام لو

۲۵- وَ اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَ اِنَّ هَا لَ كَبِيْرَةٌ

اور قوت حاصل کرو ساتھ صبر کے اور نماز کے اور بے شک وہ ضرور بھاری ہے

۱۸۰ سوائے علیٰ النخاشعین خشوع کرنے والوں کے۔ یہودیوں سے کہا گیا ہے اگر اسلام

کا ساتھ دینے میں تم اپنے کسی بیرونی خوف یا اندرونی کمزوری سے ڈرتے ہو تو صبر اور

نماز سے قوت حاصل کرو۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اس پروگرام پر عمل کرنا کچھ مشکل نہیں ہے

عزیزان اسلام! پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہودی قوم میں کیا کیا کمزوریاں، عیب اور

نقص پیدا ہو چکے تھے، قرآن اب ان نقصوں کو صاف کر رہا ہے اور یہودیوں کو ہمت دلا

رہا ہے کہ وہ بہادر بن کر سچائی کی بات کو قبول کر لیں۔ اوپر کی آیت میں انہیں وہ

پروگرام بتایا گیا ہے جس پر عمل کرنے سے ہر ایک انسان اور ہر ایک قوم میں بہت بڑی

قوت پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی انسان، سچ کے راستے پر نہیں چلتا تو اس میں دو قسم

کی کمزوریاں ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ باہر کے لوگوں سے ڈرتا ہو اور یہ سمجھتا ہو

کہ اگر میں نے سچائی پر عمل کیا، تو وہ مجھے تکلیف دیں گے، ملازمت سے ہٹا دیں گے

اور جان و مال، اولاد، عزت، تجارت کو نقصان پہنچائیں گے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے

کہ خود اس کے اپنے دل کے اندر کوئی چور ہو اور وہ سمجھتا ہو کہ مجھ میں شراب کی، جوئے

کی، رشوت کھانے کی، چوری کرنے کی کمزوری موجود ہے۔ اگر میں نے کسی سچائی پر عمل کر

لیا تو ان کمزوریوں کا علاج کیا ہوگا؟ قرآن پاک نے اوپر کی آیت میں وہ نسخہ پیش کیا

ہے جس کو استعمال کر کے ہر ایک قوم اور ہر ایک شخص، اندرونی اور بیرونی دونوں قسم

کی کمزوریوں سے پاک ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم یہ دیا ہے کہ صبر کرنا سیکھو صبر

کے معنی یہ ہیں کہ ہمت نہ مارو اور خوب جم کر اور مستقل مزاج ہو کر مصیبتوں کا مقابلہ

کرو۔ اگر تم ذاتی طور پر مصیبتوں سے نکلنا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جم کر مقابلہ کرنا  
 سیکھو۔ سکلیف آئے، پروانہ کرو۔ مصیبت آئے، پروانہ کرو۔ قید آئے، پروانہ کرو۔ پھانسی  
 آئے، پروانہ کرو۔ پوری تمہوں کو مضبوط کر کے سچ بات پراڑ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے  
 انسانی شکل کے اندر یہ طاقت پیدا کی ہے کہ جب کوئی انسان اپنی اندرونی طاقتوں سے  
 واقف ہو کر کسی حق بات پر قائم ہو جاتا ہے تو پھر نہ دریا اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں، نہ توپیں  
 نہ فوجیں، نہ پہاڑ اور نہ سمندر۔ پس بیرونی یا اندرونی مصیبتوں یا کمزوریوں کو دور کرنے کا  
 پہلا نسخہ یہ ہے کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں پر بھروسہ کر کے کھڑا ہونا سکھے، اسی طاقت  
 کا نام صبر ہے۔ دوسرا نسخہ یہ بتایا کہ آپ نماز پڑھیں۔ یعنی خدا کے سامنے جھکیں، خدا  
 سے اپنی اندرونی اور بیرونی کمزوریوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت مانگیں، نماز کے ذریعے سے  
 اپنا قومی نظام مضبوط بنائیں اور خدا کی طاقتوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیں، پھر آپ  
 ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

اسے ایمان والو! جن مصیبتوں اور اندرونی اور بیرونی کمزوریوں میں یہودی لوگ  
 مبتلا تھے، آج ہزاروں مسلمان کہلانے والے لوگ بھی اپنی کمزوریوں کا شکار ہیں۔ بعض  
 کمزور مسلمان ہندو سے ڈرتے ہیں، انگریز سے ڈرتے ہیں، انہیں اپنی ملازمتوں کا خوف  
 ہے، قید اور بند کا خوف ہے، قتل اور پھانسی کا خوف ہے اور اسی سبب سے وہ قانوں  
 خدا کی غلامی کی بجائے غیروں کی غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دیکھو، اس کا علاج  
 صرف ایک ہی ہے۔ یعنی صبر اور نماز۔ آپ ان دو چٹانوں پر قائم ہو جائیں، پھر آپ  
 خدا کی توفیق سے اس ساری دنیا کو الٹ دے سکتے ہیں، آپ ظلم کو سمجھ کر دشمن  
 کے مقابلے میں کھڑے رہنے کی طاقت پیدا کریں۔ اگر آپ کی فطرت کسی وقت کمزوری  
 ظاہر کرے تو نماز میں کھڑے ہو کر خدا سے نئی طاقت مانگیں تاکہ آپ کا دل قوی ہو جائے۔

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۶۷) خاشعین بن جاؤ  
۴۷۔ الَّذِينَ يَنْظُرُونَ أَنَّهُمْ مُّالِقُوا رَبَّهُمْ وَإِنَّهُمْ

وہ لوگ جو عقیدہ رکھتے ہیں یہ کہ وہ ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور یہ کہ وہ  
الینہ طرف اُسکی۔ راجعون لوٹنے والے۔ اس آیت میں خاشعین کی تعریف بتائی  
گئی ہے۔ مطلب یہ کہ صبر اور نماز کے پروگرام پر وہی لوگ کامیابی کے ساتھ عمل کرنے  
کی طاقت حاصل کر سکتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہو کہ ہم کو بہر حال دنیا سے گزینا ہے اور خدا  
کے سامنے پیش ہونا ہے۔ خاشعین ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کے دل پگھلے ہوئے ہوں  
اور جب بھی کوئی خدا کا حکم ان کے سامنے پیش کیا جائے، وہ اسی وقت خدا سے ڈر  
جائیں اور ایک منٹ کی دیر کے بغیر اس حکم پر عمل کر لیں۔

اسے ایمان والا یا یہودی لوگ یہ دیکھتے تھے کہ تمام دنیا مسلمانوں کی دشمن ہو رہی ہے  
اور جو لوگ مسلمان ہوتے ہیں، انہیں مارا جاتا ہے، ستایا جاتا ہے، گھروں سے نکالا جاتا ہے،  
بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا ہے، ان کی جائیدادیں چھینی جاتی ہیں اور ان کی تجارتیں برباد  
کر دی جاتی ہیں۔ اسی کے ساتھ یہودیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اس وقت ہم کھلے بندوں  
سوولے رہے ہیں، بدکاریاں کر رہے ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو یہ مزے کہاں؟ خدا  
تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ تم صبر اور نماز کا پروگرام شروع کرو، صبر کی بدولت تم اپنی اندرونی  
قوتوں سے واقف ہو کر دشمنوں کے خوف اور ظلم سے نکل جاؤ گے اور نماز کی بدولت  
تمہارا نفس پاک اور تمہارا قومی نظام مضبوط ہو جائے گا اور کوئی بھی اندرونی کمزوری یا  
بیرونی دشمن تمہارا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ مصیبت کا علاج بتانے کے بعد فرمایا  
کہ اصل چیز خوف خدا ہے۔ جب تک دلوں میں خدا کا خوف نہ ہو، اس پروگرام پر عمل  
نہیں ہو سکتا۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا کہ پہلے خاشعین بن جاؤ تو پھر اس پروگرام پر عمل

کر سکو گے۔ آج کی آیت میں اسی لفظ خاشعین کی تشریح ہے۔

اے ایمان والو! اصل سوال یہ تھا کہ کمزور انسانوں میں صبر اور نماز کی طاقت کیسے پیدا ہو؟ خدا نے جواب یہ دیا، پہلے یہ سمجھ لو کہ تم کو بہر حال اس دنیا سے مرنا ہے اور پھر اپنے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ جب موت کا نکتہ سمجھ لو گے تو دشمن کا ختم ہو جائیگا، توپ اور تلوار کا ڈر ختم ہو جائے گا، قتل اور پھانسی کا ڈر ختم ہو جائے گا۔ جو شخص موت کے لئے تیار ہو وہ کسی طاقت سے بھی نہیں ڈر سکتا۔ ہم کل کے سبق میں بتا چکے ہیں کہ صبر کے معنی کیا ہیں؟ جب آپ اندرونی طاقتوں سے واقف ہو کر سچائی کے مقام پر اپنے قدموں کو جما دیتے ہیں اور پھر انہیں قدموں پر کھڑے ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں تو آپ صابر ہیں۔ آج کی آیت آپ کو یہ بتاتی ہے کہ آپ میں یہ عظیم الشان طاقت صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ دو باتوں پر آپ کا ایمان ہو۔ ایک اس پر کہ آپ کبھی موت سے نہیں چھوٹ سکتے۔ دوسرے اس پر کہ موت کے بعد آپ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ خاشعین وہ ہیں جن کا دل ان دونوں باتوں سے گداز ہو اور وہ کسی وقت بھی خدا اور موت کی حاضری کے خیال سے غافل نہ ہوں۔

اے ایمان والو! آج ہزار ہا مسلمان کہلانے والے لوگ صبر اور نماز کی قوتوں سے محروم ہو کر قسم قسم کی کمزوریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان کمزوریوں کا اصل سبب یہ ہے کہ آپ کا دل موت کے یقین سے اور اللہ تعالیٰ کی حاضری سے غافل ہو گیا ہے۔ آؤ! ایک دفعہ یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہماری موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، کسی دشمن کے ہاتھ میں نہیں ہے اور پھر دشمنوں کے مقابلے میں کھڑے ہو جائیں اور خدا کی راہ میں نہ توپ کی پروا کریں، نہ تلوار کی، نہ بم کی اور نہ ہوائی جہاز کی۔ نہ قید کی اور نہ قتل کی۔ نہ تجارتوں کے لٹنے کی اور نہ اولاد کے کٹنے کی۔ ان سب نقصانوں کا جواب اللہ کی حاضری ہے۔ جب تم بارگاہِ رحمت میں جا کر کھڑے ہو گے تو رحمتِ خداداد ہی کا ایک ہی چھینٹا ان سب نقصانوں کو پورا کر دے گا۔



بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۶۸) اپنی قدیم تاریخ کو دیکھو  
 ۴۷- یٰبَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي  
 اے بنی اسرائیل تم یاد کرو احسان میرا جو میں نے کیا تم پر اور میں نے  
 فَضَّلْتُكُمْ بڑا کیا تم کو۔ عَلَى الْعَالَمِينَ جہان والوں سے۔

یہودیوں کے سامنے سلسلہ وار نئی نئی باتیں پیش کر کے خدا کے قانون پر چلنے کی  
 ترغیب دی جا رہی ہے۔ اب تک انہیں چار باتیں یاد دلائی گئی ہیں (۱) خدا کے احسانات  
 (۲) یہودیوں کا اپنا قومی وعدہ جو انہوں نے خدا کے قانون کی اطاعت کے متعلق کیا تھا  
 (۳) خود ان کی کتاب توریت کے اندر کی باتیں جن میں صاف طور پر پیغمبر اسلام کے آنے  
 کا ذکر ہے (۴) یہودی علماء کی وعظیں جن میں وہ عوام کو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آنے  
 والا ہے۔ یہ چار باتیں یاد دلانے کے بعد ان کی چار اندرونی کمزوریوں پر روشنی ڈالی گئی  
 ہے جن کے باعث وہ قبول اسلام سے رکے ہوئے تھے (۱) ماسوا طاقوں کا خوف (۲)  
 چھوٹے چھوٹے ذاتی فوائد کا خیال (۳) کچھ سچ اور کچھ جھوٹ ملا کر گذراوقات کرنے کی پالیسی  
 (۴) صحیح عقل سے کام لے کر اپنی آخرت کا خیال نہ کرنا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہودیوں کو قبول اسلام میں دو خطرے نظر آتے تھے۔ ایک یہ کہ  
 ہم دشمنان اسلام کے حملوں، تکلیفوں، مصیبتوں، بھوک پیاس کا مقابلہ کس طرح کریں گے  
 دوسرے یہ کہ ہم سود، بیابان، عیاشی، آرام طلبی، شراب اور راک رنگ وغیرہ کو کس  
 طرح چھوڑیں گے؟ قرآن نے پہلی بات یہ کہی کہ صبر اور نماز کا پروگرام شروع کرو اور اپنی  
 روحانی طاقت کو بھی قائم کرو اور اپنے ذہنی نظام کو بھی مضبوط بناؤ، پھر یہ دونوں خطرے  
 خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ آج دوسری بات یہ کہی ہے کہ تم اپنی قدیم عظیم الشان تاریخ  
 کو یاد کرو اور اس سے جو انفرادی اور عظمت کا سبق سیکھو۔ تم وہی ہو کہ اس دنیا میں کوئی

مبھی قوم تمہاری ثانی نہیں تھی، پھر آج تم کو کیا ہو گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی تکلیفوں اور لذتوں سے ڈر کر قبول حق کی جرات نہیں کرتے۔ جو بات اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے فرمائی، وہ آج آپ پر بھی صادق آتی ہے۔ آج آپ انہی باطل پرستوں سے خائف ہیں جو کل اہل ایمان کے سامنے بیہ مخوں کی طرح کانپا کرتے تھے، کیا آپ اسی عظیم الشان قوم کے فرزند ہیں جو کبھی تلم دنیا کی پناہ تھی، پھر آپ کے آج کے ڈر کے کیا معنی؟ آپ کی کمزوری کا راز یہ ہے کہ آپ نے اپنے اصولوں کو چھوڑ دیا ہے۔ آؤ، بزرگان اسلام کی عظیم الشان تاریخ سے سبق سیکھیں اور خود بھی عظیم الشان بن جائیں۔

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۴۹) اپنی آخرت کا فکر کرو

۲۸۔ وَالْقَوْمَ الَّذِي لَآ يَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ

اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی اور نہ قبول کیا جائے

مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ

اسکی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائیگا اس سے معاوضہ اور نہ ان کو مدد دی جائیگی

آیت کا مطلب یہ ہے۔ اس دن سے ڈرو جبکہ کوئی شخص کسی کے کچھ کام نہیں آئیگا

اور نہ اس کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کوئی بدلہ یا معاوضہ وصول کیا جائیگا

اور نہ کسی اور قسم کی مدد دی جائے گی۔ مطلب یہ کہ تم لوگ دنیوی فائدوں کا خیال کرتے ہو،

کچھ آخرت کا بھی خیال کرو کہ وہاں کیا ہوگا؟ اگر آخرت کے معاملے کی اہمیت کو سمجھتے ہو تو

اسلام کی اطاعت سے دل مت چراؤ۔

اسے ایمان والو! آپ روزانہ دنیا کے کاروبار کو دیکھ رہے ہیں۔ آپ کے پاس روپیہ

نہیں ہوتا تو آپ کسی دوست یا بھائی سے اوجھار لے لیتے ہیں۔ آپ کو ملازمت نہیں ملتی، تو

آپ کسی بڑے آدمی کی سفارش لے جاتے ہیں۔ آپ کوئی جرم و خطا کر بیٹھتے ہیں تو رشوت یا معاوضہ

دے کر رہا ہو جاتے ہیں۔ آپ کسی مصیبت یا ضرورت میں پھنس جاتے ہیں تو سفارش لے جا کر منت

کر کے، خاندان کا نام لے کر، دھوکا دے کر، زبردستی کر کے یا بہانہ کر کے چھوٹ جاتے ہیں یا اپنا کام نکال لیتے ہیں، لیکن قیامت میں ایسا نہیں ہوگا۔ وہاں کا قانون اس دنیا کے قانون سے بالکل الگ ہے۔ چونکہ یہ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے اس لئے آپ اپنے بچاؤ کے لئے ہر قسم کی تدبیر، کوشش، حیلہ، بہانہ، رشوت، معاوضہ اور سفارش سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن اس دنیا میں سرے سے عمل اور کوشش کا نام ہی موجود نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمل کی دنیا انسان کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے اور موت کے بعد جو دنیا شروع ہوتی ہے، وہ صرف جواب دینے اور پھل پانے کی دنیا ہے۔ آپ جو کچھ یہاں سے لے جائیں گے وہاں اس کو تول کر معاوضہ دے دیا جائے گا اور اس سے زیادہ اور کچھ بھی کاروائی نہیں ہوگی۔ پچھلے سبقوں میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ یہودی لوگ دنیا کی چند روزہ لذتوں اور نقصان کا خیال کر کے اس دنیا سے بھاگتے تھے پہلے انہیں کہا گیا کہ نماز اور صبر سے طاقت حاصل کرو، پھر کہا گیا کہ اپنی عظیم الشان تاریخ سے سبق لو اور چھوٹے چھوٹے فائدوں اور نقصانوں کے لئے اپنی قوی عظمت کو برباد نہ کرو۔ اب انہیں کہا گیا ہے کہ موت کے بعد کی زندگی کا جو ہمیشہ رہنے والی ہے، خیال کرو۔ یہاں تو چالاکي تدبیر، حیلہ بازی، رشوت اور سفارش سے چھوٹ جاتے ہو، وہاں کیا روگے؟

اسے بندگانِ خدا! یہودی لوگ، قانونِ خدا کی اطاعت سے صرف اس لئے محروم ہے کہ قیامت کے معاملہ پر انہوں نے نظر نہیں ڈالی۔ وہ زندگی بھر صرف اسی دنیا کی بات سوچتے رہے لیکن موت کے بعد کی بات پر انہوں نے ذرا بھی غور نہ کیا۔ افسوس کہ آج ہمارا حال بھی یہی ہے، ہم حکومت، لیگ، کانگریس، ممبری اور ملازمت کی باتیں سوچتے ہیں اور اپنے دنیوی مفاد کے لئے نقصان بھی اٹھاتے ہیں اور تکلیفیں بھی سہتے ہیں مگر خدا کی صحیح تعلیم کی پیروی کے کچھ بھی نہیں کرتے حالانکہ یہ دنیا صرف چند روزہ ہے اور آخرت ہمیشہ ہے۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام فرعونی قتل اطفال

۴۹- وَرَادُ نَجْمِكُمْ مِّنَ الْفِرْعَوْنَ يَسْؤُمُونَكَ سُوءَ الْعَذَابِ  
 اور جب ہم نے بچایا تمکو فرعون والوں سے وہ دکھ دیتے تھے تمکو بڑا دکھ  
 يَذَّبِحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ  
 وہ ذبح کرتے تھے بیٹے تمہارے اور جیتی رکھتے تھے عورتیں تمہاری اور اس میں آزمائش تھی  
 مِّنْ دَبِّكُمْ تَمَّارَةً رَبِّكُمْ عَظِيمٌ بَرِيءٌ- آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ  
 وقت یاد کرو جبکہ ہم نے فرعون کے لوگوں سے تم کو نجات دی۔ وہ لوگ تمہیں بہت  
 تکلیفیں دیتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے  
 تھے اور یہ بات تمہارے لئے خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی آزمائش بنی ہوئی تھی۔

اسے بندگان خدا! بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے۔ مصر  
 میں انہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے بسایا تھا۔ حضرت یوسف نبی بھی تھے اور خلیفہ  
 بھی۔ لیکن جب اولاد یعقوب کے عمل بگڑ گئے تو حکومت ختم ہو گئی اور وہ غیروں کی  
 غلامی میں ذلت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کے بادشاہ کا لقب فرعون تھا۔ حکومت  
 کے نشے نے فرعون کے دماغ کو اس قدر بگاڑا کہ وہ خود کو خدا کے برابر سمجھتا تھا۔ اس  
 وقت بنی اسرائیل بہت ذلیل تھے۔ ایک رات فرعون کو خواب میں یہ معلوم ہوا کہ بنی  
 اسرائیل کے ہاں بچہ پیدا ہوگا اور وہ اُس کی حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ اب فرعون  
 نے اپنی ظالمانہ حکومت کی حفاظت کے لئے یہ آرڈینینس (قانون) جاری کر دیا کہ اسرائیلی  
 گھروں میں بچے بچے کی پیدائش کا حساب رکھا جائے، ان کا ہر لڑکا قتل کر دیا جائے اور لڑکیاں  
 زندہ رکھی جائیں۔

فرعون کا آخری مقصد یہ تھا کہ یہودیوں کی فوجی اور جنگی طاقت کو اس درجہ ختم کر دیا

جائے کہ ان کی ساری کی ساری قوم، صرف لڑکیوں کی قوم بن جائے۔ حاکم قوم، جوانوں کو پیدا کرے اور بنی اسرائیل والے ان کے لئے اپنی لڑکیاں بہم پہنچایا کریں۔ اوپر کی آیت میں بتایا گیا، اسے بنی اسرائیل! جب مصر میں تمہاری ایسی بری حالت ہو چکی تھی تو ہم نے فرعون کو تباہ کیا اور تمہیں آزادی اور خود مختاری کا تاج پہنایا۔ پھر اب تم کیوں دشمنان اسلام سے ڈر کر قبول اسلام کا جو صلہ نہیں کرتے اور کیوں اپنی قدیم تاریخ سے ہمت اور جوانمردی کا سبق سیکھ کر حمایت حق میں کھڑے نہیں ہوتے؟

اسے ایمان والو! فرعون کی طرح ہر ظالم حکومت کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ غلام قوموں میں فوجی طاقت پیدا نہ ہو۔ فرعون کا دل صاف تھا، اس واسطے وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو تلوار سے قتل کر دیتا تھا۔ مگر آج کل کی ظالم حکومتیں نہایت مکاری کے ساتھ اپنی ماتحت قوموں کے بچوں کو قتل کر رہی ہیں۔ وہ سکول بنا کر، فیشن میڈل کر، سینما میں بھیج کر، ہتھیار چھین کر، خطابات اور عہدے دے کر، مذہبی غیرت کو مٹا کر چکلے اور شراب خانے کھول کر، نفاق ڈال کر، بے دینی پھیلانے کے جوانوں کو عورتوں کی قوم بنا رہی ہیں۔ لیکن یہ حکومتیں خواہ کچھ بھی کریں، آخر کار فرعون ہی کی طرح ان کے منصوبے بھی ناکام ہوں گے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر دنیا کی ہر ایک غالب قوم، سچ مچ بھی فرعون بن جائے تو پھر بھی آپ آزاد ہو سکتے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ آپ کا فروں کی چالوں سمجھیں اور قانون الہی کی اطاعت کی تلوار لے کر مقابلہ کے میدان میں اتر آئیں۔ فرعون مٹ گیا اور حضرت موسیٰ (ع) کو فتح ہوئی، ابو جہل مٹ گیا اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فتح ہوئی۔ آج پھر ابو جہل اور فرعون برباد ہوں گے اور حق پرست کامیاب ہو جائیں گے ایک دفعہ پوری آواز سے نعرہ لگاؤ، فرعون مردہ باد، اسلام زندہ باد۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی  
 ۵۰۔ وَاذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ  
 اور جب پھاڑا ہم نے تمہارے سمندر میں بچایا تم کو اور ڈبوایا ہم نے فرعونوں کو  
 وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ اور تم دیکھتے تھے۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ وقت  
 یاد کرو جبکہ ہم نے تمہارے گزارنے کے لیے سمندر کو پھاڑا تھا، پھر تم کو غرق ہونے سے بچالیا اور  
 فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا اور تم اس نظارے کو دیکھ رہے تھے۔

عزیزان اسلام! حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل کو آزادی دی  
 جائے۔ فرعون یہ چاہتا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا سکتے رکھے۔ آخر کسی مقابلوں کے  
 بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ بحر قلزم کے کنارے پر آئے تاکہ مصر سے  
 نکل کر شام اور سینا کے علاقوں میں داخل ہو جائیں، ٹھیک اسی وقت فرعون بھی اپنی فوجوں  
 کے ساتھ آپہنچا۔ بنی اسرائیل کے لئے یہ وقت نہایت ہی نازک اور خطرناک تھا۔ ان کے  
 آگے سمندر کی موجیں لوفان اٹھا رہی تھیں اور ان کے پیچھے فرعون کی خونخوار فوج تلواریں لئے  
 حملہ آور ہو رہی تھی۔ اس وقت پھر رحمت خداوندی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ  
 پر وہ معجزہ دکھایا جس کی مثال نہیں ملتی۔ یاد ہر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قدم بڑھایا  
 ادھر سمندر میں جزر آگیا، سمندر پھٹ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر  
 پار ہو گئے۔ فرعون نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ اسی راستے سے گزرنا چاہا مگر سمندر کی موجیں  
 مل گئیں اور ان کی آن میں فرعون اور اس کی فوجیں ملیا میٹ ہو گئیں۔

عزیزان اسلام! اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ اگر آپ کے آگے سمندر اور پیچھے فرعون  
 موجود ہو تو پھر بھی آپ کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ ایمان کی طاقت  
 پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور دشمن کے سامنے اپنے سر کو جھکانا نہیں چاہئے۔ آپ بنی اسرائیل

کی حالت پر غور کریں۔ وہ فرعون کی فوجوں اور سمندر کی موجوں کے درمیان اس طرح پھنسے ہوئے تھے کہ اس وقت کوئی دانا سے دانا آدمی نجات کا خیال تک نہیں کر سکتا تھا تاہم نجات ہوئی، خدا کی رحمت نے سہارا اور وسیلہ پیدا کیا، نہ صرف یہ کہ نجات ہوئی بلکہ فرعون بھی ڈوبا اور اس کی فوج بھی برباد ہوئی، اس واسطے آپ یہ مت خیال کیجئے کہ آپ کے لئے عزت اور خلافت حاصل کرنے کا راستہ بند ہے۔ اگر کوئی فرعون آپ کے تمام بچوں کو قتل کر ڈالے اور آپ کی قوم کو صرف عورتوں کی قوم بنا دے۔ اگر آپ کے ایک طرف آگ کا سمندر ہو اور دوسری طرف گولہ باری کی برسات ہو تو آپ کو پھر بھی نجات اور آزادی کا راستہ ملے گا۔ اس دنیا میں ناممکن کوئی چیز نہیں ہے۔ اس دنیا میں یا لوسی اور ناامیدی کوئی شے نہیں ہے۔ اس دنیا میں موت سے زندگی پیدا ہوتی ہے اور زندگی سے موت پیدا ہوتی ہے۔ آپ کے دل میں کبھی یہ وہم پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ آپ کا دشمن بہت قوی ہے، یا آپ کی حالت بہت زیادہ کمزور ہے۔ اصل سوال نہ دشمن کی قوت کا ہے اور نہ آپ کی کمزوری کا۔ بلکہ اصل سوال صرف یہ ہے، کیا آپ خدا تعالیٰ کے بتلائے ہوئے اصولوں پر چلتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں چلتے تو چلنے کی صورت پیدا کر لیجئے، پھر دریا آپ کو راستہ دیں گے، پہاڑ آپ کے لئے ہموار ہو جائے اور آسمان آپ کے لئے فرش بچھائیں گے۔ اے ایمان والو! آپ خدا کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کریں، خدا کو اپنا بادشاہ سمجھیں اور اس کے قانون کی پیروی کریں۔ پھر دنیا اور آخرت میں سرداری کے تاج آپ کے لئے ہوں گے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کی سچی تعلیم پر چلنے کے بغیر آپ کامیابی چاہتے ہیں تو ناممکن ہے۔ کامیابی کے لئے کوئی بنیاد چاہئے، حق اور باطل کس طرح ایک ہو سکتا ہے۔ اصلی اٹھان اور حقیقی ترقی کی راہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ قرآن کی پیروی کرو۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام یہود کی بچھڑا پرستی

۵۔ وَادَّا وَعَدْنَا مُوسَىٰ اٰذْ لَعَيْنٍ لَّيْلَةً ثُمَّ انخَضْتُمْ اَنْجُلًا مِنْ بَعْدِهَا

اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر پکڑا تم نے بچھڑا بعد اس کے

وَانتُمْ ظَالِمُونَ ۝۵۲ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

اور تم ظالم ہو پھر معاف کیا ہم نے تم کو بعد اس کے شاید کہ تم قدر مانو

آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو چالیس راتوں کے لئے کوہ طور پر بلایا تھا اور ان کے بعد تمہاری حالت

یہ ہوئی کہ تم نے سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر اسے پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن

گئے۔ اس جرم کے باوجود بھی ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

عزیزان اسلام! یہودیوں کی قومی تاریخ کے واقعات لگانا روہرائے جا رہے ہیں

اول اس لئے تاکہ وہ خدا تعالیٰ کے پہلے احسانوں کو یاد کر کے اب پھر اس کے قانون کو

ماننے سے انکار نہ کریں۔ دوم اس لئے تاکہ وہ اپنی پہلی عظمت اور شان کی طرف رغبت

کر کے اپنے حال کو درست کر لیں۔ سوم اس لئے تاکہ وہ دشمنان اسلام سے بے خوف ہو جائیں

اور یہ سمجھ لیں کہ جس خدا نے ہماری قوم کو بڑی بڑی مصیبتوں سے نکالا تھا، وہ آج بھی ہماری

قوم کی موجودہ مصیبتوں کو دور کر سکتا ہے۔ ان واقعات سے یہ مقصود بھی ہے کہ مسلمان

یہودیوں کے قومی ظلموں اور ناشکر گزاروں کو پڑھ کر یہودیوں کی موجودہ فطرت سے واقف

ہو جائیں۔ اوپر کی آیت میں یہودیوں کے ایک اور ظلم اور ناشکری کا ذکر کیا گیا ہے، خدا

تعالیٰ کا یہود پر احسان یہ تھا کہ اس نے انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دی، ان کے

لئے سمندر کو سچاڑا اور ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون کو غرق کر کے یہ بتا دیا کہ خدا

تعالیٰ ان پر کس قدر رحیم ہے، لیکن یہودیوں کی بد فطرتی کا حال یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام



صرف چالیس راتوں کے لئے اُن سے غیر حاضر ہوئے اور صرف اتنی سی مدت میں انہوں نے خدا کی اطاعت ترک کر دی اور سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر اُسے پوجنے لگے۔ اس واقعہ سے ایک طرف مسلمانوں پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایسی ظالم اور ناشکر گزار قوم کبھی خلافت الہی کی حق دار نہیں ہو سکتی اور دوسری طرف یہودیوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم لوگوں نے ہمیشہ خدا تعالیٰ کی مہربانیوں کو جھٹلایا ہے، اب تو باز آ جاؤ۔

اسے ایمان والا! یہودیوں کے ظلم، بے اصولی اور ناشکری سے یہ سبق ملتا ہے کہ خدا تعالیٰ خود کسی قوم کو ذلیل نہیں کرتا بلکہ قومیں خود ہی اپنی ناشکری اور بے اصولی کے باعث ذلیل ہو جاتی ہیں۔ دیکھئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے قوم کو فرعون جیسے ظالم بادشاہ کی غلامی سے نکالا اور آزادی کا تاج پہنایا۔ یہودی قوم کا دشمن فرعون ان کی آنکھوں کے سامنے غرق ہو گیا اور شام جیسے زر خیز ملک میں یہودی قومی حکومت قائم ہو گئی۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بے مثال احسان فرمائی کا یہودیوں نے یہ جواب دیا کہ وہ اُن کی صرف چالیس روز کی غیر حاضری میں خدا سے بھی باغی ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی باغی ہو گئے۔ یہ ناشکر گزار یہودیوں کا ہی حصہ نہیں ہے، ہر برباد ہونے والی قوم کی حالت یہی ہوا کرتی ہے۔ کیا آج آپ کی یہ حالت نہیں ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہمیت کو ذلت کے فرش سے اٹھا کر عزت کے عرش پر بٹھایا تھا، لیکن آج اسی قوم کے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اسلام کو مٹا رہے ہیں، وہ غیر طاقتوں کی جاسوسی کرتے ہیں، وہ غیر طاقتوں کی تنخواہوں، عہدوں، خطابوں اور اعزازوں پر خوش ہوتے ہیں، انہیں فوجی بھرتیاں دیتے ہیں اور اسلامی ملکوں کو برباد کراتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کی یہ ناشکری یہودیوں سے بھی بدتر نہیں ہے؟

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام مقصد کتاب

۵۳۔ وَاذِ ابْنِ آدَمَ إِتَيْنَا مُوسَىٰ آيَاتِنَا وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّ كُفْرًا تَهْتَدُونَ

اور جب وہی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کسوٹی شاید کہ تم ہدایت پاؤ

آیت کا مطلب یہ ہے، اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ

کو کتاب اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی کسوٹی دی تھی تاکہ تم درست راستے پر چلو۔

اس آیت میں یہود کو بتایا گیا ہے، تم اس چکر میں نہ پڑو کہ الگ الگ کتابیں کیوں

آئیں بلکہ تم اصل مقصد کی طرف دیکھو۔ سب کتابوں کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ،

ہدایت کے راستے پر چلیں، لیکن اگر یہودی لوگ تورات کو پڑھیں اور عمل نہ کریں یا سنانا

قرآن کو پڑھیں مگر عمل نہ کریں تو پھر صرف لفظوں کے دہرائینے سے خدا کی منشا کبھی پوری

نہیں ہو سکتی۔ آیت بتلاتی ہے کہ تورات کے بھیجنے کا مقصد لَعَلَّ كُفْرًا تَهْتَدُونَ تھا یعنی

یہ کہ تم ہدایت کے راستے پر چلو۔ اسی آیت میں تورات کو کتاب بھی کہا گیا ہے اور فرقان

بھی۔ فرقان کے معنی ہیں سچ اور جھوٹ، نیکی اور بدی اور حق و باطل کو نکھار کر الگ الگ

کردینے والی روشنی۔ خدا کے قانون کا آخری مطلب یہی ہوتا ہے کہ خدا کے بندوں کو حق و

باطل کی پرکھ کے لئے ایک ایسی کسوٹی دی جائے جس سے وہ ہر اچھے اور برے کو الگ الگ

پہچان لیں اور پھر برے کو چھوڑ دیں اور اچھے پر عمل کریں۔ فرقان کی جو نعمت حضرت موسیٰ

کو دی گئی، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر مکمل ہو گئی لیکن افسوس کہ ہم اس

کسوٹی پر اپنی زندگی کو نہیں پرکھتے اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ

کھرے اور کھوٹے مال کو پرکھنے والی کسوٹی تو ہمارے ہاتھ میں ہے لیکن ہم غیروں کا منہ تک نہ

ہیں، کئی انگریز کے در پر گرا ہوا ہے اور کوئی گاندھی جی کا بھگت بنا ہوا ہے، حالانکہ دنیا بھر کی

مشکلوں کا حل صرف یہ ہے کہ انسان، قرآن اور صرف قرآن کی پیروی کرے۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوتِ اسلام غلامی حق زندگی سے انکار  
 ۵- وَاذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اِقْتُلُوا قَوْمِي لَمَّا خَانُوا  
 اور جب کہا۔ موسیٰ نے اپنی قوم کو اسے تم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر کہ بچو  
 كُمْ الْعَجَلِ فَتَوَلَّوْا اِلٰى بَارِعِ كُمْ فَاَسْتَلَوْا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ  
 تم نے بچو اب توبہ کرو طرف خدا اپنے کے اور قتل کرو اپنی جانوں کو یہ بہتر ہے  
 لَكُمْ عِنْدَ بَارِعِ كُمْ فَاَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهُ هُوَ السَّابِقُ الرَّحِيْمُ  
 تمہارے پاس خدا تمہارے پس وہ پھرتا تم پر بیشک وہ وہی معاف کنیہ الاما صہ ربان  
 ارشاد ہوتا ہے اسے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے  
 کوہ طور سے واپس آکر اپنی قوم سے کہا، اسے قوم! یہ جو تم نے بچنے کی پوجا شروع  
 کر دی، تو یہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اب تم خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور خود اپنی  
 جانوں کو قتل کرو، تمہارے واسطے خدا کے ہاں یہی بہتر ہے لیکن اس کے بعد خدا نے  
 تمہیں معاف کر دیا۔ بیشک وہی معاف کرنے والا ہے۔

عزیزانِ اسلام! آپ جانتے ہیں کہ فرعون یہ چاہتا تھا کہ اپنے جیسے انسانوں پر  
 حکومت کرے مگر یہ بات خدا کو منظور نہیں ہے کہ کوئی انسان خدا کے سوا، کسی اور قوت  
 یا طاقت کی غلامی کرے اس واسطے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تاکہ وہ  
 ہزار ہا مظلوم انسانوں کو ایک ظالم انسان کی غلامی سے چھڑائیں اور قانونِ خدا کی اطاعت  
 کا سبق سکھائیں۔ جب بنی اسرائیل آزاد ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے  
 کوہ طور پر گئے تاکہ ان کے لئے خدائی قانون حاصل کریں مگر بنی اسرائیلیوں نے آپ کی  
 غیر حاضری میں سونے اور چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر اس کو پوجنا شروع کر دیا۔ یہود کی  
 اس حرکت پر انسانی زندگی کی ذلت کی حد ہو گئی۔ خدا نے رحیم نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام

کو اس لئے بھیجا تھا تاکہ انسان، انسان کی بھی غلامی نہ کرے۔ لیکن یہود نے جو انسان کی غلامی سے آزاد ہو چکے تھے۔ اب دھات کے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ انسانیت کی یہ وہ موت تھی جس سے بدتر انسان کے لئے کوئی اور موت نہیں ہو سکتی۔ جو شخص جاندار ہو اور پھر بے جان کی پوجا کرے، اُس کے لئے عقل، منطق اور انسانیت کی یہ فیصلہ کرنا چاہئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کے لئے دیا۔ آپ نے یہ فیصلہ دیا، تم لوگ زندہ ہو، لیکن ایک مردہ بت کو پوج رہے ہو، پس تم نے خود اپنے عمل سے اپنی زندگی کی نفی کر دی ہے، لہذا تم خود ایک دوسرے کو قتل کر کے اپنی زندگیوں کو ختم کر ڈالو۔ اگرچہ قرآن نے یہ صراحت نہیں کی کہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ مگر توریت میں لکھا ہے کہ لوگ تلوار لے کر نکلے اور جو جس کے قابو آیا اُسے قتل کیا گیا اور اس طرح ایک دن میں تیس ہزار آدمی قتل ہوئے۔

اس سخت حکم میں ایک بہت بڑا راز ہے، اُسے سمجھنا چاہئے۔ زعون کی غلامی کے باعث بنی اسرائیل کے اکثر لوگوں کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ قتل کے سوا ان کا کچھ بھی علاج نہ تھا۔ وہ ایسی خشک اور بوسیدہ لکڑی بن چکے تھے جو جلانے کے سوا کسی بھی کام کے لائق نہ تھی۔ پس آئندہ نسلوں کی درستی کے لئے گندے مواد کا پریش کیا گیا تاکہ گھاس پھوس ختم ہو جائے اور صرف آن والے اور جابر لوگ باقی رہ جائیں اور وہ احکام خدا پر عمل کریں۔ اس کے بعد یہودی لوگ تائب ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا جرم معاف کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو شخص خدا کا بندہ ہو کر کسی غیر طاقت کے قانون کی غلامی کرتا ہے، وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے اپنی زندگی ہی کے حق کو ضائع کر دیا۔ آؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فیصلے کی روشنی میں اپنی حالت پر غور کریں۔ ہم میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو کسی بھی فیصلے کی پابندی نہیں کرتے، حضرت موسیٰ نے ایسے ہی ناکارہ لوگوں کی قتل سے صفائی کرائی تھی۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام موت کے بعد زندگی

۵۵۔ وَإِذْ قُلْتُمْ لِمُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تَرَىٰ لِلَّهِ جَهَنَّمَ

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم یقین کریں گے تیرا جب تک نہ دیکھیں اللہ کو ظاہر

فَاخَذْنَاكُمْ بِالضُّعْفَةِ وَأَنْتُمْ تُنظَرُونَ ۵۶۔ ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكَ

پھر کپڑا تم کو بھلی نے اور تم دیکھتے تھے پھر کھڑا کیا ہم تم کو تمہاری موت کے بعد

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم شکر گزار بنو۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ

وقت یاد کرو جبکہ تم نے یہ کہا تھا، اے موسیٰ! جب تک ہم خدا کو نہ دیکھیں، ہم تیرا

یقین نہیں کریں گے۔ پس بھلی نے تم کو آلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر موت کے بعد خدا

نے تم کو زندگی دی تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

عزیزان اسلام! فرعون کی غلامی نے بنی اسرائیل کو نہایت ہی ذلیل عادتوں کا

مجموعہ بنا دیا تھا۔ ان سے عزت، دانائی اور وقار کا مادہ جاتا رہا، ان کی طبیعت کسی اصول

اور قاعدے کی پابند نہیں ہوتی تھی، ان کو ڈنڈے کے بغیر کام کرنے کی بالکل عادت نہیں تھی

انہوں نے آزادی کا مطلب صرف یہی سمجھا تھا کہ جو زبان پر آیا، کہہ دیا اور جو کچھ دل میں

گرا، کر ڈالا۔ ان کی ذلت کی یہ انتہا تھی کہ جب وہ فرعون کی غلامی سے چھوٹ گئے تو پھر سے ہی

کو اپنا معبود بنا لیا اور غلامی کی عادت پوری کرنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ نے انہیں عملی فائدہ

پہنچایا تھا اور فرعون کی ذلیل ترین غلامی سے نکال کر عزت اور آزادی کی زندگی بخشی تھی۔

اب حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے اس زندہ معجزے کے بعد انہیں کچھ بھی ضرورت نہیں تھی کہ

وہ ان پر بے اعتمادی ظاہر کرتے۔ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے ان سے کبھی معاذرہ نہیں مانگا

تھا، وہ اپنے کو کسی سلطنت کا بادشاہ بھی بنانا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ

میں بھی خدائی اطاعت کرتا ہوں اور تم بھی خدا کی اطاعت کرو۔ لیکن بنی اسرائیل پر نہ تو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بے مثال کارناموں کا کچھ اشراف اور نہ ان کے خلوص اور بے نفسی کا۔ جب بنی اسرائیل پر حضرت موسیٰ کے متعلق کوئی بھی حجت باقی نہ رہ گئی تو انہوں نے آخری بات عرض کر دی کہ جب تک خدا ہمارے سامنے نہیں آئے گا، ہم تمہاری بات کا اعتبار نہیں کریں گے۔ بنی اسرائیل کو اس نامعقولیت کا جواب بھلی نے دیا اور اس سے عقلی طور پر بھی ان کی موت ہو گئی اور جسمانی طور پر بھی ان کی موت ہو گئی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے پھر بھی کرم کیا اور خلافت عطا فرمائی تاکہ وہ پھر سنبھل جائیں۔

عزیزان اسلام! اوپر کی آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ اگر قدرت کی طرف سے کبھی آپ کو سزا ملتی ہے یا انعام دیا جاتا ہے تو دونوں صورتوں میں قدرت کا منشا یہ ہوتا ہے کہ تم خدا کی نعمتوں کی قدر کرو اور اس کے شکر گزار بندے بن جاؤ۔ یہود کی ناشکری کی یہ انتہا ہے کہ وہ خدا کی غلامی کے لئے تو یہ شرط لگاتے تھے کہ ہم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن فرعون کی غلامی کے لئے ان کے پاس کوئی بھی شرط موجود نہیں تھی اور اسی طرح بچھڑنے کی غلامی کے لئے بھی کوئی شرط نہیں تھی۔ جب کسی قوم کا زوال اس حد تک پہنچ جائے تو سمجھنا چاہئے کہ یہی اس کی موت ہے، عقل کی بھی موت، جسموں کی بھی موت۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حیات بخشیاں بھی دیکھتے کہ اس نے اس درجہ کی مردہ دل، مردہ عقل اور مردہ جسم اور بچھلی زدہ قوم کو زندگی بھی عطا فرمائی اور حکومت بھی بخشی۔ اس واقعہ میں تمام مردہ دل قوموں کے لئے زندگی کا بہترین سبق موجود ہے۔ اسے عزیزان اسلام! آپ کتنے بھی کمزور ہوں، آپ کے لئے آزادی اور انقلاب کا راستہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اگر آپ پر بنی اسرائیل کی طرح سچ سچ بھی بھلی گرجائے جو آپ کی تمام جسمانی، روحانی اور عقلی قوتوں کو فنا کر ڈالے تو پھر بھی آپ کو کبھی بالوس نہیں ہونا چاہئے۔ جب بھی آپ قرآن پاک پر عمل کریں گے، آپ کامیاب ہوں گے۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام باولوں کے نیچے آزادی

۵- وَظَلَلْنَا عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَظَلَلْنَا عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اور سایہ کیا ہم نے تم پر باول کا اور آٹا تم پر من اور سلوی

كَلْبًا مِنْ قَبْلَتِكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا

کھاؤ ستھری چیزیں جو وہی ہم نے تم کو اور نہیں انہوں نے ظلم کیا ہم پر لیکن تمہو

الْفُسُوقِ اِنِّي جَانُوں پر يَطْلُمُونَ ظلم کرتے۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ اسے بنی اسرائیل

ہم نے تمہیں وہ زندگی دی جبکہ تم پر ہم نے باولوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور سلوی آٹا

کہ ہماری بخشی ہوئی یہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ لیکن انہوں نے اس زندگی کو بھی نہیں نبھایا،

اور انہوں نے ہمارا تو کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنی جانوں ہی کا نقصان کرتے رہے عرق

سے آنے والے لوگ بتاتے ہیں کہ رات کو بعض وزخوں پر شہد جیسی چیز شبنم کی طرح جم

جاتی ہے جیسے لوگ جمع کر کے کھاتے ہیں اور اسے من کہتے ہیں۔ سلوی پرندہ کا نام ہے

عزیزان اسلام! فرعون کی بادشاہی میں بنی اسرائیل کو طرح طرح کے دکھ دیکھے جاتے

تھے، ان کے لڑکوں کو قتل کیا جاتا تھا، ان کی لڑکیاں حاکم قوم کے جوانوں کے سپرد کر دی

جاتی تھیں، ان پر عورت اور آزادی کی زندگی حرام تھی۔ اسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام

تشریف لائے اور آپ نے فرعون اور فرعون کی حکومت دونوں کو ختم کر دیا اور ہزاروں بنی اسرائیل

کے ساتھ بحر قلم سے گذر کر شام اور سینا کے جنگلوں میں داخل ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ انہی مخلوق

کیلئے جنگلوں میں نہ تو گھر تھا، نہ مکان تھا، نہ باورچی خانہ تھا اور نہ دالان اور ڈیوڑھی والے۔ اس

وقت بنی اسرائیل کی صاف اور ساواہ زندگی یہ تھی کہ یہ یورپی کی یورپی قوم خدا کے باولوں کے

نیچے رہتی تھی اور من اور سلوی کھاتی تھی بنی اسرائیل کا فرض یہ تھا کہ وہ اس نہایت ہی لذت

پاکیزہ اور بے فکر زندگی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بخالائے اور یہ سمجھتے کہ جنگل میں آزادی کے

ساتھ رہنا، شہروں کی غلامانہ زندگی سے ہزار درجہ اچھا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا دل و دماغ بالکل اندھا ہو چکا تھا اور وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ درختوں کے خوشگوار سائے میں بیٹھنا، دریاؤں کی خوش رفتار موجوں کے ساتھ گھیلنا، بے فکری کی راتوں میں سونا اور آزادی کی صبحوں میں جاگنا، خداوند پاک کی کیسی عجیب اور لطیف نعمتیں ہیں! آیت بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل اس زندگی پر بھی خوش نہ ہوئے اور حضرت موسیٰ ؑ سے اصرار کرنے لگے کہ ہمیں کسی شہری زندگی میں داخل کیجئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا یہ مطالبہ پھر ایک ظالمانہ مطالبہ تھا انہوں نے خدا کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ وہ جو کچھ بھی کرتے تھے، اپنی جانوں کا نقصان کرتے تھے۔

اے ایمان والو! قرآن پاک آپ کو آزادی کا گیت سناتا ہے اور یہ پیغام دیتا ہے کہ بادلوں کے سایہ کے نیچے رہو مگر آزاد رہو۔ افسوس کہ آپ اس نعمت خوشگوار کی لذتوں سے بھی بے نصیب ہوئے جاتے ہیں۔ آج آپ کو آزادی کی پروا نہیں، صرف شہری لذتوں کی پروا ہے، سینما کی پروا ہے، آوارہ گردی کا شوق ہے، بستر پر لیٹے رہنے کا چاہو ہے، بن سنور کر نکلنے کی حرص ہے، ریشمین رومالوں اور اطلسی جاموں میں لیٹنے کی امنگ ہے، حالانکہ اسلامی زندگی کی شان تلواروں میں ہے، مسلمان نوجوان جب صحراؤں میں پلتے تھے تو انہوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں الٹ دیں لیکن یہی نوجوان جب پھولوں میں تلنے لگے تو زندگی نے انہیں کانٹے کی طرح عزت کے راستے سے الگ ہٹا دیا۔ آؤ، ایک دفعہ پھر شہروں کی غلامانہ لذتوں کے جال توڑ دیں۔ سینماؤں کو آگ لگا دو، بستروں کو لپیٹ دو، عورتوں جیسے کپڑے اتار ڈالو اور اپنے اندر اس زمانے کے مسلمانوں کی شان پیدا کرو جبکہ مسلمان قرآن اور تلوار کے سوا کسی دوسری شے سے واقف نہیں تھے جبکہ حضرت عمرؓ بڑے پرسوتے تھے اور قیصر و کسریٰ ان کے نام کا پتے تھے، جبکہ حضرت علیؓ جو کی روٹیاں کھاتے تھے اور مفروضام کی زمینیں ان کے نام سے تھرتھراتی تھیں۔ آؤ! خدا کے قانون کی اطاعت کریں اور خدا کی خلافت کے مستحق بن جائیں۔



تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوتِ اسلام و داعی انتشار

۵۔ وَرَادُ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ

اور جب کہا ہم نے داخل ہو اس شہر میں پس کھاؤ اس میں جہاں

سَشْتُمُ رَغَدًا وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَاذْكُوا حِطَّةً نَغْفِرْ

چاہو با فراغت اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کر کر اور کھو حِطَّةً تاکہ ہم بخشیں

تَاكُفِّرُ خَطِيئَتِكُمْ وَ س نَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝

واستے تمہارا خطائیں تمہاری اور عنقریب ہم زیادہ دینگے نیکو کاروں کو

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اصرار کیا کہ ہم جنگل میں نہیں رہیں گے،

ہمیں کسی شہر میں لے چلے تو حکم آیا اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جب ہم نے کہا

کہ اس شہر میں داخل ہو اور یہاں جو چاہو، فراغت کے ساتھ کھاؤ، مگر دروازہ میں سجدہ

کر کے داخل ہونا اور زبان سے حِطَّةً کا لفظ کہتے جانا تاکہ ہم تمہاری خطائیں بخشیں اور نیک

عمل کرنے والوں کو زیادہ بھی دیں گے۔ حِطَّةً کے معنی ہیں معافی۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت کا مطلب اگلی آیت کے ساتھ مل کر پورا ہوتا ہے۔ یہاں

اسی قدر سمجھ لیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکل

کر جنگل میں بسایا تھا تاکہ شہری زندگی کے تکلفات، برائیاں اور آرام طلبیاں چھوٹ

جائیں اور وہ سپاہی بن جائیں۔ مگر وہ جنگل میں رہنے پر رضامند نہ ہوئے، اس پر یہ حکم

ہوا کہ اچھا شہر میں داخل ہو لیکن صرف اتنی پابندی ہے کہ جب دروازہ شہر سے گزرے تو سجدہ

کر و اور زبان سے حِطَّةً کا لفظ کہو۔ یہ کچھ بھی پابندی نہ تھی لیکن وہ اس کو بھی پورا نہ کر سکے۔

کیونکہ ان کی طبیعت فرعون کی غلامی کے باعث بہت آوارہ ہو چکی تھی۔ حکم تو یہ تھا کہ وہ حِطَّةً کا

لفظ کہیں مگر انہوں نے حِطَّةً کہنا شروع کر دیا جس کے معنی تھے کھاؤ پیو۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوتِ اسلام غلامانہ ذہنیت کی انار کی

۵۹۔ فَ بَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَ

پس بدل لی جنہوں نے ظلم کیا بات سولے آگے جو کہی گئی تھی ان کو پس  
أَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ  
اتارا ہم نے اوپر ان کے جنہوں نے ظلم کیا عذاب آسمان سے کیونکہ تھے وہ نافرمانی کرتے

عزیزانِ اسلام! بنی اسرائیل کو صاف طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ ہمیں شہر میں آباد ہونے کی  
اجازت دی جاتی ہے۔ وہاں تم کو آزاد اور با فراغت کھانا ملیگا اور اس کے علاوہ تمہاری کھلی

خطائیں بھی معاف کر دی جائیں گی۔ لیکن ان تین فوائد کے ساتھ پابندی صرف اتنی ہے کہ جب

تم دروازہ شہر پر پہنچو تو سجدہ کرو اور پھر حِطَّة کا لفظ کہہ کر شہر میں داخل ہو جاؤ مگر غلاموں

کا دماغ دیکھئے، ان سے اتنا ڈپسٹن بھی دکھایا نہ گیا، چنانچہ کئی لوگ جب شہر میں داخل ہوئے

تو وہ حِطَّة کی بجائے اور کا اور لفظ کہتے چلے گئے۔ یہ لوگ غلامی کی زندگی میں آف کیے

بغیر اپنے لڑکے اور لڑکیاں قتل اور بے عزتی کے لئے فرعون کی ڈنڈا پولیس کے حوالے کر

دیتے تھے مگر اب انہوں نے آزاد زندگی کی قدر یہ کی ہے کہ حکم خدا کو مان کر صرف ایک نفل

حِطَّة بھی پابندی کے ساتھ ان کی زبان سے نہیں نکلا۔ آپ یقین کیجئے کہ جو بھی قوم

غلامی میں پڑی رہے گی، اس کے دماغی انتشار کی بالکل یہی کیفیت ہوگی۔

عزیزانِ اسلام! آپ فرض کیجئے کہ آج ہندوستان کے کالجوں میں یہی حکم دیا جاتا ہے

میں پوچھتا ہوں، وہاں کیا ہوگا؟ بعض لڑکے شغل کے طور پر حِطَّة کہیں گے۔ بعض لڑکے

شرارت کے طور پر حِطَّة کہہ دیں گے۔ زیادہ منطقی لڑکے کہیں گے، یہ کیا فضول بات ہے؟

اس حِطَّة اور حِطَّة ہیں کیا پڑا ہے چنانچہ وہ چپ چاپ ہی گذر جائیں گے۔ لیکن اگر شہنشاہ

جاپان یا ہٹلر کی طرف سے ہلکی نوجوانوں کو حکم دیا جائے کہ تم جب بھی کبھی کسی بیکر ہال میں جاؤ

دروازے کے سامنے سیدھے ہو۔ پھر فوجی سلام کرو اور آخر میں حِطَّة کہہ کر ہال میں داخل ہو جاؤ

آپ یقین کیجئے کہ جرمنی اور جاپان کے نوجوان عمر بھر اس حکم کی اس طرح تعمیل کریں گے کہ گویا ان کے لئے یہ ایک قومی فریضہ اور فوجی آرڈر ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکال کر عرصہ تک جنگوں میں رکھا تھا تاکہ وہ شہری خود سری اور خود پرستی کی عادتوں سے نکل کر سپاہیانہ زندگی کے آداب سیکھیں مگر اب داخلہ شہر کے وقت یہ معلوم ہوا کہ ابھی قوم سپاہیانہ نظام سے ہرت دور ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں داخل ہو کر یہ قوم پھر قحط، وبا، طوفان وغیرہ میں مبتلا ہو گئی۔ عزیزان اسلام! آج ہماری حالت بھی بالکل یہی ہے، اگرچہ آپ کا خدا، رسول، قبلہ اور قرآن ایک ہے، لیکن آپ کے قومی نظام کی حالت یہ ہے کہ آپ کے دس آدمی بھی کسی ایک لفظ پر جمع نہیں رہے۔ آپ وضو کرتے ہیں تو جرابوں کے مسج پر آپ کا جھگڑا ہے، نیت نماز میں الفاظ کے کہنے یا نہ کہنے پر جھگڑا ہے۔ پھر امام کے پیچھے الحمد کے پڑھنے یا نہ پڑھنے پر جھگڑا ہے، پھر آمین، رفع یدین پر جھگڑا ہے، التعمات میں انگلی اٹھانے پر جھگڑا ہے، آپ کے سیاسی جھگڑے اس سے بھی زیادہ زیادہ ہیں۔ آج آپ کی صحیح حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جانچ دے کہ سب مسلمان ایک لفظ حطہ پر اتفاق کر لیں اور خلافت لے لیں تو مجھے یقین نہیں کہ اس پر بھی سب قوم کا اتفاق ہو، کوئی کہیگا، یہ تحریک اٹھائی کس نے ہے؟ کوئی کہیگا کہ یہ سب کچھ لیگ کو نقصان پہنچانے کیلئے ہے کوئی کہیگا کہ یہ سارا پیٹ کا مصالحہ ہے، کوئی کہیگا، دو ٹوں کے لئے یہ نیا چکر چلایا گیا ہے، صرف عوام نہیں، خود لیڈروں میں اتفاق نہیں ہوگا۔ مولوی کچھ کہیں گے، احرار کچھ اور، خاکسار کچھ اور، مرزائی کچھ اور، بریلوی کچھ اور۔ آپ پوچھیں گے، ہماری قوم میں کیوں ایک فرضی لفظ پر اتفاق نہیں ہوتا، صرف اس لئے کہ ہم کو آزادی کی قدر نہیں ہے، ہم ڈنڈے کے بغیر مٹی میں نہ جاتا ہی نہیں ہیں، سالہا سال کی غلامی نے ہمارے دماغوں کو قومی نظام کے رخ پر سوچنے کی طاقت سے محروم کر دیا ہے۔ ہماری اس دماغی انارکی کا نتیجہ وہی ہے جو بنی اسرائیل کو ملا۔ یعنی آسمان عذاب آیا اور وہ دلیل ہو کر رہ گئے۔ آج ہماری غریبی، بھوک، قحط اور ارتداد ہماری اسی غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہیں

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوتِ اسلام  
 علامہ ذہنیت

۶۰- وَرَآءُ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِ ۙ وَ قُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ

اور جب پانی مانگا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے پس کہا ہم نے مار اپنے عصا پھر کو

وَ قُلْنَا اضْرِبْ مِنْهُ اشْتَمَتَا عَصَا قَدْ غَلَبَتْهُمَا اَنْسَابُ مَشْرِبِ

پس جاری ہو گئے اس سے بارہ چشمے تحقیق جان لیا برگروہ نے گھاٹ

دھڑکا پنا۔ آیت کا مطلب یہ ہے اسے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو، جب حضرت موسیٰ نے

اپنی قوم کے واسطے پانی مانگا اور ہم نے انہیں کہا کہ اپنا عصا چٹان پر مارو۔ اس سے

بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بنی اسرائیل کی ہر جماعت نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔

عزیزانِ اسلام! بنی اسرائیل شہروں میں رہتے تھے، جب فرعون کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو

حضرت موسیٰ نے انہیں شہروں سے نکالا اور جنگلوں میں بسایا، تاکہ وہ شہروں کی بری عادتیں

بھول جائیں، سادہ رہنے اور سادہ کھانے کی عادت ڈالیں اور آزادی، بے فکری اور سپاہیانہ

زندگی کی قدر کو سمجھنے لگیں مگر جنگل کی بے پائیزی اور آزاد زندگی بھی انہیں پسند نہ آئی۔ اب

شہری عادتیں پورا کرنے کی خاطر انہیں پھر شہروں میں بسایا گیا۔ لیکن یہاں وہ بے اعتدالیوں کرنے

لگے جس سے شہر میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی اور ان کے ستر ہزار آدمی مر گئے۔ اس پر حضرت

موسیٰ نے انہیں پہاڑی علاقوں میں لے آئے۔ یہاں انہیں پانی کی ضرورت ہوئی جسے حضرت

موسیٰ نے بحکم خداوندی ایک پہاڑی چٹان سے حاصل کیا۔ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ آپ

کو غلاموں کی ذہنیت بتائی جائے جن لوگوں کو غلامی کی عادت ہو جاتی ہے، ان کا حال بالکل

بنی اسرائیل کا سا ہو جاتا ہے، وہ کسی حال میں خوش نہیں ہوتے، وہ جہاں جاتے ہیں، نکتہ چینی

کرتے ہیں، پہلے شہروں میں تھے تو فریاد کرتے تھے پھر جنگل میں آئے تو یہاں بھی شور کرنے لگے،

پھر شہروں میں گئے تو وہاں بے اعتدالیوں شروع کر دیں، یہاں سے پہاڑوں میں آئے تو آب پانی

کو ترسنے لگے۔ بنی اسرائیل کے حال سے سبق سیکھو، دیکھو، غلامی بڑی لعنت ہے۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام علمائوں کو آزادی دے دو پھر  
 کَلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَ لَا تَلْشَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ  
 کھاؤ اور پیو خدا کی روزی سے اور خرابی نہ ڈالو زمین میں فساد مچاتے  
 یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی، کھاؤ پیو اور فساد ہی بن کر ملک میں خرابی نہ پھیلاؤ  
 عزیزان اسلام! یہ سبق اس لئے لکھے جا رہے ہیں تاکہ قرآن کی ہدایت آپ تک پہنچائی  
 جائے، اس واسطے ہم فضول بحثوں اور جھگڑوں کی باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں، آج یہ اشارہ  
 کر دینا ضروری ہے کہ یہ جھگڑے پیدا کس طرح ہوتے ہیں؟ کھل کی آیت کے لفظوں کا مطلب  
 صرف یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو پانی کی ضرورت تھی، پانی کے بارہ چشمے بحکم خداوندی ایک  
 چٹان سے عصارا کر حاصل کئے گئے ہیں۔ یہ واقعہ بالکل صاف ہے، پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے  
 پھوٹتے ہیں اور معمولی ماہرین طبقات زمین، مٹی کی صرف شکل دیکھ کر بتا دیتے ہیں کہ یہاں  
 سے پانی یا تیل وغیرہ نکلیں گے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ عام حالات میں بھی اس واقعہ پر کوئی  
 اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جب ایسے سادہ واقعات کے متعلق بھی بعض مفسرین یہ لکھ  
 دیتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے یہ پتھر ساتھ لے لیا تھا، جب مقام ہوتا تو اسے رکھ کر پانی  
 کے چشمے حاصل کر لیتے اور جب کوچ ہوتا تو اسے ساتھ اٹھا لیتے، تو اس سے ضرور جھگڑا  
 پیدا ہوتا ہے۔ ایسے جھگڑوں کی اصل بنیاد صرف ہماری غلامانہ ذہنیت ہے۔ ہم سبق نہیں  
 لیتے بلکہ لفظی جھگڑا شروع کر دیتے ہیں اور سادہ معاملے کو بھی عمل اور ہدایت کی بجائے،  
 بحث و اختلاف اور لفظی جھگڑوں میں الجھا دیتے ہیں۔

عزیزان اسلام! ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک شکاری نے ایک جانور پکڑا  
 اور پتھر سے میں ڈال دیا اور وہیں ایک عرصہ تک اسے کھلاتا پلاتا رہا، یہاں تک کہ اس جانور  
 کی فطرت شکاری اور پتھر سے کی وفاواری میں پختہ ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب جانور نے آزادی

کا مطالبہ کیا تو شکاری نے اسے چھوڑ دیا۔ اب یہ جانور بہت خوش ہو کر اڑا اور اس نے اسی شکاری کی چھت میں اپنا گھونسل بنا لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندوستان کی آزادی طلبوں کی حالت بھی یہی ہے۔ اگر انگریز انہیں چھوڑ بھی دیتے ہیں تو وہ پھر بھی اپنی کی چھت کے نیچے (سوراج زیر سایہ برطانیہ) اپنا گھونسل بنا لیتے ہیں۔ مسلمانوں نے بھی قرآن کے ساتھ یہی کیا ہے۔ قرآن تو ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ جن قوموں کو غلامی کی چاٹ لگ جائے ان کی ذہنیت کیسی ہو جاتی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جنگل میں بسایا تو وہ من اور سلوٹی پر راضی نہیں ہوئے۔ پھر شہر میں آباد کرایا تو وہ وہاں کی آزاد شہریت پر بھی خوش نہ ہوئے۔ اب پہاڑوں اور چشموں میں طرح اقامت ڈالی تو یہاں بھی خوش نہیں ہوئے۔ قرآن پاک کا مطلب یہ تھا کہ جن قوموں کی فطرت حکومت کے ڈنڈے سے ہی سے مانوس ہو چکی ہو، ان کے دلوں کو قدرت کا کوئی بھی آزاد نظارہ نہیں بھاتا۔ قرآن نے تو ہمیں آزادی فضا میں اڑایا تھا مگر ہم بنی اسرائیل کے غلام بھائی اس بلند فضا میں اڑ ہی کہاں سکتے تھے اس واسطے ہم یہاں بھی جھگڑوں ہی میں الجھ گئے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ چشمے کیونکر چھوٹے؟ کوئی کہتا ہے بارہ ہی کیوں چھوٹے؟ کوئی کہتا ہے بنی اسرائیل پتھر کو ساتھ لئے پھرتے تھے اور ہر جگہ اس سے چشمے نکال لیتے تھے۔ یہ ساری بحثیں ہماری غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہیں۔ قرآن ہمیں کہتا ہے، "آزادی" اور ہم کہتے ہیں، "آزادی کیا؟ اصل چیز تو جھگڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ہر آیت جو آزادی کا پیغام تھی مگر آج جھگڑے کا ذریعہ بنی ہوئی ہے بلکہ اب ہم قرآن کو پڑھتے ہی بحث اور جھگڑنے کیلئے ہیں۔ آج کی آیت میں بنی اسرائیل کو پھر اصل حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے تمہیں آزادی دی ہے، اب کھاؤ پیو، ملک میں فساد کیوں کرتے ہو؟ خدا تعالیٰ کی یہ نصیحت بھی بالکل ہمارے حال کے مطابق ہے۔ ہندو مسلمان جب بالکل غلام تھے تو کچھ امن سے رہتے تھے مگر جب سے صوبہ بھارتی آزادی ملی ہے، خوب فساد ہو رہا ہے۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہماری غلامانہ ذہنیت آزادی کی قدر نہیں کر سکتی

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوتِ اسلام آزادی کا غلط استعمال

۱۱- وَرَأَى قُلُوبَهُ يَمْسِي لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ نہیں صبر کریں گے اوپر ایک کھانے کے پس بلا

لَنَا رَبِّكَ يُخْرِجُ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ مَّحَلِّهَا

واسطے ہمارے اپنے رب کے ہمارے لئے جو کچھ اگتا ہے زمین سے ساگ اس کا

وَقِتْنَاءِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلِهَا ط قَالَ أَسْتَبِدُّونَ

اور گٹھی اسکی اور گیہوں اسکی اور سور اسکی اور پیاز اس کا کہا کیا تم بدلتے ہو

الَّذِي هُوَ آذَنِي بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ط

وہ چیز جو ادنیٰ ہے بدلے اس چیز کے جو بہتر ہے

آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ تم نے حضرت

موسیٰ ؑ کو کہا کہ ہم ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے۔ تم ہمارے لئے خدا کو پکارو کہ جو چیز

زمین اگاتی ہے وہ ہمارے لئے پیدا کرے یعنی زمین کا ساگ، گٹھی، گیہوں، سور اور

پیاز۔ حضرت موسیٰ ؑ نے جواب دیا، کیا تم اعلیٰ چیز کو ادنیٰ چیز سے بدلنا چاہتے ہو؟

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں پھر بنی اسرائیل کی غلامانہ ذہنیت کو ظاہر کیا گیا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں قدرت کی آزاد بہاروں میں ٹھہرایا، تو اتھا مگر یہ رہ رہ کر

فرعون کی غلامانہ زندگی کے ادنیٰ ترین چسکوں کو بار بار یاد کرتے تھے اور تڑپتے تھے، حضرت

موسیٰ ؑ نے جس جنگل میں انہیں ٹھہرایا وہاں انہیں شہد اور گوشت تازہ ملتا تھا

مگر یہ رہ رہ کر ساگ، گٹھی، گیہوں اور سور کو یاد کرتے تھے اور انہی چیزوں کا مطالبہ کرتے

تھے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے انہیں نہایت اصولی جواب دیا اور فرمایا، کیا اس دنیا میں کوئی

ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ چیزوں کو قبول کرے یا آزادی کے بدلے

غلامی کو چاہے یا صرف زبان کے چسکے کے لئے آزاد زندگی کی بے قدری کرے؟ حضرت موسیٰ کا جواب کتنا اچھا تھا مگر بنی اسرائیل پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔ کیونکہ فرعون کی غلامی میں رہتے رہتے ان کے دل کی بناوٹ ہی کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ وہ ڈنڈا پولیس کے سوا کسی چیز کو بھی نہیں جاننے تھے۔ جب ان کو جنگل میں رکھا تو وہ کہنے لگے، شہر میں جائیں گے۔ جب شہر میں بیماری پڑی تو وہ پہاڑوں پر چل دیئے۔ اب شہر اور گوشت ملنے لگا تو پیاز اور مسور کا نام لے لے کر رونے لگے۔ وہ دینی خلافت جو اس قوم کو دی جانے والی تھی، اس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ سادگی کے ساتھ صرف ایک کھانے پر گذر کرنا سیکھیں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ خلافت کے جنگی میدانوں میں دسترخوان نہیں بچھائے جاسکتے مگر بنی اسرائیل کو قومی مستقبل کا ذرا بھی خیال نہیں تھا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم کو قومی حکومت ملے یا نہ ملے مگر پیاز کی چٹنی ضرور ملے۔ بنی اسرائیل کی زندگی کی یہ تصویر ظاہر کرتی ہے کہ غلام قوموں میں ناشکر گزاری کی روح کتنی مضبوط ہوتی ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیجئے کہ ناشکر گزاری کا مطلب کیا ہے؟ جب کسی شخص سے جبراً اور دباؤ اٹھالیا جائے اور پھر وہ اپنے دلی احساس سے ہر شے کا حق اور فرض ادا کرے تو ناشکر گزاری ہے اور اسی کا نام آزادی ہے لیکن اگر جبراً اور دباؤ اٹھالینے کے بعد ہم غلط کاری، فساد اور ظلم پر آمین تو یہ غلامانہ ذہنیت ہے اور اسی کا نام ناشکر گزاری ہے۔ پھر بنی اسرائیل، ہمیشہ اپنی آزادی کو کبھی صحیح استعمال نہیں کرتے تھے اور افسوس کہ اب ہماری حالت بھی یہی ہے۔ ہم صرف اسی وقت صحیح کام کرتے ہیں جب انگریز کا چابک سر پر ہو لیکن اگر یہ دباؤ ہٹالیا جائے تو پھر ایسا ہوگا کہ ہم ہر کام کو بگاڑیں گے، ہر معاملہ میں خیانتیں کریں گے، بات بات پر جھگڑا کریں گے، اچھے کاموں کو چھوڑ دیں گے اور برے کاموں میں چمٹ جائیں گے۔ یہ صرف ڈیڑھ سو سالہ غلامی کا نتیجہ ہے کہ ہمیں ہر ایک کام دباؤ کے ماتحت کرنے کی عادت پڑ گئی ہے، آؤ، اس ذلت سے نکلیں۔



تاریخی واقعات کی یاد دہانی شہر کو دعوتِ اسلام کا نثرانِ حریت کی سزا

اِضْبَطُوا مِصْرًا فَانَ كَمْرًا مَّا سَأَلْتُمْ وَ صَرَبَتْ عَلَيْهِمْ

اتر کسی شہر میں پھر بے شک تمکو (لیگا) جو کچھ تم مانگتے ہو اور طالی گئی ان پر

الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَ بَاءَتْ بِغَضَبِ اللَّهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ذلت اور محتاجی اور وہ آگے غضب میں اللہ کے یہ (ہوا) کیونکہ

كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ يُسْتَلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ اِحْتِطَاطٍ

تھے وہ کفر کرتے حکمِ خدا سے اور بارگاہِ نبیوں کو ناحق

جب بنی اسرائیل نے ساگ اور شرکانہی وغیرہ کا مطالبہ کیا تو حکم ہوا کسی شہر

میں ڈیرہ ڈالو جو کچھ تم مانگتے ہو وہاں تم کو مل جائے گا یہاں ان پر ذلت اور محتاجی

لوٹ پڑی اور وہ خدا کے غضب میں آگے کیونکہ وہ اللہ کے حکموں سے انکار کرتے تھے

اور نبیوں کا ناحق خون کرتے تھے

عزیزانِ اسلام! پہلے یہ دیکھئے کہ بنی اسرائیل کو کیوں عذاب دیا گیا؟ ان کا وہی قصہ

تھا جن میں آج ہم سب پھنسے ہوئے ہیں یعنی وہ آزادی کا صحیح استعمال نہیں جانتے

تھے، بالکل اسی طرح جس طرح ہندوستان کے عام مزدور بکری سے ہیں۔ جب تک مالک

سر پر ہوتا ہے، وہ کام کرتے ہیں، لیکن اگر وہ کام کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتے جاتے

کہ وہ بغیر کسی دباؤ کے خود اپنا فرض ادا کریں تو وہ ایک ہی منٹ میں اپنا کام چھوڑ کر

بیٹھ جاتے ہیں جب تک بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں رہے، وہ فرعون پر لوہے کو

اپنے لڑکے اور لڑکیاں تک قتل اور بے عزتی کے لئے دست دیتے ہیں لیکن جب وہ آزاد

ہو گئے تو اب ان کا وہی حال ہوا جو اب ہندو بھائی آزادی کے ہندوستانیوں کا مورخ ہے

کہ ہر طرف سے ہندو مسلم فساد اور نا انصافی کی صدائیں برابر چلی آ رہی ہیں۔ مختصر یہ کہ بنی

اسرائیل کا پہلا جرم یہ تھا کہ وہ فرعون کا دباؤ دھٹنے پر آزادانہ فضا میں ادا تے فرض سے بالکل قاصر ہو گئے۔ ان کا دوسرا جرم یہ تھا کہ وہ کسی حال میں بھی قرار نہیں پکڑتے تھے اور ہر ایک نعمت جو انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی تھی، اس کی ناقدری کرتے تھے۔ اگر انہیں کوئی بہترین چیز بھی دی جاتی تھی تو وہ اس کی سخت بے حرمتی کرتے تھے اور اس کو ذلیل اور حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں پرندوں کا گوشت دیا تو وہ مسورا اور پیاز کا مطالبہ پیش کرنے لگے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ جو قوم اچھی زندگی کو اور زندگی کی اچھی حالتوں کو اس طرح ٹھکرا دے، اس کو ذلت اور محتاجی کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ بنی اسرائیل کو جو ذلت اور محتاجی ملی، یہ ان کے جرم کی بالکل قدرتی سزا ہے۔ اس دنیا میں جب بھی کوئی قوم اچھائی یا آزادی کی بے قدری کرے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ برائی اور غلامی میں مبتلا ہو جائے گی جب آپ اچھے لیڈروں کی بے قدری کریں گے تو آپ پر یقیناً بڑے لیڈر مسلط کر دئے جائیں گے جب آپ اچھے اخبارات کی بے قدری کریں گے تو ہر طرف بڑے اخبارات کی بھرمار ہو جائے گی جب آپ خدا کے لئے جان و مال کی قربانی نہ کریں گے تو انگریز اور فرانسیسی آپ کو جنگ عظیم کے میدانوں میں فرج کرائیں گے۔ آپ یاد رکھئے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں صرف اسی قوم میں ہمیشہ باقی رہتی ہیں جو ان نعمتوں کی قدر کرے۔ ان واقعات سے سبق ملتا ہے کہ آپ اگر اچھی زندگی چاہتے ہیں تو آپ ہر اچھائی کی قدر کیجئے، آزادی اور آزاد خیال لوگوں کی قدر کیجئے۔ قربانی اور قربانی کرنے والوں کی قدر کیجئے۔ اچھے اخباروں اور کارکنوں کی قدر کیجئے۔ پھر آپ کی زندگی کا ہر قدم ترقی اور عروج کی طرف بڑھتا چلا جائیگا۔ آپ صرف یہ نہ سمجھئے کہ صرف بنی اسرائیل ہی نے نبیوں کو قتل کیا تھا۔ ہر قوم جو اخلاق، شرافت، آزادی اور نیکی سے منہ موڑتی ہے، وہ ایسی ہی ہے کہ گویا اس نے خدا کے بزرگوں کو قتل کر دیا۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام بدترین شہری

ذَلِكِ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝

یہ (ہوا) کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور تھے وہ حد سے گزرنے والے  
آیت کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو یہ سزائیں اس لئے دی گئیں کیونکہ وہ نافرمانی  
کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کی حدوں کو توڑ دیتے تھے۔

عزیزان اسلام! یہودیوں کے متعلق اب تک جو کچھ بیان ہوا، اس آیت کو ان سب کا پتھر  
سمجھنا چاہئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو جنگلوں اور پہاڑوں کی کھلی فضاؤں میں  
اس لئے بسایا تھا تاکہ وہ شہری عادتوں سے نکل جائیں، تکلفات سے چھوٹ جائیں اور درخت  
کی سادہ زندگی اور آزاد آب و ہوا میں رہ کر اپنے اندر سپاہیانہ روح پیدا کر لیں اور پھر ایک  
عظیم الشان قوم بن کر اور خلافت الہی کا تاج پہن کر ایک خدائی لشکر کی حیثیت سے دنیا  
میں زندہ رہیں۔ مگر یہودی پبلک نے نہایت ہی ذلیل شہری چسکوں کے لئے اپنے عظیم الشان  
قومی مستقبل کو فروخت کر ڈالا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ پیش کیا کہ آپ ہمیں  
کسی شہر میں لے چلیئے جہاں ہم کو لہسن، پیاز اور مسور مل سکے۔ آپ غور فرمائیے، حضرت  
موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہودی پبلک کی حالت کس قدر خراب تھی، انہیں ککڑی اور  
پیاز کا کھانا، آزادی اور خلافت الہی سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب  
کسی قوم کے افراد اس قدر پست خیال، کم ظرف اور بے احساس ہو گئے ہوں تو وہاں حضرت  
موسیٰ علیہ السلام کا یہ مشن کہ انہیں خلافت خداوندی کا تاج ملے، کس طرح پورا ہو سکتا  
ہے۔ ہر چند حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا لیکن یہ بد نصیب قوم نہ سمجھی، آخر کار  
انہیں شہر میں آباد کیا گیا اور وہاں یہ نافرمان لوگ پھر من آتی کاروائیاں کرنے لگے، جس کا  
نتیجہ یہ ہوا، ضَرْبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلٰلَةَ۔ وہ ایک دفعہ پھر بالکل ذلیل ہو گئے۔ وَالْمَلٰئِكَةُ

مسکین، محتاج اور کنکال بھی۔ وَبَاعُوا لِبَعْضٍ مِّنَ اللَّهِ۔ اللہ کا قہر و عذاب ان پر ٹوٹ پڑا۔ نہ کھانے کو روٹی اور نہ پہننے کو کپڑا رہا، ان پر نخواست سوار ہو گئی، بیماریاں ٹوٹ پڑیں اور وہ ہر طرف ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ اب آیت کا دوسرا حصہ دیکھئے جس میں بتایا گیا ہے کہ ان کی یہ حالت کیوں ہوئی؟

عزیزان اسلام! کفر و انکار کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی شخص عملی کاموں کے معجزات، نشان اور نمونے دکھائے اور آپ اس سے انکار کر دیتے ہیں۔ دوم یہ کہ آپ خدا کے دینی اور مذہبی احکام ماننے سے انکار کر دیں۔ سوم یہ کہ چند آدمی یا کوئی جماعت یا سوسائٹی، آپس کی بھلائی کے لئے چند کاموں کے کرنے کا فیصلہ کریں اور آپ ان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ چہاں یہ کہ خود آپ کی فطرت یہ چاہے کہ بعض نیک کام کئے جائیں مگر آپ ان کے خلاف چلیں۔ ۴۱ ویں آیت بتلاتی ہے کہ بنی اسرائیل پر جو ذلت، محنتی اور مقصبت کا عذاب اُترتا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں یہ چاروں قسم کے کفر اور انکار جمع ہو گئے تھے۔ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ كَافِرَاتٍ كَافِرَاتٍ۔ انہوں نے حضرت موسیٰ سے عملی کاموں کے لئے کسی نمونے، معجزے اور نشانات دیکھے مگر پھر بھی سر نہ جھکایا۔

يَعْتَدُونَ النَّبِيْنَ كَافِرَاتٍ كَافِرَاتٍ۔ انہوں نے نبیوں کے اصولوں پر چلنا اور خدا کا حکم ماننا تو درکنار، وہ حکم دینے والے سفیروں تک کو بھی قتل کر دیتے تھے۔ عَصَوْنَا كَافِرَاتٍ كَافِرَاتٍ۔ عاصی اور نافرمان تھے کہ وہ کسی سبک قرار داد کے یا سوسائٹی کے زیر اثر، شہری اور نیک کاموں پر بھی عمل نہیں کرتے تھے۔ كَاذِبَاتٍ كَاذِبَاتٍ۔ کاذب یا جھوٹے تھے کہ انسان کی فطرت اور ضمیر جن کاموں کے کرنے کا حکم دیتی ہے، وہ ان سے بھی انکار کر دیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اعمال کے بدلے میں خود ہی ذلیل ہو گئے۔ مسلمانو! سوچو، اب ہمارا کیا حال ہے؟

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام نجات انسانی کا قانون

۴۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرَىٰ وَالصَّبِيْئِيْنَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صباہی

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صٰلِحًا فَاِنَّ لَّهٗ

جو بھی ایمان لائیں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور کریں نیک کام پس واسطے ان کے

اَجْرٌ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ هُمْ فِيْ حَيٰٓةٍ وَّ لَا هُمْ يُخْزَوْنَ

ثواب ان کا پاس رب ان کے اور نہ خوف ان کو اور نہ وہ غم کھائیں گے

آیت کا مطلب یہ ہے، جو لوگ ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی بنے اور جو لوگ عیسائی

اور صباہی (ابراہیمی) ہوئے۔ ان میں سے جو بھی خدا پر ایمان لائیں اور یوم آخرت پر ایمان

لائیں اور نیک عمل کریں، ان کا ثواب خدا کے حضور محفوظ ہوگا۔ ان کے لئے کسی قسم کا

خوف اور کوئی بھی غمگینی باقی نہیں رہے گی۔

عزیزان اسلام! آپ نے کل کے سبق میں پڑھا تھا کہ یہودیوں کی عملی حالت یہ تھی

کہ وہ حد سے زیادہ ذلت کی زندگی گزار رہے تھے، حد سے زیادہ غریب اور محتاج ہو چکے

تھے اور اس کے علاوہ زندگی کی عام مصیبتیں، ناکامیاں اور حق تلفیاں بھی ہر وقت

ان پر برستی رہتی تھیں۔ پھر ان کے اعمال کی یہ حالت تھی کہ وہ نہ تو حضرت یوحنا علیہ

السلام کی عملی خدمتوں اور خدائی نشانوں کو مانتے تھے، نہ مذہبی احکام کو، نہ شہری

سمجھوتوں، پبلک قرار دادوں اور عام نیکی کی باتوں کو، اور نہ خود اپنی فطرت اور ضمیر کی

آواز کو۔ لیکن اس ذلیل حالت اور اس ذلیل عمل کے باوجود، یہ یہودی لوگ اپنے عبادت

خانوں اور تکیوں میں پڑے پڑے صرف زبان ہلا بلا کر یہ ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ ہم خدا کے

مقبول ہیں، ہمارے سوا کوئی بہشت میں داخل نہ ہوگا، ہم خدا کے بیٹے ہیں، آج دنیا میں

ہم سے بڑا اور سچا کون ہے؟ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اسی لاف زنی کا جواب دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ تم لاف زنی نہ کرو، اصل بات کو دیکھو، نجات کا سوال کچھ یہودیوں کا قومی سوال نہیں ہے، یہ تو سارے انسانوں کا سوال ہے اور وہ ایک اصول اور قانون پر طے ہوگا، یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ ہندوؤں کو اور باٹ سے تولے اور مسلمانوں کو اور باٹ سے۔ خدا تعالیٰ نجات کے معاملے میں عام انسانوں کو ایک ہی ترازو سے تولے گا اور اس کا ترازو یہ ہے، کوئی شخص مسلمان ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، صابی ہو، کوئی ہو، وہ سب کو ایک قطار میں کھڑا کر دے گا اور پھر یہ دیکھے گا کہ جو بھی شخص خدائی قانون کے مطابق خدا پر ٹھیک ایمان لایا ہوگا اور خدائی قانون ہی کے مطابق اپنے پاس نیک عملوں کا توشہ رکھتا ہوگا، خدا تعالیٰ اسے بدلہ دے گا، اسے بے خوف کر دے گا، اور اسے غموں سے نکال کر بہترین زندگی کا وارث بنا دے گا۔ خدا تعالیٰ کے ہاں اس بات کی پرکش نہیں ہے کہ تمہارا نام یہودی ہے یا مسلمان، یا تم نور محمدؐ کہلاتے ہو یا آتما رام تم وہابی ہو یا حنفی، تم احراری ہو یا لیگی۔ رسمی اور رواجی طور پر تمہارا نام، فرقہ اور قوم خواہ کچھ بھی ہو، اسے نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ خدا تعالیٰ صرف اس حقیقت کو دیکھے گا..... کیا تم اس قانون کے مطابق خدا پر ایمان لاتے؟ کیا تم اس کے قانون کے مطابق یوم آخرت پر ایمان لاتے؟ کیا تم اس کے قانون کی تشریح اور اس کے رسول کے نمونہ کے مطابق نیک عملوں کا توشہ اپنے پاس رکھتے ہو؟ جو شخص ان تینوں سوالوں کا صحیح جواب پیش کرے گا وہ کامیاب ہے، باقی سب فیل ہیں، خواہ ان کا نام کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ہے وہ قانون نجات جس پر تمام انسانوں کی پرکھ ہوگی۔ اے ایمان والو! سبق سیکھو اور درست ہو جاؤ۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام یہود کی عہد شکنی

۴۳- وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَ كَلْبٍ وَرَفَعْنَا فَوْقَ كَلْبِ الطُّورِ  
 اور جب نیا ہم نے اقرار تم سے اور اٹھایا ہم نے اوپر تمہارے پہاڑ  
 خذوا مَا اتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَذَكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ  
 پکڑو جو دیا ہم نے تمکو ساتھ قوت کے اور یاد کرتے ہو جو اس میں ہے شاید کہ تم پر ہیزگار بنو  
 آیت کا مطلب یہ ہے۔ جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور اس وقت کہہ طور تمہارے اوپر  
 بلند تھا۔ یہ کہ ہمارے قانون کو مضبوطی سے پکڑو اور جو احکام اس میں ہیں، انہیں یاد رکھو  
 مقصد یہ تھا کہ تم پر ہیزگار بن جاؤ۔

عزیزان اسلام! انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اتنا اختیار حاصل ہے کہ وہ نیکی اور  
 بدی کو پہچان سکتا ہے اور اپنی پسند کا راستہ اختیار کر سکتا ہے۔ اب انسان کی ساری نیکی  
 بختی اسی میں ہے کہ وہ اپنے اس اختیار کو خدا تعالیٰ کی مرضی کے ماتحت استعمال کرے۔ قانون  
 شریعت کے بھیجنے سے، نبیوں کے آنے سے، نعمتوں کے پیدا فرمانے سے اور تکلیفوں کے نازل  
 کرنے سے خداوند پاک کی آخری منشا یہی ہے کہ ہم اپنے اس اختیار کو بالکل صحیح طریقے پر  
 استعمال کریں۔ خدا کی یہ منشاء کیوں ہے؟ صرف اس لئے تاکہ ہمارا فائدہ ہو، ہم آرام پائیں  
 اور انسانی زندگی مکمل ہو جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
 تک جتنے بھی نبی بھیجے گئے، وہ سب اسی لئے بھیجے گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 کی بھی ساری کوششیں اسی خاطر تھیں کہ اسرائیلی لوگ درستی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قانون  
 کی اطاعت کریں لہذا حکم خدا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب ایک آخری تدبیر یہ کی کہ قوم  
 کو کوہ طور کے نیچے جمع کیا اور ان سے یہ اقرار لیا کہ پوری قوت کے ساتھ احکام خداوندی کی اطاعت  
 کرو اور خدا کے ہر حکم کو یاد رکھو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اس اقرار

سے میرا مقصد یہ ہے تاکہ تم پر سبز گارین جاؤ۔ یہود نے کوہ طور کے نیچے کھڑے ہو کر اطاعت  
شرعیہ کا عہد کیا مگر اس کا یہ نتیجہ ہوا:-

۶۲۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

پھر تم پھر گئے بعد اس کے پس اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر  
وَرَحْمَتُهُ أَوْ كُنْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِينَ۔ من الخسیرین نقصان اٹھانے والوں میں

آیت کا مطلب یہ ہے، اسے بنی اسرائیل! کوہ طور کے نیچے اقرار کرنے کے بعد تم پھر پھر  
گئے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی تم سے درگزر نہ کرتی کہ تم نقصان اٹھانے والوں

میں ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی غلامی نے یہودیوں میں کیسی کیسی اخلاقی

کمزوریاں پیدا کر دی تھیں۔ انہوں نے کئی طریقوں سے خدا کی نافرمانیاں کیں۔ اب تمام قوم کو کوہ

طور کے نیچے کھڑا کر کے اقرار لیا گیا مگر وہ اس پر بھی قائم نہ رہے، لیکن خدا نے پھر درگزر فرمائی اور

انہیں نقصان سے بچا لیا۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر کس درجہ مہربان

ہے۔ بندے خدا سے فریاد داری کا عہد کرتے ہیں، پھر بھول جاتے ہیں، پھر عہد کرتے ہیں، پھر

بھول جاتے ہیں۔ دن کو عہد ہوتا ہے، رات کو ٹوٹ جاتا ہے، رات کو عہد ہوتا ہے، دن کو ٹوٹ

جاتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کی حد ہے کہ وہ بندوں کی ہزاروں نافرمانیوں اور عہد شکنیوں

کے باوجود بھی اپنی رحمت کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ اس واقعہ سے ہم کو دو سبق ملتے ہیں، ایک

یہ کہ ہم کو بھی خدا کے خالقوں پر عمل کرنا چاہئے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں بدلہ لینے کی بجائے

صبر اور مہربانی سے پہلک کی اور اپنے تعلقداروں کی اصلاح کرنی چاہئے۔ دوم یہ کہ پہلک کی اصلاح

کرنیولے کس قدر تنگ کئے جاتے ہیں۔ آپ شروع سے لیکر بتک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوششوں کو دیکھئے

اور یہودیوں کی نافرمانیوں کو دیکھئے۔ جو بھی شخص اس دنیا کی اصلاح کیلئے کھڑا ہوگا، اس کے ساتھ ایسا

ہی سلوک کیا جائیگا۔ لیکن کام کرنے والوں کو ہمت نہیں ہارنی چاہئے۔ پھر خدا کی مدد ضرور ان کے ساتھ ہوگی



تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوتِ اسلام انسان سے بندہ

۶۵۔ وَ لَقَدْ عَلَّمْتُمُ الدِّينَ اَنْتُمْ دَا مُنْكَرٌ فِى النَّبْتِ فَا قُلْنَا

اور تحقیق تم جان چکے ہو جنہوں نے زیادتی کی تم میں ہفتے کے دن پس کہا تم

لَ هُمْ كُوْنُوا قِرْدَةً خَاسِيْنَ۔ ۶۶۔ فَ جَعَلْنَا هَا نَكَالًا لِّمَا

واسطے ان کے تم ہو جاؤ بندہ دھتکار سے ہوئے پس بنایا ہم نے اسکو عبرت واسطے ان

بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَعِبِْنَ ۝

موجود تھے جو اور جو پیچھے تھے ان کے اور نصیحت واسطے پرہیزگاروں کے

حکم ہوتا ہے اسے یہود! تم ان لوگوں کا انجام جان چکے ہو جنہوں نے ہفتے کے دن کے احکام

کی نافرمانی کی تھی۔ ہم نے ان سے کہا، تم انسانیت کا کچھ بھی کام نہیں کرتے۔ تم ذلیل بند بن جاؤ

یہ واقعہ ان سب لوگوں کیلئے باعث عبرت ہوا جو موجود تھے اور بعد آنے والے تھے۔ یہ پرہیزگاروں کے نصیحت

اسے بندگانِ خدا! خدا کی طرف سے بندوں کو بھٹنے بھی احکام دیتے گئے، وہ پابندی نظام

کی ایک مشق تھی۔ کیونکہ انسانی ترقی کے لئے سب سے زیادہ ضروری بات یہی ہے کہ ہم انسان

بن کر نظام کی پابندی کریں۔ آج بہترین ترقی یافتہ قوموں کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ

جان دے دیتی ہیں مگر اپنے نظام کو نہیں توڑتیں۔ یہودیوں کی سب سے بڑی بربادی یہی تھی

کہ وہ کسی اصول پر کھڑے نہیں ہوتے تھے، اس واسطے ان کی اخلاقی تربیت اور تنظیم کیلئے

لگاتار انہیں نہایت ہی بڑے بھلے بھلے احکام دیتے جا رہے تھے مثلاً ایک وقت انہیں یہ حکم

دیا کہ شہر کے دروازے کے سامنے حِطَّةً کہو اور اندر داخل ہو جاؤ۔ پھر ایک وقت انہیں یہ

حکم دیا گیا کہ ہفتے کے دن چھیلیوں کا شکار نہ کرو۔ اگر بنی اسرائیل ان احکام کی پابندی کرتے

تو آہستہ آہستہ ان کا قومی نظام قائم ہو جاتا اور پھر ایسا ہوتا کہ وہ ایک لیڈر کے اشاروں

پر چل کر دنیا کی تمام قوموں پر چھا جاتے لیکن بنی اسرائیل کا دماغ مستقل قومی فائدوں کی طرف

ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ صرف وقتی فائدوں کو دیکھتے تھے یعنی وہ جمعہ کے دن صرف اتنی بات سوچ لیتے تھے کہ اگر کل مچھلیوں کا شکار نہ کیا تو چند پیسوں کا نقصان ہوگا لیکن وہ اس پر ذرا غور نہ کرتے تھے کہ اگر ہفتے کے دن والے تھوڑے سے نقصان کے بدلے میں تمام قوم کا عمل، آواز اور نظام ایک ہو جائے تو اس سے آئندہ چل کر کتنے بڑے فائدے حاصل ہوں گے؟ بہر حال یہودیوں نے اس حکم کی بھی نافرمانی کی اور خدا و رسول کو دھوکا بھی دیا۔ یہ لوگ جمعہ کے دن دریا پر جاتے اور گڑھوں کے اندر دریا کا پانی بھر دیتے اور ہفتے کے دن اپنی گڑھوں کے پانی سے مچھلیاں نکال لاتے۔ جب باز پرس کی جاتی تو جواب دیتے کہ یہ مچھلیاں تو جمعہ کے دن والی ہفتے کے دن ہم نے دریا سے کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔ یہود کا یہ کام اور خدا اس قدر خلاف انسانیت اور ذلیل تھا کہ انہیں یہی کہا جاسکتا تھا کہ تم انسان نہ رہو بلکہ بندر ہو جاؤ۔ خدا نے ایسا کیوں کہا؟ تاکہ موجودہ اور آئندہ زمانوں کے لوگ سبق سیکھیں اور اس سے دنیا کے ہر پرہیزگار کو عبرت ہو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک جملہ باز، نافرمان اور قومی نظام کو توڑنے والے انسان کس قدر ذلیل اور خارج از انسانیت سمجھے گئے ہیں۔ یہاں تین باتیں دیکھئے۔ اول یہ کہ ڈارون کی تھیوری کے مطابق بندر سے ترقی پا کر انسانی شکل ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اب اگر انسان اس ترقی سے پیچھے ہٹ کر بگڑے گا تو وہ لازماً پھر بندر بنیگا۔ دوم یہ کہ آج کل جنسی تبدیلیوں کی درجنوں مثالیں بتائی جاسکتی ہیں کہ کئی عورتیں مرد اور مرد عورتیں بن گئے۔ سوم یہ کہ پچھلے دنوں امریکہ سے یہ خبر آئی تھی کہ وہاں ایک شخص بتدریج بندر بنتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی گالیں چمک گئی ہیں اور تمام جسم پر بال آگ رہے ہیں۔ یہ صرف اشارات ہیں، در نہ آیت کا مطلب بالکل صاف ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس انسان کو خدا نے بند کہہ دیا، وہ ہو گیا۔ جو انسان انسانیت کی حقیقت کو ضائع کرے وہ سچ سچ بند ہے، اگرچہ ہم شکل ہونے کی وجہ سے انسانوں کی مجلس میں بیٹھا ہو۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام تبلیغ دین میں فتنہ مذاق  
 ۴۔ وَاذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبُحُوا  
 اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے تحقیق اللہ حکم دیتا ہے تمکو یہ کہ تم ذبح کرو  
 بَقَرَةً ط قَالُوا آءَاتِنَا مَا نَحْنُ بِمُحْسِنِينَ هَهُوَ ط قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ  
 ایک گائے انہوں نے کہا کیا تو بنانا ہے ہمارا مذاق اس نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی  
 اَنْ یہ کہ ۔ اَكُوْنُ مِّنْ اَلْجَاهِلِيْنَ جاہلوں میں ۔  
 آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ حضرت موسیٰؑ  
 نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا تعالیٰ تم کو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس پر  
 قوم نے جواب دیا۔ اے موسیٰ! تو ہم سے مذاق کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، خدا کی پناہ  
 یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں جاہلوں میں شامل ہو جاؤں۔

عزیزان اسلام! یہ گائے کے ذبح کرنے کا قصہ سلسلہ وار چلے گا۔ اس لئے  
 یہاں پوری کہانی بیان کر دی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ سے  
 بنی اسرائیل کو حکم بھیجا تھا کہ وہ ایک گائے کو ذبح کریں۔ انہوں نے پہلی حجت یہ کی کہ  
 خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کو نادم کرنے لگے اور یہ کہا، کیا تو ہمارا مذاق اڑاتا ہے؟  
 اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا، خدا کی پناہ! میں ایسی جہالت کیسے کر  
 سکتا ہوں؟ اس کے بعد بنی اسرائیل نے دوسری حجت کی اور کہا، اے موسیٰؑ! اس  
 گائے کا وصف بیان کر دو۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ بھی بیان کر دیا۔ اب بنی اسرائیل نے تیسری  
 حجت پیش کی اور کہا، اے موسیٰؑ! اس گائے کا رنگ بتاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 نے یہ مطالبہ بھی پورا فرما دیا، اب بنی اسرائیل نے ایک چوتھی حجت کی اور کہا کہ ہم کو  
 زیادہ گایوں میں شبہ پیدا ہو رہا ہے، اس واسطے پوری تفصیل سے گائے کا وصف بیان کیجئے

اس پر حضرت موسیٰ ؑ نے پھر پوری تفصیل بیان کی اور بڑی مشکلوں کے بعد انہوں نے گائے کو ذبح کیا  
عزیزان اسلام! اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیلی لوگ کس قدر مکار، فریبی،  
چالاک، جھوٹے اور حیلہ باز تھے۔ اوپر کی آیت سے دو سبق ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ غلامی  
میں انسان کی ذہنیت کس قدر پست ہو جاتی ہے، وہ جھوٹا خود ہوتا ہے مگر جھوٹ کو  
تسلیم نہیں کرتا، شرمندہ نہیں ہوتا، بلکہ الٹا جھگڑا کرتا ہے، غلطی بتانے والے کے سر  
پر سوار ہونے لگتا ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کوشش کرتا ہے کہ نہایت چالاک کے ساتھ  
پیسے کو جھوٹا بنا دے اور اسے بدنام و شرمسار کر دے۔ اس کے برخلاف آزاد فطرت انسان  
کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سچ پر قائم رہتا ہے اور اگر کسی غلطی سے کوئی غلط کام اس سے  
ہو جائے تو وہ اس کو صاف تسلیم کر لیتا ہے، شرمسار ہوتا ہے اور بتانے والے سے معافی  
چاہتا ہے۔ اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ حیلہ بازی، بحث و جھگڑا اور مذاق،  
تین چیزیں جھوٹوں کا ہتھیار ہیں۔ پہلے وہ صحیح بات کو عذر، صفائی اور مکاری سے اڑا دیتا  
چاہتے ہیں۔ اس سے بات نہیں بنتی تو جھگڑا اور بحث کرنے لگتے ہیں، اگر اس میں بھی ہر جا  
ہیں تو ہنسی مذاق میں پڑ کر سچی بات کو اڑا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ ؑ کے  
جواب سے یہ سبق ملتا ہے کہ دین کے معاملے میں اور احکام الہی کی تبلیغ میں مذاق کرنا،  
جاہلوں کا کام ہے اور خدا تعالیٰ کے حکموں کو کبھی مذاق اور تمسخر کے رنگ میں خلق خدا کے  
سامنے پیش نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارے وہ واعظ جو صرف لوگوں کے بہلاوے کے لئے تبلیغ  
اسلام میں نقلیں کرتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں اور لطیفے سناتے ہیں، وہ احکام خدا کی بے  
حرمتی کرتے ہیں اور پبلک کے مذاق کو بھی بگاڑتے ہیں۔ مبلغین کا حق ہے کہ وہ جب بھی  
خدا کے حکم خلق خدا کے سامنے پیش کریں تو خائف اور متوجہ ہو کر پیش کریں تاکہ معلوم ہو کہ  
خدا کے بندے اپنے خالق و مالک کے احکام کو خوف، ادب اور عاجزی کے ساتھ سن رہے ہیں

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام بے عمل نکتہ چین  
۴۸۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يَا رَبِّنَا مَا

انہوں نے کہا تم بلاؤ واسطے ہمارے رب اپنے کو وہ بیان کرے واسطے ہمارے کیسی ہے

ہی ط قَالَ اِنَّ هَٰ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ لَّآ قَارِضٌ

وہ دگائے کہا بے شک وہ فرماتا ہے وہ ہے ایک گائے نہ بوڑھی

وَآدٍ يَّكْرَهُ عَوَانٌۭۢمۡ بَيْنَٰ ذٰلِكَ ط فَاَفْعَلُوْا مَا تُوْمَرُوْنَ

اور نہ بیابھی درمیان ہے ان حالتوں کے پس کرو تم جو کچھ تم کو حکم ہوا

آیت کا مطلب یہ ہے۔ بنی اسرائیل نے پوچھا، اے موسیٰ! اپنے خدا سے یہ پوچھ

کہ وہ جس گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، وہ کیسی ہے؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا

کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو بوڑھی ہے اور نہ بھیا ہے، بلکہ ان دونوں حالتوں

کے درمیان ہے۔ اب تم خود پہچان کر اسے ذبح کرو۔

عزیزان اسلام! کچھ یہ بات نہیں تھی کہ بنی اسرائیل اس گائے کو جانتے نہیں تھے، وہ

خدا کے حکم کو بھی جانتے تھے اور حکم کے مقصد کو بھی جانتے تھے، ان کی یہ تمام حجت بازی

صرف ان کی بد فطرتی کا نتیجہ تھی اور ان کی غلامانہ ذہنیت کو جھگڑے، بحث، سوال جواب

اور نافرمانی میں مزا ملتا تھا۔ آج بھی دنیا کی غلام قوموں کا یہی حال ہے، اس بارے میں

خود مسلمانوں کا حال سب سے بُرا ہے۔ اس ملک میں ہماری ترقی اور کامیابی کا مسئلہ

اسی قدر ہے کہ ہم سب مسلمان، بغیر کسی فرق کے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کریں، ہمارا

یہی ایک نصب العین ہو اور اس کے لئے پیدائش سے لے کر موت تک ہماری تمام کوششیں

وقف رہیں۔ یہ ایک ہی کام کی بات ہے، مگر ہم اسے نہیں کرتے اور ہم جو کچھ بھی کر رہے

ہیں، وہ صرف جھگڑا اور حجت بازی ہے۔ ایک لیڈر، ایک بات کہتا ہے اور دوسرا اس

کی تردید کر دیتا ہے۔ ہمارے جلسوں میں شور ہے، ہمارے اخباروں میں نفاق ہے، ہماری کمیٹیوں میں جھگڑا اور بحث ہے، ہماری مسجدوں میں اختلاف ہے اور کفر کے فتوے ہیں۔ ہم صبح سے لے کر شام تک دس ہزار جھگڑے کرتے ہیں مگر سال کے ۳۶۵ دنوں میں کام ایک بھی نہیں کرتے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ہم محسوس بھی نہیں کرتے کہ ہم بے عمل ہیں۔ اس دنیا میں کبھی جہاد کرنے والوں نے بھی اس قدر جوش و خروش نہ دکھایا ہوگا جس قدر کہ ہم حجت بازی اور بال کی کھال نکالنے میں ہر روز دکھاتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے ایک گائے کے معاملے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چند جھتیں کی تھیں، مگر ہم دین، دنیا، مذہب، سیاسیات، دوزخ، جنت، خدا، رسول، ملائکہ، شیطان ہر ایک معاملے میں ہزار ہزار جھتیں کر رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کی خوبی یہ تھی کہ چار سوالوں کے بعد آخر کار انہوں نے گائے ذبح کر دی، مگر ہم دس ہزار سوالوں اور جھتوں کے بعد بھی وہ کام نہیں کرتے۔ ہماری نکتہ چینیاں لا محدود ہیں اور ہماری جھتیں لامتناہی ہیں۔ اگر ہماری آج کی جھتیں پورا پورا جواب دے کر ختم کر دی جائیں تو ہم کل ہی دس نئی جھتیں اور لے آتے ہیں۔ تمام دنیا تعلیم، صنعت، تجارت، سائنس، جنگی تیاری، مالی اصلاح اور قومی تنظیم میں مصروف ہے۔ مگر ہم نفاق اور حجت بازی کے علم و فن کو ترتیب دے رہے ہیں اسے عزیزان اسلام! اسلام کا سبق سمجھو، ہر معاملے میں لڑائی کرنے اور اعتراضات اٹھانے کی پالیسی کبھی اچھے نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ جب تک حجت بازی سے نہ لکھو، تم خدا کی رحمتوں سے کبھی قریب نہیں ہو گے۔ افسوس ہے کہ آج کل مسلمانوں کا وقت، حکومت کو کانگریس کو، ہندوؤں کو اور آپس میں ایک دوسری پارٹیوں کو برا بتانے میں خرچ ہو رہا ہے۔ فرض کو یہ سب برسے ثابت ہو گئے ہیں۔ پھر کیا اسی بات سے آپ کو حکومت مل جائیگی؟ آپ کیوں اپنی طاقت اپنے آپ کو نیک بنانے میں خرچ نہیں کرتے؟ یاد رکھیے کہ عزت اور ترقی کی اصلی راہ یہی ہے کہ آپ خود اچھے بنیں۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام حجت بازمی کا چکر

۶۹۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْ تَهَا ط قَالَ

وہ کہنے لگے پکار ہمارے لئے اپنے رب کی وہ بیان کرے واسطے ہمارے کیا، رنگ اس کا اس کہا

إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ

بے شک وہ کہتا ہے وہ ہے ایک گائے زرد گہرا رنگ اس کا خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو

آیت کا مطلب یہ ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا، اے موسیٰ! اپنے خدا سے پوچھو کہ اس

گائے کا رنگ کیا ہے؟ جواب دیا، وہ فرماتا ہے کہ زرد بھڑک والا رنگ ہے اور دیکھنے والوں کو

بہت بھلا لگتا ہے۔ عزیزان اسلام! قرآن پاک کتاب فطرت ہے، وہ آپ کو بتاتا ہے کہ آپ

دنیا میں رہ کر ہر قوم اور ہر جماعت کی فطرت پہچان لیں اور پھر دھوکا نہ کھائیں، آپ

پہلے سبقوں میں مومنوں کی فطرت، کافروں کی فطرت، منافقوں کی فطرت، شیطان اور

ملائکہ کی فطرت، فاسقین کی فطرت، فرعون کی فطرت اور یہودیوں اور غلاموں کی

فطرت کا حال دیکھ چکے ہیں۔ ان آیتوں میں بے عمل حجت بازوں کی فطرت کا نقشہ بتایا جا رہا ہے

عزیزان اسلام! آپ پچھلے سبقوں میں پڑھ چکے ہیں کہ جس گائے کو ذبح کرنے کا اللہ

تعالیٰ نے حکم دیا تھا، پہلے تو بنی اسرائیل نے اس حکم ہی کو مذاق قرار دے دیا لیکن جب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ حجت توڑ دی تو پھر انہوں نے گائے کی عمر پوچھنی، جب عمر

بتائی تو رنگ پوچھ لیا، اس کے یہ معنی ہیں کہ جن لوگوں کو کام کرنا منظور نہیں ہوتا، ان کی

حجیتیں اور نکتہ چینیوں کو بھی ختم نہیں ہوا کرتیں۔ جب ان کے ایک اعتراض کا جواب دیا جاتا ہے

تو وہ زبان بدل کر جھٹ دوسرا اعتراض پیش کر دیتے ہیں، جب اسے بھی توڑ دیا جاتا ہے

تو وہ کوئی اور ایسے نکال لیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انہیں خود تو کوئی کام کرنا منظور نہیں

ہوتا لہذا مارے حسد اور شرارت کے وہ دوسرے باعمل لوگوں کا راستہ بھی روکتے رہتے ہیں تاکہ

وہ قوم میں کہیں اقتدار حاصل نہ کر لیں؟ عزیزان اسلام! ہر ایک قوم میں بے عملوں کی ایک مستقل جماعت ایسی ہوتی ہے جنہوں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہوتا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نکتہ چینی کے لئے کیا ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ حصول عزت کے لئے اس دنیا میں جتنے بھی کام موجود ہیں، ان میں سب سے زیادہ کم خرچ، سستا اور آرام دہ کام صرف نکتہ چینی اور حجت بازی ہے اس لئے کہ اگر یہ اصحاب تعلیم حاصل کریں تو دماغ سوزی کی ضرورت ہے۔ اگر تبلیغ کریں تو سرمایہ اور محنت کی ضرورت ہے، اگر صنعتی کام کریں تو ہنر اور مشق کی ضرورت ہے، اگر حکومت سے لڑیں تو ایثار و قربانی کی ضرورت ہے۔ اگر خود کوئی پروگرام بنا کر کوئی تعمیری کام کریں تو جوابدہ ہونے اور کچھ نہ کچھ نتیجہ نکال کر دکھانے کی ضرورت ہے۔ لیکن دوسروں نکتہ چینی اور حجت بازی کرنے میں کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں۔ ان کے پاس فتنہ پسند عقل موجود ہوتی ہے جس سے وہ بات پیدا کر لیتے ہیں، زبان موجود ہوتی ہے، اسے وہ ہر وقت ہلا ہلا کر بولتے رہتے ہیں۔ وہ سادہ لوحوں کے سامنے دوسروں کو گراتے ہیں اور خود قوم کے ہمدرد، یہی خواہ، صحیح الحیال عالم اور روشن خیال لیڈر بن جاتے ہیں۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کا حال بالکل یہی ہے، انہوں نے حجت بازی، اختلاف اور نکتہ چینیوں پر مگر باندھ رکھی ہیں۔ ہم میں ایسے آدمی تو شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں جو اپنی محنت سے کوئی ٹھوس نتائج نکال کر قوم کے سامنے پیش کریں، مگر نکتہ چینی کرنے ہونے اور بحث اور جھگڑے شروع رکھنے والا سارا جہان ہے۔ اے عزیزان اسلام! جب تک آپ اس حجت بازی کی یہودیت سے نہیں نکلیں گے، آپ کی قوم پر کبھی عمل زندگی کے دروازے کشاہ نہیں ہو سکتے۔ آؤ! خدا تعالیٰ کے کلام سے کچھ سبق سیکھیں اور بحث جھگڑے اور شرارتیں چھوڑ کر عمل اور نیکی کا فکر کریں، اللہ تعالیٰ قیامت میں یہ نہیں پوچھے گا کہ آپ نے کتنے مناظر کئے تھے، بلکہ وہ نیکی اور عمل کے متعلق سوال کریگا۔ آؤ! اس سوال کا جواب تیار کر لیں۔



تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام حجت بازمی کسا مہ صفائی  
۴۔ قَالُوا اذْع لَنَا رَبَّكَ - مَيِّبِينَ لَنَا مَا هِيَ لَا  
وہ کہنے لگے تم پکارو واسطے ہمارے رب اپنے کو وہ بیان کرے واسطے ہمارے کیسی؟ وہ رگڑے  
اِنَّ الْبَقْرَةَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَرَاْنَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ  
تحقیق گائے کا شبہ ہو گیا ہے ہم پر اور ہم اگر چاہا اللہ نے ضرور راہ پالیں گے  
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو گائے کا رنگ بھی بتا دیا تو انہوں  
نے کہا، اے موسیٰ! آپ خدا سے پوچھیں کہ وہ گائے ہے کس قسم کی؟ کیونکہ ہم کو غلط  
فہمی ہو رہی ہے، اگر خدا نے چاہا تو ہم ضرور حکم کی تعمیل کریں گے اور ہدایت پا جائیں گے۔  
عزیزان اسلام! گائے کے معاملہ کے یہ سوالات و جوابات، آپ کو بتا رہے ہیں کہ کسی  
قوم کے بے عمل لوگ قومی کاموں میں شامل نہ ہونے کے لئے کیا کیا چیلے کیا کرتے ہیں؟  
یہودیوں کی بے عمل جماعت یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ گائے کا معاملہ کیا ہے؟ جب حضرت  
موسیٰ علیہ السلام نے انہیں گائے کے ذبح کرنے کا حکم سنایا تو صفائی کی بات صرف یہ تھی  
کہ وہ حکم خدا کے سامنے سر جھکا دیتے اور اسی وقت ذبح کر ڈالتے مگر بے عملی کی فطرت،  
اس سیدھے راستے کو کیوں کر اختیار کر سکتی تھی؟ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے  
پہلا جواب دہی سنایا جو آج مسلمانان ہندوستان کی بے عمل جماعت، ہمیں روزمرہ سن رہی ہے  
آپ اپنی بے عمل جماعت کے سامنے کوئی بہتر سے بہتر عملی پروگرام پیش کر دیکھیں، وہ سب  
سے پہلے یہ کوشش کریں گے کہ آپ کی بات ہی کو گرا دیا جائے، وہ چھوٹے ہی یہ کہیں گے  
سبحان اللہ! آپ یہ کیا پروگرام لاتے ہیں؟ کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟ اچی توبہ کرو، کیا  
ہماری قوم میں یہ باتیں بھی قابل عمل ہیں، آپ نے پہلے بھی فلاں کام شروع کیا تھا پھر  
کیسی زک ہوئی۔ اب پھر آپ وہی غلطی کر رہے ہیں، اب آپ خدا کے لئے ہمارا اور قوم کا مذاق

نہ اڑائیں۔ اے عزیزان اسلام! آپ سمجھے، بے عمل لوگوں کا پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کی بات ہی کو گراویں اور ٹال مٹول کر دیں۔ پھر اگر موقع ملے تو آپ پر اٹھا سوار ہو جائیں۔ لیکن اگر آپ ان کی اس شرارت کو مات کر دیں تو پھر وہ جرحی سوالات کرنا شروع کر دیں گے اور ساتھ ہی ساتھ صفائی بھی پیش کرتے چلے جائیں گے۔ وہ ایک طرف اعتراض کریں گے اور دوسری طرف یہ کہیں گے۔ "معاف فرمائیے، میں مخالف نہیں ہوں، آپ جانتے ہیں، میں ہمیشہ سے آپ کا حامی ہوں۔" پھر دوسرا اعتراض کریں گے اور ساتھ ہی یہ کہیں گے "آپ براہ کرم ناراض نہ ہوں، میں صرف تسلی کے لئے یہ باتیں عرض کر رہا ہوں۔" بے عمل یہودی ایک طرف تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجت بازی کر رہے تھے اور دوسری طرف یہ بھی کہے جاتے تھے، **وَإِنَّا لَنَشَاءُ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ**، اے موسیٰ! آپ بے فکر رہیں، ہم آپ کے ساتھ ضرور متفق ہو جائیں گے، ہم انشاء اللہ ضرور ہدایت پا جائیں گے۔

اسے عزیزان اسلام! اگر آپ بے عمل لوگوں کی ان صفائیوں پر بھی قابو پا جائیں تو پھر آخری درجہ میں وہ اپنا رنگ بدل لیں گے اور کہنے لگیں گے، **إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهُ عَلَيْنَا طَهُمَ كَوْصَفِ غَلَطٍ فُهْمِي هُوَتِي تَهْتِي**، ہمیں تو صرف متعدد گالیوں میں شبہ پیدا ہو رہا تھا یہ غلط فہمی اور تشابہہ کا نام لے کر اپنی تمام پہلی حجت بازی پر پانی پھیرنے کی کوشش کرنا، بے عملوں کا آخری ہتھیار ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب ان کی دھوکا بازیاں ہیں، وہ پہلے ہی سے جانتے تھے کہ گائے کونسی ہے؟ جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو گرانے کی کوشش کی اور انہیں ٹالنا چاہا تو یہ بھی ان کی مکاری تھی۔ پھر جب انہوں نے بھولے بھالے بنکر ایک سادہ سا سوال کر دیا کہ اسکی عمر ہی کیا ہے؟ تو یہ بھی انکی فریب کاری تھی۔ پھر جب حجت بازی کے ساتھ ساتھ صفائی پیش کرنا شروع کیا تو یہ بھی ایک چالاک تھی پھر آخر میں جب غلط فہمی کا عذر کیا یہ بھی ان کا ایک نیا دھوکا تھا۔ ہمارے عمل بھی آج ایسی ہی چالاکیاں کر رہے ہیں، انہیں ضرور سمجھئے۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام عمل کے باوجود بے عملی  
۱۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولَ تُثِيرُ الْأَرْضَ

کہا وہ کہتا ہے وہ ہے گائے نہ محنت والی ہے نہ زمین جوتی ہے  
وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةً لَا شِئَةَ فِيهَا قَالُوا آلَسْنِ  
اور نہ پانی پلاتی ہے کھیت کو بدن پوری نہ داغ اس میں وہ کہنے لگے اب  
جِئْتَنَا بِالْحَقِّ ط وَ ذَبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ  
لایا تو حق بات پس ذبح کیا اس کو اور نہ امید تھی وہ کریں گے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے انہیں سب نشانیاں بتا دیں تو انہوں نے  
گائے کو ذبح کیا اگرچہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔ وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ نے تمام معاملے  
کو صاف کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کئی اُسٹے الزامات لگانے سے  
سادہ لوح بن کر گائے کی عمر پوچھنے سے، صفائی پیش کرنے سے، حجت بازی سے اور آخر  
میں غلط فہمی ہو رہی ہے کے الفاظ کی آرٹ لینے سے یہود کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ معاملہ کی  
تحقیق کریں بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اس کام کو کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ آپ پوچھیں گے  
کہ جب وہ اس کام کو کرنا نہیں چاہتے تھے تو صاف کیوں نہ کہہ دیا؟ اگر صاف کہہ دیتے تو  
بھرم کھل جاتا کہ وہ اطاعت کرنا نہیں چاہتے اور قوم ان سے جدا ہو جاتی، اس واسطے وہ  
ایسی پوزیشن کس طرح لے سکتے تھے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر ایک قوم میں بے عملوں  
کی جماعت کا ارادہ یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح طے شدہ پروگرام کے مطابق کام کرنے سے  
بچ جائیں مگر اسی کے ساتھ ہی ان کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کا یہ ارادہ نہایت ہی  
خوشنما عذرات اور خوبصورت دلائل کے غلافوں میں چھپا رہے تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ  
یہ کام کرنے ہی سے انکاری ہیں۔ معاملے کا یہ ایک سادہ پہلو ہے، لیکن اس سے زیادہ باریک

اور خوفناک پہلو یہ ہے کہ جب ان کے عذرات، چیلے بہانے اور حجت بازیاں نہیں چلتیں تو وہ اس آخری درجے میں بھی انکار کا لفظ اپنی زبان پر نہیں لاتے بلکہ کام میں شامل ہو جاتے ہیں۔ قید کا سوال ہو تو جیلوں میں چلے جاتے ہیں اور سول نافرمانی کا سوال ہو تو قانون شکنی کر دیتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے "وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ" کا فتویٰ دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ تعمیل حکم کے باوجود بھی انہیں نافرمان ہی خیال کرنا چاہیے، دیکھو، یہ نازک مقام سمجھنے کے قابل ہے، اس لئے کہ ہماری قوم کو سب سے بڑا دھوکا یہیں سے لگ رہا ہے۔ فرض کرو، ایک جگہ سول نافرمانی شروع ہوتی ہے، مسلمانوں کی بے عمل جماعت بڑی کوشش سے تحریک کو ٹالتی ہے، حجت بازی کرتی ہے، شازشیں بناتی ہے، کئی قسم کی آڑیں لیتی ہے کہ کسی طرح تحریک رک جائے اور ہم قید نہ ہوں، فرض کرو کہ تحریک نہیں رکتی۔ اب یہ بے عمل لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے لئے شمولیت کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تو اب یہ پبلک کے سردار بن جائیں گے، تقریریں کریں گے اور جتھے لے کر قید ہو جائیں۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ان کی پہلی حجت بازیاں دھوکا تھیں، اسی طرح اب ان کا عمل بھی دھوکا ہے، اس لئے کہ ان کے دل میں تو شروع ہی سے "وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ" کا انکار بھرا ہوا ہے۔ عزیزان اسلام! بے عمل جماعت کی طرف سے انکار حکم کے تین طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حکم سے صاف انکار کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ یہود نے کوہ طور کے نیچے اطاعتِ شریعت کا وعدہ کیا اور پھر پھر گئے۔ دوم یہ کہ حکم کی تعمیل اس طرح کرتے ہیں کہ حکم کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے جیسا کہ یہود کو ہفتہ کے دن دریا سے پھلیاں پکڑنے کی ممانعت تھی مگر یہ جمعہ کے دن دریا کا پانی گڑھوں میں بھر لیتے اور ہفتہ کے دن ان گڑھوں سے پھلیاں نکال لاتے۔ سوم یہ کہ وہ تعمیل حکم میں سو طرح کی جھٹیں نکال کر مجبوراً عمل کرتے ہیں جیسا کہ یہود نے گائے کے مولے میں کیا۔ یہودوں کی تین بیماریاں (۱) غم شکنی (۲) جیلہ بازی (۳) کٹ جھتی اس لئے بیان کی گئی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ قانون شریعت بہر حال ترک کر چکے ہیں اس واسطے ایک جماعت کی ضرورت ہے جو خدا دین غلام اور خلاہی کی وارث ہو

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام خلافت کی بنیاد عدل

۷۲۔ وَ إِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا قَدْ رَضَتْكُمْ فَبِهَا وَاللَّهِ

اور جب تم نے قتل کیا ایک شخص پھر ایک دوسرے پر الزام لگایا اُس میں اور اللہ  
مُخْرِجٍ نَكَلْنِي وَاللَّهِ مَا كُنْتُمْ جَوْنَةً تَمْ كَتُمُونَ چھپاتے۔

آیت کا مطلب یہ ہے، اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ تم نے ایک شخص کو  
قتل کر دیا تھا اور تم اس کا الزام ایک دوسرے پر لگاتے تھے۔ اللہ کو منظور یہ تھا کہ جو  
کچھ تم چھپاتے ہو، ظاہر کر دے۔ دراصل اس آدمی کو اُس کے وارثوں نے قتل کیا تھا لیکن  
الزام وہ دوسروں پر لگاتے تھے تاکہ وہ خود تو بچے رہیں اور دوسرے لوگ سزا پا جائیں  
لیکن اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ چھپی ہوئی بات نکل آئے اور وہ بے گناہ اشخاص جن  
پر مقتول کے وارثوں نے الزام لگایا اور جنہیں انہوں نے پھانسی کے تختے پر لاکر کھڑا کر دیا  
تھا، موت سے بچ جائیں اور اصلی مجرم جن کو انہوں نے زندہ رکھنے کی کارروائی مکمل کر لی تھی  
سزا پاب ہوں۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی لوگ کس قدر سنگدل اور جلساز  
تھے، وہ گناہ کا ارتکاب نہ تو کرتے تھے اور چاہتے یہ تھے کہ سزا دوسروں کو مل جائے۔

عزیزان اسلام! آج ہندوستان کے تھانوں اور عدالتوں کا حال بھی یہی ہے، ہر  
شہر اور ہر تھانے بلکہ ہر گلی محلے میں اصلی مجرموں کو پناہ دی جا رہی ہے اور بے گناہوں  
کو پھنسا یا جا رہا ہے۔ آج جرم کر کے عدالت سے بری ہو جانا، ایک جوہر اور فن سمجھا  
جاتا ہے اور بے گناہوں کو پھنسا دینا بھی ایک بڑی خوبی اور ایک بڑا وصف خیال کیا  
جاتا ہے، حالانکہ یہ انسانیت کی موت ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں  
اگر کبھی صحابہ سے کوئی جرم اور گناہ سرزد ہو جاتا تو ان کی سب سے بڑی کوشش یہ ہوتی تھی کہ  
کہ انہیں پوری سزا ملے۔ وہ خود قاضی کے پاس چلے جاتے اور اپنا جرم بتا کر مطالبہ کرتے کہ

ہمیں جلد سے جلد سزا دی جائے۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ انسانی زندگی کا کوئی جرم سزا سے بچ نہیں سکتا۔ اگر دنیا میں رہائی ہوگی تو آخرت میں گرفت ہوگی۔ لیکن آج ہم اپنے چاروں طرف یہ دیکھ رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص جرم کر لیتا ہے تو بڑی کوشش کر کے اسے چھڑایا جاتا ہے، اس کے متعلقین اور وکلاء پوری طاقت خرچ کر دیتے ہیں کہ اسے سزا نہ ہو، وہ رشوتیں دیتے ہیں، مقدمات کی کہانیاں گھڑتے ہیں، جھوٹے گواہ بناتے ہیں جعلی تحریریں پیدا کرتے ہیں، یہ سب کچھ ایمان بالآخرت کے ضائع ہو جانے کا نتیجہ ہے، ورنہ اگر آپ یہ سمجھ لیں کہ اس زندگی میں انسان کی کوئی بھی نیکی یا برائی بغیر بدلے کے نہیں رہ سکتی تو آپ کبھی اپنے نامہ اعمال پر جھوٹ اور جعل سازی کے اس قدر انا بن نہ لادیں۔ اسلام کا حکم یہ ہے کہ مجرم کو پوری سزا دلوائی جائے۔ خود مجرم کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ دنیا میں اپنے جرم کی سزا بھگتے، ملک اور سوسائٹی کا امن اس پر منحصر ہے کہ مجرموں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں سب سے پہلے خود مجرموں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جرم کر کے دلیری کے ساتھ اعتراف کرنا سیکھیں اور مردانگی کے ساتھ سزائیں قبول کریں۔ گواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مجرموں کو سزا دلوائیں۔ پھر عام پبلک پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر کسی بے گناہ کو سزا مل رہی ہو اور کوئی مجرم گناہ کر کے بری ہو رہا ہو تو وہ مداخلت کر کے حق کو ناحق اور ناحق کو حق بننے کی کبھی اجازت نہ دیں۔ سب سے پہلے یہ جرأت مسلمانوں کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے۔ اگر بیٹا بھی جرم کرے تو باپ کا اسلامی حق یہ ہے کہ وہ اس کو سزا دلوائے۔ اگر باپ جرم کرے تو بیٹے کا اسلامی حق ہے کہ وہ اس کی رعایت نہ کرے۔ تاریخ اسلام ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ مسلمان عدل و انصاف کے معانی میں کبھی بھی باپ یا بیٹے کا لحاظ نہیں رکھتے تھے چونکہ خلافت الہی کی بنیاد ہی عدل پر ہے اس واسطے جب یہودی لوگ قانون عدل سے منحرف ہوئے تو اس وقت ان کی سلطنت کا چراغ بھی گل ہوا یہی حال مسلمانوں کا ہوا۔ آؤ! رسول اللہ کے نمونہ پاک سے سبق سیکھیں اور اپنے اندر عدل کا وصف پیدا کریں

تاریخی واقعات کی یاد دہانی <sup>۹۳</sup> یہود کو دعوتِ اسلام <sup>۹۳</sup> معجزات پر روشنی  
 ۳۴۔ ف قُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِ هَٰذَا كَذٰلِكَ يُعَذِّبُ اللّٰهُ  
 پس کہا ہم نے مارو اس کو ساتھ بعض اس کے سے اسی طرح اللہ زندہ کرتا ہے  
 الْمَوْتٰی لَا وَیُرِیْ کُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝  
 مَرُوے اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں شاید کہ تم سمجھو

آیت کا مطلب یہ ہے۔ گلے کے ایک حصہ کو مقتول کے جسم پر مارو۔ خداوند  
 پاک اسی طرح مَرُوے کو زندہ کرتا ہے اور اپنے بندوں کو اپنی قدرت کے نشان دکھاتا  
 ہے تاکہ وہ عقل سے کام لینا سیکھیں۔ یہاں معجزات پر چند الفاظ عرض کرنا ضروری ہیں  
 ہمارے زمانے میں سکولوں اور کالجوں کے طلباء کا ایک طبقہ ایسا ہے جو معجزات سے  
 انکار کرتا ہے حالانکہ زندگی کا ہر فعل ایک معجزہ ہے۔ کیا لکڑی سے آگ نکلنا معجزہ نہیں؟  
 کیا انسان کی پیدائش معجزہ نہیں؟ کیا تیل کا لکڑی کی طرح جلنا معجزہ نہیں؟ کیا ایک  
 کانٹے کے اندر سے پھول کا نکلنا معجزہ نہیں؟ کیا پانی کی لہروں سے بجلی کی پیدائش معجزہ  
 نہیں؟ فرق صرف یہ ہے کہ ان چیزوں کو روزمرہ دیکھنے کے باعث ہم ان کے عجوبہ ہونے  
 کو محسوس نہیں کر سکتے۔ ہم صرف اسی وقت انکار کرتے ہیں جبکہ کوئی چیز ہمارے روزمرہ  
 مشاہدات کے خلاف نظر آئے۔ ہم اس وقت یہ نہیں سوچتے، کیا ہمارے مشاہدات کامل  
 ہو چکے ہیں؟ کیا ہم نے تمام قدرتی معاملات کا علم حاصل کر لیا ہے اور کیا قدرت انہیں  
 اصولوں پر چل رہی ہے جو ہم کو معلوم ہیں؟ پھر اس کے علاوہ جو ہم نے یہ عقیدہ پیدا  
 کر لیا ہے کہ فطرت میں ہمیشہ تمام چیزیں یکساں طور سے ظاہر ہوتی ہیں، اس کی دلیل کیا  
 ہے؟ حالانکہ روزمرہ کی زندگی سے صدیوں میں ایسی پیش کی جاسکتی ہیں جن سے یہ  
 ثابت کیا جاسکتا ہے کہ جن باتوں کو انسان صدیوں تک فطرت کا اٹل قانون سمجھتا رہا،

وہ اٹل قانون نہیں تھا۔ پھر ایک اور بات۔ جن چیزوں کے متعلق ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ انہیں ضرور ایسا ہونا چاہئے، یہ صرف ہمارا اپنا خیال یا تجربہ ہے۔ ہم کسی طرح یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ہمارا یہ خیال درحقیقت بھی اس چیز کے اندر لپٹا ہوا ہے، مثلاً ہم کہتے ہیں کہ سٹکیا کھانے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ آپ سٹکیے کی ڈلی کو دیکھئے، اس میں کہیں موت کا فرشتہ نظر نہیں آتا، پھر یہ فتویٰ لگا دینا کہ سٹکیے سے ہمیشہ موت واقعہ ہوگی کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ ایک زمانے تک ہم یہ سمجھتے تھے کہ کوئی مرد، عورت نہیں بن سکتا کوئی مردہ زندہ نہیں ہو سکتا، کوئی بوڑھا آدمی جوانی کی طرف لوٹ نہیں سکتا، لیکن آج یہ جنسی تبدیلیاں کثرت سے واقع ہو رہی ہیں، بعض جگہ پھانسی پائے ہوئے لوگ جن پر ڈاکٹر موت کے فتوے دے چکے تھے، دوبارہ زندہ کئے گئے، اسی طرح کئی بوڑھے آدمیوں کو غددوں کی ترمیمی سے جوانی کی طرف لوٹایا جا رہا ہے۔ ہم کو غرضتہ تک شبہ رہا کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں دریا کے اندر کس طرح خشکی کا راستہ پیدا ہو گیا تھا لیکن بہار کے زلزلے میں سینکڑوں لوگوں نے یہ شہادت دی کہ خود دریا نے گنگا میں بنی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ (۱) پتھر سے پانی کا نکلنا (۲) مردے کا زندہ ہونا (۳) آدمی سے بندر بن جانا (۴) کسی مردہ جانور کا اڑنا (۵) عصا کا اثر دھابنا (۶) بغیر باپ کے پیدا ہونا ناممکن چیزیں ہیں۔ حالانکہ ان میں ہر ایک چیز ایسی ہے کہ اگر قدرتی مثالوں ہی سے اس کی توضیح کی جائے تو ان میں سے کوئی چیز ناممکن نہیں رہتی۔ آج کی سائنس یہ سارے نمونے دکھا رہی ہے۔ ماہرین علم تنویم بھی اسی قسم کی کرامتیں دکھا رہے ہیں اور ماہرین روحانیت بھی یقین دلا رہے ہیں کہ اوپر کے تمام واقعات روحانی قوت کے اثر و عمل سے باہر نہیں ہیں۔ انسان جس قدر آگے بڑھتا جائیگا۔ ناممکنات کا دائرہ اسی قدر محدود ہوتا چلا جائیگا اور آخر کار ہم کو قابل ہونا پڑے گا کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے نبیوں کے معجزات کا انکار کرتے تھے، ان کا علم، عقل اور تجربہ نہایت ہی محدود تھا۔



تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام پتھر کے آدمی

۷۴۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبَهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ

پھر سخت ہو گئے دل تمہارے اس کے بعد پس ہیں وہ مثل پتھر کے یا

أَشَدَّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ

اور زیادہ سخت اور بے شک بعض پتھر ہیں کہ پھوٹی ہیں اس سے نہیں

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقُّ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا

اور بعض اس سے جو پھٹتے ہیں پھر نکلتا ہے اس سے پانی اور بعض اس سے

لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور نہیں اللہ غافل اس سے جو تم کرتے ہو

آیت کہتی ہے، اسے یہود! اگرچہ تم کو خدا تعالیٰ کے کسی نشانات دکھائے گئے ہیں۔

لیکن پھر بھی تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا پتھر سے بھی زیادہ سخت

کیونکہ پتھروں میں تو بعض وہ بھی ہیں جن سے دریا نکلتے ہیں، بعض وہ ہیں جب وہ

پھٹتے ہیں تو ان سے پانی جاری ہو جاتا ہے اور بعض وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں

اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔

عزیزان اسلام! قرآن کریم، غالباً دنیا کی وہ پہلی کتاب ہے جس میں نافرمان اور

بے عمل انسانوں کا پتھر سے مقابلہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ برے اور بے عمل انسان

پتھر اچھا ہے۔ اوپر کی آیت میں پتھر کے تین وصف بیان کئے گئے ہیں، بعض پتھر وہ ہیں

جن سے مستقل طور پر دریا جاری رہتے ہیں اور اس طرح ہزاروں خلق خدا کو فائدہ پہنچتا ہے

بعض پتھر ایسے ہیں کہ جب ان میں کوئی شکاف آجاتا ہے تو پانی بہ نکلتا ہے۔ یہ پتھر بھی

بہر حال کسی نہ کسی طرح نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ بعض پتھر

ایسے ہیں جن سے اگر چہ پانی جاری نہیں ہوتا تاہم جب وہ کسی نہ کسی وقت نیچے کو لڑھکتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بالاتر ہستی کا خوف یا اطاعت انہیں زمین کی طرف جھکائے لئے جاری ہے لیکن وہ انسان چونکہ فرمان ہو، وہ ان پتھروں سے بھی بدتر ہے۔ اس سے نہ تو خلق خدا کو کوئی مستقل فائدہ پہنچتا ہے، نہ وقتی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ان کی ظاہری صورت ایسی ہوتی ہے کہ کوئی صاحب دل اسی کو دیکھ کر کسی قسم کی عبرت یا نصیحت حاصل کرے۔

غزیران اسلام! اس آیت میں ایک ایسی حقیقت بیان کی گئی ہے جو کسی انسان کے خیال تک میں بھی نہیں آسکتی۔ آپ اس آیت پر مجموعی حیثیت سے نظر کریں اور یہ دیکھیں کہ آخر وہ بات کیا ہے کہ وہی پروردگار عالم جس نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب بنایا تھا، اب انسان کا پتھر سے مقابلہ کرتا ہے اور اس پر پتھر کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کے لئے آپ کل کی آیت کو یاد کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے بعض لوگوں نے ایک سنگین شخص کو قتل کر دیا تھا۔ یہ ان کا ایک سنگین ترین جرم تھا۔ پھر انہوں نے دوسرا جرم یہ کیا کہ ایک اور بے گناہ آدمی پر اس کے قتل کا الزام لگا دیا۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ایسے انسانوں کے متعلق اس سے کم اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ پتھر بھی خدا کے خوف سے ڈر جاتے ہیں مگر یہ انسان نہیں ڈرتے۔ انسانیت، راستی اور عدل کا نام ہے، خدا تعالیٰ ان لوگوں سے کس طرح خوش ہو سکتا ہے جو ایک تو خود برائی کرتے ہیں اور پھر سزا کے وقت دنیا اور فریب سے دوسروں کو لاکر کھڑا کر دیتے ہیں کہ انہیں سزا دی جائے۔ ایسے لوگوں کی نمازیں اور روزے انہیں کچھ کام نہیں دے سکتے۔ ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ خلق خدا کے ساتھ عدل، احسان اور خیر خواہی کا سلوک کرے۔ مذہبی احکام کا آخری مقصد بھی یہی ہے کہ آپ معاملات میں عادل، نیک اور راست باز بنیں۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا۔ سمجھنا چاہئے کہ وہ انسان نہیں، پتھر ہے، بلکہ اس سے بھی بُرا ہے۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام تخریف کتاب  
۷۵۔ آ ف تَطْمَعُونَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ

کیا پھر تم امید رکھتے ہو کہ مان لیں گے تم کو حالانکہ ہے  
فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللّٰهِ ثُمَّ يَحْرَفُوْنَ عَنْهَا  
ایک گروہ ان میں وہ سنتے اللہ کا کلام پھر وہ بدل دیتے اس کو  
مِنْ بَعْدِ رُبْعٍ۔ مَا عَقَلُوْهُ (اُس کو سمجھنے کے) وَهُمْ (اور وہ سب) يَتَعَمَّوْنَ جانتے ہیں

پہلے آیت کا مطلب سمجھئے۔ اس آیت میں یہودیوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے خطاب  
ہے، حکم ہوتا ہے، اے مسلمانو! کیا تم ایسے لوگوں سے امید رکھتے ہو کہ وہ اسلام قبول کر  
لیں گے حالانکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کی ایک جماعت اللہ کا کلام سنتی ہے اور پھر سمجھنے  
کے باوجود اس میں رد و بدل کر دیتی ہے اور وہ اس کام کے جرم بوجھ اور ذمہ واری کو بھی جانتے ہیں

زمانہ رسالت میں مسلمانوں نے اسلام کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں اور بڑی

بڑی قربانیاں دی تھیں، اس واسطے انہیں ہر وقت یہی فکر رہتی تھی کہ دنیا میں اسلام  
پھیلے۔ اس لئے وہ یہود مدینہ کے متعلق بھی یہی سوچتے رہتے تھے کہ وہ کسی طرح اسلام

قبول کر کے خدا کی رحمتوں کے مستحق بن جائیں۔ لیکن یہودیوں کی حالت حد درجہ خراب

تھی، انہوں نے مذہب کے نام کو دشمنی، عناد، جلساری اور فریب دہی کا ایک ذریعہ بنا

رکھا تھا، وہ خدا کے کلام کو سنتے تھے، اس کی سچائی اور عزت و رحمت سے بھی واقف

تھے مگر اپنا دھڑہ قائم رکھنے کی خاطر خود کلام الہی کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ انہیں خیال تھا کہ

اگر توریت سے پیغمبر اسلام کی صداقت ثابت ہوگئی یا قرآن کی آیات سن کر یہودی پبلک

کا یہ خیال ہو گیا کہ قرآن، حضرت موسیٰ ؑ کے پیغام کی صحیح ترجمانی کرتا ہے تو دونوں صورتوں

میں یہودی پبلک ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس واسطے وہ ہمیشہ اپنے عوام کو قرآن

اور تورات دونوں کی صحیح صحیح آیتیں سننے اور سمجھنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔

عزیزان اسلام! خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو خلافت دی، اس کی بنیاد خدا کے قانون پر تھی، جب تک کوئی قوم اس قانون پر قائم رہی، اس کی سلطنت بھی قائم رہی لیکن جب اس نے اپنے قانون شریعت کو چھوڑ دیا، بدل دیا، اس کے مقصد کو بھلا دیا، یا خواہشات کے تابع کر دیا تو اس کی سلطنت بھی ختم ہو گئی۔ اوپر کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہودی لوگ کس کس طرح چھوٹے چھوٹے فائدوں کے لئے اپنے مذہبی قانون میں رد و بدل کر دیا کرتے تھے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اب یہ قوم کسی طرح بھی خلافت الہی کے قابل نہیں رہی۔ آیت میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ یہودیوں میں فرقہ بندی کا تعصب کس حد تک پہنچ چکا تھا، اگرچہ انہوں نے حکم خدا کے نام پر یہودی مذہب کو قبول کیا تھا مگر اب وہ فرقہ بندی کی خاطر خود خدا کے کلام ہی کو فریض کر رہے تھے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک فرقہ بندی کا قائم رکھنا، خدا تعالیٰ کی عزت و شان سے بھی زیادہ عزیز ہو گیا تھا، انہیں شرک قبول تھا، خدا کے کلام کو بدلنا قبول تھا، تورات کی آیتوں کے ساتھ دھوکا کرنا قبول تھا مگر دھڑہ بندی کو ترک کرنا قبول نہیں تھا۔ یہودی اس مثال سے سبق ملتا ہے کہ کوئی قوم اپنے اصل مذہب پر اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جبکہ وہ فرقہ بندی کے تعصب کا شکار نہ ہو۔ افسوس کہ آج ہم مسلمان بھی صدیوں فرقوں میں تقسیم ہیں اور فرقہ بندی کے تعصب میں اندھے ہو کر خدا کے کلام، اسلام کی حکومت اور امت کے اتحاد سے بے پروا ہو گئے ہیں مسلمانو! اللہ کے کلام کا سبق یہ ہے کہ ہم لوگوں کو فرقہ فرقہ بن کر اپنی اسلامی طاقت اور اتحاد کو برباد نہیں کرنا چاہئے۔ اے اللہ! ہمیں متفق اور متحد رہنے کی توفیق عطا فرما۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی <sup>۹۴</sup> یہود کو دعوتِ اسلام سچ کیلئے شکست ابھی  
۷۴۔ وَإِذَا كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا بِهِ وَإِذَا خَلَا بِعُض

اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوں بعض  
هُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ، قَالُوا، آ تَحَدِّثُونَ هُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ  
آن کے پاس بعض کے، کہتے ہیں، کیا تم بتاتے ہو ان کو جو ظاہر کیا اللہ  
عَلَيْكُمْ، لِيُحَاجُّوكُمْ بِ ۚ عِنْدَ رَبِّكَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ  
تم پر، تاکہ وہ حجت قائم کریں تم پر ساتھ اس کے تمہارے خدا کے ان، کیا پھر نہیں تم سمجھتے  
جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم بھی ایمان دار ہیں مگر جب آپس میں اکیلے  
بیٹھے تو یہ کہتے کہ توریت کی جو آیتیں خدا تعالیٰ نے تم پر ظاہر کی ہیں، تم انہیں مسلمانوں پر کیوں  
ظاہر کرتے ہو؟ اس سے تو وہ خدا کے روبرو تم پر حجت قائم کریں گے۔

عزیزانِ اسلام! یہ آیت بتاتی ہے کہ زوال کی حالت میں، قوم کا اخلاق اور چال چلن  
کس قدر لپست ہو جاتا ہے، ان کی زندگی کا کوئی اصول نہیں ہوتا، ان کے ضمیر کی کوئی آواز  
نہیں ہوتی، وہ دوسرے آدمیوں کے پاس جاتے ہیں تو کچھ اور کہتے ہیں، آپس میں بیٹھے ہیں تو  
کچھ اور بات کرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ خدا اور مذہب کے نام پر کیا جاتا ہے، ہر  
میں بعض لوگ تھے جو مسلمانوں کے پاس جاتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، آپس میں بیٹھے  
تھے تو کہتے تھے کہ توریت کی جن آیتوں سے پیغمبر اسلام کی تصدیق ہوتی ہے، انہیں ظاہر نہ کیا کرو،  
تاکہ مسلمان خدا کے سامنے تمہیں نیچا نہ دکھائیں، حالانکہ خدا کو سب کچھ معلوم ہے۔ اس واقعہ میں  
سبق یہ ہے کہ مسلمان اپنا اپنا ظاہر اور باطن ایک رکھیں، دوست اور دشمن سب کے سامنے  
ایک بات کہیں۔ اگر ہمارے سچ بولنے سے ہمارے خاندان یا قبیلہ کو بھی شکست ہوتی ہو تو ہمیں پھر  
سچ بولنا چاہیے، خدا کے مقبول بندے وہی ہیں جو یہاں کچھ اور وہاں کچھ کی پالیسی اختیار نہ کریں۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام نام نہیں، عمل لاؤ

۷۷۔ اَوْ لَا يَعْلَمُونَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ

کیا وہ جانتے نہیں بیشک اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں  
عزیزان اسلام! یہ منافقین یہود کا ذکر ہے، یہ لوگ جب مسلمانوں کے پاس آتے تو کہتے کہ ہم  
ایمان لائے ہیں اور جب آپس میں بیٹھے تو کہتے کہ مسلمانوں کے پاس تو ریت کی وہ آیتیں جن  
سے پیغمبر اسلام کی سچائی ثابت ہوتی ہے، ظاہر نہ کرو تاکہ مسلمان ہمیں خدا کے ہاں جھوٹا نہ کریں۔

عزیزان اسلام! چونکہ اکثر آدمیوں کا ظاہر اور باطن ایک نہیں ہوتا اور انسانی زندگی کے  
۹۹ فیصدی فساد، اختلاف، جھگڑے، غلط فہمیاں، بدگمانیاں اور دھوکے انہی لوگوں کے  
پیدا کردہ ہیں جو لوگوں کے پاس اپنے مطالب کے لئے بدل بدل کر باتیں کرتے ہیں۔ اس واسطے  
خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں منافقوں کی بار بار مذمت کی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت میں یہ کہا گیا  
ہے کہ ایسے لوگوں کے دل بیمار ہوتے ہیں، اب اوپر کی آیت میں کہا گیا ہے کہ انہیں خدا تعالیٰ  
کی ذات پر یقین نہیں ہوتا اور اسی واسطے یہ لوگ جس شخص یا جماعت کے پاس جاتے ہیں  
اسی کو خوش کرنے کے لئے اس کے موافق بات کر دیتے ہیں۔

۷۸۔ وَمِنْهُمْ اٰمِنُوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّا اٰمَانِيًّا وَاِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّا لَآيٰتُ اللّٰهِ  
اور ان میں ہیں ان پڑھ جو نہیں جانتے کتاب مگر آرزوئیں اور نہیں ہیں مگر خیالی باتیں کرتے

مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں بعض لوگ جو کتاب کا علم نہیں رکھتے، صرف اپنے ہی ادہام  
دو سانس میں پھنسے ہوئے ہیں اور محض خوش اعتقادی کے سوا ان کے کچھ پلے نہیں۔ آج  
مسلمانوں پر یہ آیت سو فیصدی صادق آ رہی ہے۔ مسلمان اپنی حالت، علم، دین، عمل، اولاد  
کی طرف ذرا نہیں دیکھتے، مگر گداگروں، دیوالیوں اور بھنگی چرسی فیروں تک یہ دعویٰ سبک ہے کہ صرف  
ہمیں بہشت کے مالک ہیں۔ کتاب الہی کا علم و عمل ختم اور دعویٰ بہشت موجود۔ یہ نری خوش اعتقادی  
نہیں تو اور کیا ہے؟

یہودی سوسائٹی کا حال ۹۸ برامولوی اور لیڈر

۵۹۔ فَ وَیْلٌ لِّ الَّذِیْنَ یُكْتَبُونَ الْكِتَابَ بِ اَیْدِیْهِمْ

پس افسوس ہے واسطے ان کے جو لکھتے ہیں کتاب ساتھ ہاتھوں اپنے

شَمَّ یَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

پھر وہ کہتے ہیں یہ (ہے) طرف سے اللہ کی

وَيْلٌ کے معنی افسوس۔ یُكْتَبُونَ کے معنی وہ لکھتے ہیں۔ اَیْدِیْهِمْ کے معنی

ہاتھوں۔ یَدٌ ہاتھ کو کہتے ہیں۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے معنی خدا کی طرف سے۔ مِنْ کے

معنی سے۔ عِنْدِ کے معنی طرف۔ آیت کا مطلب یہ ہے، یہودیوں کے مولویوں پر افسوس

ہے کہ وہ اپنی راؤں، خواہشوں اور فرقہ بندیوں کے مطابق خود کتابیں لکھتے ہیں۔ مگر قوم کو

کہتے ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے۔

عزیزان اسلام! کسی قوم کی حالت کا اندازہ، اُس قوم کے عالموں اور لیڈروں سے

کرنا چاہئے۔ اسی اصول کے مطابق یہودی سوسائٹی کا اصل نقشہ پیش کرنے کے لئے خدا

تعالیٰ بتاتا ہے کہ یہودی عالموں اور لیڈروں کا حال کیا تھا؟ ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

کہ یہودی مولویوں کی ایک بد عادت یہ تھی کہ وہ خدا کا کلام سنتے ہیں اور سمجھنے اور جانتے

کے باوجود اسے بدل دیتے ہیں اور اپنی غرض پوری کرنے کے لئے اور کے اور معنی کر دیتے ہیں

آپ غور کیجئے جو مولوی کلام خدا کے معنی بدلانے سے دریغ نہیں کرتے، وہ عام انسانوں

کے قول و قرار، وعدوں اور معاملات کو بگاڑنے اور بدلانے سے کیونکر دریغ کرتے ہوں گے؟

افسوس کہ آج مولویوں اور لیڈروں کی عام حالت بھی یہی ہو رہی ہے۔ آپ جس مولوی

سے پوچھئے، وہ اپنے فرقہ کا مسئلہ، قرآن سے نکال کر دکھائے گا۔ قادیانی لوگ قرآن سے

یہ دکھاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ گذر گئے ہیں۔ مسلمان عالم یہ دکھاتے ہیں کہ نہیں گذرے۔

چکڑ الوی فرقہ قرآن سے یہ دکھاتا ہے کہ حدیثوں کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے مگر مسلمان عالم یہ دکھاتے ہیں کہ ضرورت ہے۔ کلام الہی کو بدلنا یہی ہے کہ بات تو ہوتی ہے، اپنے فرقہ کی، یا اپنے نفس کی اور کہتے یہ ہیں کہ یہ شریعت کا حکم ہے، اسی طرح دوٹ لینے والوں کا حال ہے۔ لیگی اور کانگریسی سب لوگ قرآن سے بتاتے ہیں کہ ہمیں دوٹ دیا جائے۔ مذہب کو اپنی اغراض کے لئے آرٹ بنانے کے معنی یہی ہیں۔ اس کے بعد، ۷ ویں اور ۸ ویں آیت ہے۔ ان میں بیان کیا گیا ہے۔ یہودی علماء، منافق اور حق پوش تھے۔ جب مسلمانوں سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور جب اپنے جھٹھے میں بیٹھے تھے تو یہ کہتے تھے کہ تم تو ریت کی باتیں مسلمانوں کو کیوں بتاتے ہو؟ وہ تو ان باتوں سے اپنی سچائی کی سند لے کر اسلام میں پکے ہوتے جا رہے ہیں۔ افسوس کہ آج ہمارے اکثر عالموں اور لیڈروں کی حالت بھی یہی ہے، جدھر ان کی راستہ ہوتی ہے، وہ اُدھر کا مسئلہ کر دیتے ہیں آپ انہیں چنہ جمع کر دیں، ترلقے کھادیں، پھر جیسی آپ چاہیں گے، یہ تقریر کر دیں گے اور فتویٰ دے دیں گے۔ خدا تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے۔

عزیزان اسلام! آج کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کے عالم اور مولوی، اپنی راستے سے مسئلے گھڑا کرتے تھے، اپنے پیٹ کے لئے ہمیں ایجاد کیا کرتے تھے، اپنے دھڑوں کو قائم رکھنے کے لئے فتوے تیار کرتے تھے مگر کہتے یہ تھے کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ خلاصہ آیت یہ ہے کہ یہودی علماء بدعتی تھے اور انہوں نے اپنے من گھڑت مسائل کو خدا کا دین قرار دے رکھا تھا۔

عزیزان اسلام! کیا آج آپ کے اکثر عالموں کی یہ حالت نہیں ہے؟ آج ہم میں بیسیوں ایسی بدعتیں موجود ہیں، جن کا رسول خدا اور صحابہ کرام کے زمانے میں کوئی نام و نشان نہیں ملتا، مگر اپنے علماء سے پوچھئے، وہ ان سب بدعتوں کو قرآن سے ثابت کر رہے ہیں مسلمانو! ایسے علماء سے بچ جاؤ اور بے نفسی کے ساتھ خود قرآن پاک کا مطالعہ کرو۔



نحوہ غرض مطلقاً

(۹۹)

یہودی سوسائٹی کا حال

لَيْشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا

لَيْشْتَرُوْا کے معنی تاکہ وہ خریدیں۔ ل کے معنی تاکہ۔ لَيْشْتَرُوْا کے معنی وہ سب خریدیں۔ عربی زبان میں خریدار کو مشتری کہتے ہیں، خریدنے کو شرا کہتے ہیں، بیچنے کو بیع کہتے ہیں۔ یہ کے معنی اس سے۔ ثَمَنًا کے معنی قیمت۔ قَلِيْلًا کے معنی تھوڑی۔ یہ لفظ تین طرح ہو سکتا ہے۔ یہ کے معنی اس سے۔ بِهٖمَا کے معنی ان دونوں سے۔ بِهٖمَا کے معنی ان سب سے۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ یہودی علماء اپنی راؤں کے مطابق اس لئے شرعی فتوے، مسائل اور رسمیں گھڑتے ہیں تاکہ وہ اس کے عوض ثمن قلیل یعنی چھوٹے چھوٹے دنیوی فائدے حاصل کریں۔

عزیزان اسلام! پہلے یہ کہا گیا ہے کہ یہودیوں کے مولوی بدعتیں نکالتے رہتے ہیں، من گھڑت فتوے دے دیتے ہیں، من گھڑت کتابیں اور مسائل ایجاد کرتے ہیں اور پھر انہیں اپنی قوم میں جاری رکھنے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ اب اس آیت کے دوسرے حصے میں بتایا گیا ہے کہ یہودی مولوی خدا کے دین میں نئے نئے رواج اور بدعتیں اس لئے پیدا کرتے ہیں تاکہ اس کے عوض میں اپنی ذات کے لئے چھوٹے چھوٹے دنیوی فائدے حاصل کریں۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا کے معنی ہیں، تھوڑی قیمت، یعنی چھوٹے چھوٹے فائدے۔ بڑے قومی فائدے یہ ہیں کہ قوم میں علم پھیلے۔ قوم تجارت میں ترقی کرے۔ قوم میں صنعت و حرفت کا رواج ہو، قوم سیاسی طور پر آزاد اور متحد ہو، افراد قوم شریف، بااخلاق، سلجھے ہوئے، مہذب اور متمددن ہوں۔ قوم باکار اور خوشحال، صاحب ثروت اور دیندار ہو۔ اپنی چیزوں سے کوئی قوم اس دنیا کے اندر باعزت اور باآرام زندگی گزار سکتی ہے۔ لیکن یہودی ملاؤں کو ان قومی فائدوں کی کچھ فکر نہ تھی، وہ صرف ایسے جھگڑوں

مسئلوں اور بدعتوں کے ایجاد کرنے میں مصروف رہتے تھے جن سے ان کا پیٹ بھرے  
یا کچھ نذرانہ لے۔

عزیزان اسلام! اب آپ کے اکثر ملاؤں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ مسلمانوں کی تعلیم،  
تبلیغ، تجارت اور اتفاق کے لئے کبھی جھگڑا نہیں کرتے۔ ان کو صرف ایسے مسئلوں سے  
مجبتا ہے جن سے خود انہیں چھوٹے چھوٹے فائدے حاصل ہوں۔ مثلاً میت کی اسقاط  
کرا دی اور سو روپیہ لے گئے۔ جمعرات کو ختم پڑھ دیا اور چند ترنوالے کھا گئے۔ چالیسواں کرا  
دیا اور کپڑے اور کھانے لے گئے۔ گیارہویں کرا دی اور پیر صاحب کا نام لے کر دعوت کھا  
گئے۔ معراج، شبیرات، ستائیسویں رمضان اور میلاد کی مجلسیں لگا دیں اور مٹھائی یا پلاؤ لے  
کر تھوڑا تھوڑا حاضرین مجلس کو دے دیا اور باقی گھر بھیج دیا۔ قبروں پر عرس کرا دیا اور پیر صاحبان  
نذریں لے گئے۔ بھٹی کا ٹھیا دار کی طرف محرم کے پہلے دس دنوں میں محلہ وار دس دس وعظ  
ہوتے ہیں اور ان وعظوں پر لاکھوں روپے نان ختائی بانٹنے پر خرچ آجاتے ہیں۔ مگر ملاؤگ  
مسلمانوں کو روکتے نہیں، صرف اس لئے کہ اس موقع پر انہیں بھی سو پچاس روپے سالانہ  
ضرور مل جاتے ہیں، آپ یقین کریں کہ وہ تمام رسمیں جو پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام کے زمانہ  
میں بالکل موجود نہ تھیں، اب صرف اس لئے جائز اور ضروری قرار دے دی گئی ہیں کہ ملا  
لوگوں کو ان سے روزانہ چھوٹے چھوٹے فائدے حاصل ہو رہے ہیں۔ ان رسموں کا ہماری  
قومی ترقی یا اسلامی فرائض کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اب مسلمان فرضوں کو چھوڑ  
رہے ہیں اور رسموں کو کر رہے ہیں۔ ہمارا دین سرپا عمل تھا مگر اب ہماری ساری قوت  
زبان کے لفظوں پر خرچ ہو رہی ہے۔ تلاوت زبانی، وعظ زبانی، ورد وظیفہ زبانی، دعائیں  
زبانی مگر عمل کچھ بھی نہیں۔ دعا کرو کہ خدا تعالیٰ سب مسلمانوں کو دین کی سمجھ اور عمل کی توفیق  
عطا فرمائے اور ہم نماز و دعائیں جو کچھ زبانی کہتے ہیں، اس پر عمل پیرا بھی ہوں۔

یہودی سوسائٹی کا حال ۱۰۰ غلط مسائل اور باطل کمائی

فَ وَيُلْئِكُمْ رَبُّكُمْ وَلَهُمْ فِيكُمْ مِثْلُ مَا كُنْتُمْ فِيكُمْ ، وَ  
پس افسوس رہے واسطے ان کے جو کچھ لکھا ان کے ہاتھوں نے ، اور  
وَيُلْئِكُمْ رَبُّكُمْ وَلَهُمْ فِيكُمْ مِثْلُ مَا كُنْتُمْ فِيكُمْ (جو کچھ) یٰكُسِبُونَ (وہ کماتے ہیں)۔

عزیزان اسلام! اس آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں ان تحریروں، فتوؤں،  
کتابوں یا رسموں پر خدا تعالیٰ نے افسوس ظاہر کیا ہے جنہیں یہودی علماء اپنے دل سے  
گھڑتے تھے اور پبلک کو یہ کہتے تھے کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ آیت کے دوسرے  
حصے میں خدا تعالیٰ نے اس آمدنی اور کمائی پر افسوس ظاہر کیا ہے جو یہودی علماء اپنی نو ایجاد  
رسموں کے ذریعہ سے خود حاصل کیا کرتے تھے۔

عزیزان اسلام! آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ خدا کی شریعت اس لئے نہیں ہوتی کہ  
اس کے ذریعے سے عالموں، پیروں اور مولویوں کی پرورش کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو  
اصل تورات یا قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں مل سکتی جس میں یہ کہا گیا ہو کہ فلاں موقع پر  
ملا جی کو کھانا کھلایا جائے، یا کپڑے پہنائے جائیں، یا ساز و سامان خرید کر دیا جائے۔ خدا کے  
نبیوں کی زندگی کا نمونہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو خدا کا حکم پہنچاتے تھے اور کوئی معاوضہ نہیں لیتے  
تھے۔ اب اگر خاص طور پر دین حق کے اصولوں کی پیروی کی جاتی تو اس سے ملا جی کو کچھ بھی  
وصول نہ ہو سکتا تھا۔ اس واسطے یہودی ملاؤں نے دین کے نام پر اپنی طرف سے کئی ایسی  
رسمیں ایجاد کر لیں جن سے انہیں مختلف قسم کے فوائد حاصل ہو جاتے تھے۔ اگرچہ دین  
موسوی میں ان رسموں کے لئے کوئی جگہ موجود نہ تھی، تاہم ملا لوگ یہی کہتے رہتے تھے کہ یہ  
تمام رسمیں موسوی دین کا حصہ ہیں، نہایت ضروری ہیں اور باعث ثواب ہیں۔ چونکہ عام  
لوگوں کو اصل کتاب کا علم تو تھا نہیں اس واسطے وہ اپنے ملاؤں ہی کے پیچھے چل دیئے

اور محض رسموں پر اپنا اعتقاد جمالیایا اور اس طرح موسوی شریعت ختم ہو گئی اور اس کی بجائے رسموں کا دین قائم ہو گیا۔ یہودی قوم اپنے دینی اصولوں سے گر گئی اور خلافت الہی کا تاج کھو بیٹھی۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، فَوَيْلٌ لَّهٖم مِمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيهِمْ یہودی علماء پر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنے گھڑے ہوئے مسائل جاری کر کے اپنی قوم کو برباد کر ڈالا ہے۔ اب اسی آیت کا دوسرا حصہ لیجئے۔ یہودی ملاؤں نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اگر یہودی لوگ خدائی اصولوں پر چل کر حاکم، آزاد اور خوشحال رہیں گے تو وہ اپنی زندگی بھی اچھی طرح گزاریں گے اور علماء کی خدمت بھی کریں گے۔ انہوں نے صرف اپنی وقتی کمائی کا فکر کیا اور قوم کا ستیاناس بھی کر ڈالا اور خود بھی برباد ہو گئے۔ خدا تعالیٰ اسی واقعہ کا ذکر کر کے کہتا ہے، فَوَيْلٌ لَّهٖم مِمَّا يَكْسِبُونَ۔ یہودی ملاؤں کی ایسی کمائی پر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنا ذاتی فائدہ ڈسوچ لیا مگر اپنی قوم اور جماعت کو تباہی کے غار میں ڈال دیا۔

عزیزان اسلام! آپ کے بدعتی علماء کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کس قدر رسمیں ایجاد کر رکھی ہیں جن کی دین میں کچھ بھی اصل اور حقیقت نہیں ہے، یہ نذریں اور نیازیں۔ یہ تعویذ اور گنڈے، یہ پٹھانوں سے عرس اور چالیسویں کیا ہیں؟ آپ یقین کریں کہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کا حکم قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔ مگر ملا لوگ آپ سے ہر وقت انہیں رسموں کی مشق کراتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ۹۹ فیصدی مسلمانوں نے انہیں رسموں کو اپنا دین بنالیا ہے۔ مسلمان کی زندگی اور نجات کا راز توحید، تعلیم، اتحاد، حق گوئی، جہاد، محنت، عمل، دیانت وغیرہ میں مضمون ہے۔ مسلمانوں! عمل کی طرف توجہ کرو، ہاتھ سے کام کرو، دیانت دار بنو، صرف زبان کے درد و ظیفوں سے تم کبھی ورثہ اسلام حاصل نہیں کر سکو گے۔ اے اللہ! مسلمانوں کو توفیق عمل عطا فرما۔

یہودی سوسائٹی کا حال ۱۰۱ جنت کے ٹھیکیدار

۸۰۔ وَقَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارَ اِنَّ اِيَّامًا مَّعْدُودَةً ط

و کے معنی اور۔ قالوا کے معنی انہوں نے کہا۔ لَنْ نَمَسَّنَا کے معنی ہم کو نہیں چھوئیگی۔  
لَنْ کے معنی نہیں۔ نَا کے معنی ہم کو۔ النَّار کے معنی آگ۔ اِنَّ کے معنی مگر۔ اِيَّامًا  
مَّعْدُودَةً کے معنی چند روز۔ ايام کہتے ہیں دنوں کو۔ معدودہ کے معنی گنے ہوئے یعنی چند۔  
اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہودیوں کا قول دہرایا ہے۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے خواہ  
ہم کتنے ہی برس ہوں، ہم صرف چند دن دوزخ میں رہیں اور پھر بہشت میں داخل کر دیئے  
جائیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہودی لوگ ایسے ایسے دعوے کیوں کرتے تھے؟ یہ یہودی  
ملاؤں کی غلط تعلیم کا نتیجہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودی ملاؤں نے اپنے پیٹا کے  
لئے یہودی عوام کو طرح طرح کی رسموں، فرقہ بندیوں، وظیفوں، بدعتوں اور تذرونیاز کے  
رواجوں میں غرق کر رکھا تھا اور اس گھڑے ہوئے مذہب کو رواج دینے کے لئے وہ  
انہیں عجیب و غریب سبزاغ دکھاتے رہتے تھے، کسی کو وظیفہ بتاتے اور کہتے کہ اب  
تم بہشت کے حق دار ہو گئے۔ کسی کو مرید بتاتے اور کہتے کہ ہم خود تمہیں بخشوا لیں گے۔ کسی  
کو اپنے فرقے میں شامل کرتے اور یہ کہتے کہ پس تمہارا یہی فرقہ بہشتی ہے اور باقی سب  
دوزخی ہیں۔ چونکہ یہودی ملا بات بات پر اپنی قوم کو جنت کے ڈپوسے دیتے رہتے تھے  
اس واسطے یہودی لوگوں میں یہ عام اعتقاد پیدا ہو گیا تھا کہ ہم عمل کریں یا نہ کریں، دنیا  
کی سب قوموں میں صرف ہمیں لوگ جنت کے ٹھیکیدار ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اس

اعتقاد کا ذکر کر کے فرماتا ہے، اسے نبی!

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَاِنْ كُنْتُمْ تَخْلِفُوْنَ اللّٰهُ عَهْدًا  
کہا کیا پکڑا ہے تم (نے) اللہ سے اقرار کہ نہیں خلاف کریگا اللہ عہد سے اپنے

یعنی اسے نبی! ان یہودیوں سے کہو، اگر تم جنت کے مدعی بنتے ہو تو کوئی خدا تعالیٰ کی سند پیش کرو۔ کیا تم نے خدا تعالیٰ سے جنت میں جانے کا کوئی اقرار نامہ لکھوا لیا ہے جس کو اب وہ ٹوڑ نہیں سکتا؟ اگر تمہارے پاس ایسا اقرار نامہ نہیں ہے تو پھر یہ وہی تباہی و عوسے کیوں کرتے ہو؟ کیوں تم خدا تعالیٰ پر ایسی بات کہتے ہو جس کو تم جانتے نہیں ہو۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے :-

أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝  
یا تم کہتے ہو اوپر اللہ کے جو نہیں تم جانتے

عزیزان اسلام! جس طرح آج کل کے علماء نے مسلمانوں کے الگ الگ فرقے بنا رکھے ہیں اور وہ ان سے ذاتی فوائد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح یہودی ملاؤں نے بھی کھانے کمانے کے لئے اپنے اپنے گٹے قائم کر رکھے تھے اور انہیں یہ یقین دلا رکھا تھا کہ صرف تم سیدھے راستے پر ہو اور بہشتی ہو تاکہ وہ جنت کی اس طمع خام میں ملاؤں کا پیٹ بھرتے رہیں۔ مگر خدا کہتا ہے، لوگو! کو چاہئے کہ وہ ان فریبوں کی اصل حقیقت کو سمجھیں اور ان کا شکار نہ ہوں۔ یہودیوں کی اس نوحش اعتقادی میں مسلمانوں کے لئے بڑا سبق ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ تم ایمان اور عمل کا توشہ لاؤ گے تو نجات ہوگی۔ اگر کوئی ملا اور پیر اس قرآنی تعلیم کے خلاف کوئی دعوے کرے تو آپ اس پر ہرگز ہرگز یقین نہ کریں۔ آپ کے لئے قرآن کے ہر حکم کی پابندی ضروری ہے۔ آپ لاکھ و طیفے پڑھ لیں، ہزار چلے کریں، کروڑوں خانقاہوں پر جائیں، لاکھوں پیروں کے قدم چومیں اور مریدی کریں جب تک آپ حکم قرآن کی پابندی نہ کریں گے، نہ دنیا میں آپ کو کچھ ملے گا اور نہ آخرت میں قرآن کو سیکھو اور قرآن کے ایک ایک حکم پر عمل کرو۔ تمہاری نجات کا راز صرف یہی ہے۔ اے اللہ! ہمیں قرآن کے حکموں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

یہودی سوسائٹی کا حال (۱۰۲) برائی کا گھیر

۸۰۔ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهَا

ہاں جس نے کماٹی برائی اور گھیر لیا (ساتھ) اس کو

خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

برائی اسکی (نے) پس وہ سب (ہیں) دوزخی، وہ سب (ہیں) اس میں ہمیشہ رہنے والے

عزیزانِ اسلام! پہلے بیان ہوا کہ یہودی لوگ یہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں کبھی

چھونے والی نہیں کیونکہ ہماری اُمت خدا کے نزدیک بخشتی ہوئی اُمت ہے اور اگر ہم آگ

میں ڈالے بھی جائینگے تو اس لئے نہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں بلکہ صرف چند دنوں کے

لئے تاکہ گناہوں سے پاک و صاف ہو کر پھر جنت میں جا داخل ہوں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ یہودیوں کے اس دعویٰ کو رد کرو اور ان لوگوں سے

کہہ دو کہ یہ بات جو تم کہتے ہو، دو حالتوں سے خالی نہیں، یا تو یہ ہے کہ تم نے خدا سے اپنی

نجات کا کوئی پٹہ لکھوا لیا ہوگا کہ وہ اب اس کے خلاف نہیں جاسکتا۔ اگر ایسا نہیں ہوا

تو پھر تم نجات کا دعویٰ کر کے خدا کے نام پر ایک ایسا بہتان باندھ رہے ہو جس کے متعلق

تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یا تو کوئی اپنی نجات کی سند دکھائے ورنہ

خدا پر بہتان نہ باندھو۔ اب انہی لوگوں کو غلطی سے نکلنے کے لئے یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کے

ہاں دوزخ سے بچنے کا قانون کیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے کہ آخرت کی نجات کسی خاص اُمت

اور جماعت کا جزی و رتہ نہیں کہ دوسری جماعتیں محروم رہیں اور وہ اکیلی جنت کی ٹھیکیدار

بن جائے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ کوئی انسان ہو، کسی اُمت اور جماعت کا ہو،

جس کسی نے بھی اپنے اعمال سے برائی کماٹی اور اس کے گناہوں نے اسے گھیرے میں لے

لیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہوگا، ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا۔ جنت اور دوزخ کو

قوموں کی بنا پر تقسیم نہیں کیا جائے گا کہ فلاں خاص قوم جنت میں چلی جائے اور باقی قومیں دوزخ میں بھیج دی جائیں۔ بلکہ قانون الہی کے مطابق جنت اور دوزخ کا انحصار ایمان اور عمل پر ہے۔ جو شخص برائی کمائے گا وہ سزا پائے گا۔ خواہ وہ ہندوستانی ہو، یا ایرانی، یمن ہو یا پٹھان، مسلمان ہو یا غیر مسلم، گورا ہو یا کالا۔ (مفاد ترجمان القرآن)

عزیزان اسلام! آپ جانتے ہیں کہ قرآن سے زیادہ سچی اور پکی کوئی کتاب نہیں ہے، غیر مسلموں یا مسلمانوں کے پیشوا، پیر، پنڈت اور ملا اگر کوئی بات بیان کریں تو آپ کبھی کلام خدا کی سند کے بغیر اسے تسلیم نہ کریں۔ فرض کرو کہ ایک شخص آپ سے یہ کہتا ہے کہ تم میرے مرید بن جاؤ اور تعویذ لے لو اور یہ وظیفہ رات اور دن میں ایک ہزار دفعہ پڑھتے رہو تو تم دوزخ سے چھوٹ جاؤ گے۔ آپ اس شخص کو آج کی آیت سنا بیٹے۔ قرآن کہتا ہے کہ جس انسان نے بھی، وہ گورا ہو یا کالا، برائی کمائی اور ان برائیوں نے اس کو اپنے گھر سے میں لے لیا، وہ دوزخی ہے اور وہیں ہمیشہ رہے گا۔ برائیوں کے گھرے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص برائیوں میں ایسا گھر جاتا ہے کہ وہ ان سے نکل کر نہ اپنی اصلاح کر سکتا ہے اور نہ توبہ۔ اسی حالت کو حدیث رسولؐ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے، دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا داغ پڑ جاتا ہے، اسی طرح آہستہ آہستہ تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے، یہ حالت ایسی سخت ہے جس میں انسان برائی کرتا ہے اور محسوس نہیں کرتا۔ جب کسی شخص کی یہ حالت ہو گئی تو پھر اسے کوئی پنڈت، پیشوا یا پیر بچا نہیں سکتا۔ بچاؤ کی راہ یہ نہیں کہ آپ فرقہ بندی کی رسموں میں الجھیں بلکہ نجات کی راہ یہ ہے کہ حکم قرآن اور نمونہ رسولؐ کے مطابق اپنے تمام اعمال درست کر لیں، اپنے معاملات اپنی تجارت، اپنی خانگی زندگی، اور اس کے ساتھ اپنے عقائد و عبادات بھی۔ مسلمانو! اپنے عمل درست کرو۔ عمل کے بغیر کامیابی نہ ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق عمل عطا فرمائے۔



یہودی سوسائٹی کا حال (۱۰۳) حقیقت ایمان

۱۰۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے وہ سب جنت والے

ہم (وہ سب)۔ فی (بیچ)۔ ہا (اس کے)۔ خَالِدُونَ (ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، وہ بہشت میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ آرام کی زندگی بسر کریں گے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں پھر نجات کا قانون بتایا گیا ہے۔ خدا کا لکھا یہ ہے کہ ایمان لاؤ اور نیک کام کرو، پھر تم نجات کے مستحق ہو جاؤ گے۔ پہلے آپ یہ سمجھیے، ایمان اور اور عمل کا کیا مطلب ہے؟ ایک شخص زبان سے کہتا ہے کہ میں ایمان لایا اور میں نے نیک کام کئے، صرف اتنا کہہ دینے سے اس کی نجات نہیں ہو سکتی۔ ایمان اور عمل سے کبھی یہ مطلب نہیں ہے کہ زبان ہلا دیں اور باتیں بنائیں۔ آپ ایک مثال سے ایمان اور عمل کا مطلب سمجھیں۔ فرض کیجئے کہ ایک عورت روٹی پکا رہی ہے۔ سامنے سے اس کا خاوند کہتا ہے کہ جاپان میں زلزلہ آیا اور دس لاکھ آدمی مر گئے۔ عورت یہ خبر سنتی ہے مگر اپنی روٹی بدستور پکاتی رہتی ہے۔ اس واقعہ کے چند ہی منٹ بعد اس کا خاوند وہیں بیٹھا بیٹھا یہ کہتا ہے کہ وہ دیکھو، تمہارا بیٹا کوئیں میں گرنے لگا۔ اب یہ سنتے ہی وہ عورت آپے سے باہر ہو جاتی ہے۔ وہیں آٹا رہ جاتا ہے، وہیں روٹی رہ جاتی ہے، وہ عورت ننگے سر اور ننگے پاؤں کوئیں کی طرف دوڑنے لگ جاتی ہے۔ اسے عزیزان اسلام! علم اور ایمان کی مثال بھی یہی ہے عورت نے جب دس لاکھ جاپانیوں کی موت کی خبر سنی، تو وہ اپنی جگہ سے بھی نہ ہلی۔ یہ علم ہے۔ مگر اسی عورت نے جب اپنے بیٹے کا گناہ سنا تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کوئیں کی طرف بھاگنے لگی، یہ ایمان ہے۔ علم یہ ہے کہ آپ نے کسی شخص سے خدا کا نام سن لیا، رسول

کا نام سن لیا اور قیامت کا نام اور حال سن لیا اور یہ سب کچھ سننے کے بعد آپ عورت کی طرح اپنے نفسانی کاموں میں لگے رہے۔ مگر ایمان یہ ہے کہ جب آپ کو خدا کا حکم سنایا جائے تو آپ بے اختیار ہو جائیں اور سب کچھ چھوڑ کر حکم خدا کی تعمیل کے لئے دوڑنے لگیں۔ ایمان بالرسول یہ ہے کہ آپ حکم خدا سنتے ہی اس طرح اپنے رسول کی طرف دوڑیں کہ آپ کو اور سب کچھ بھول جائے۔ ایمان بالآخرۃ یہ ہے کہ آخرت کی ذمہ داری کا خیال آتے ہی آپ تمام تر گناہوں سے دست بردار ہو جائیں اور نیکی کے کاموں سے لپٹ جائیں۔ ایمان ایسے یقین کو کہتے ہیں جو انسان کو عمل کے لئے اسی طرح بے اختیار کر دے جس طرح کہ وہ عورت اپنے بچے کا کنوئیں میں گرنا سن کر بے اختیار ہوئی تھی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کنوئیں کی طرف نکل بھاگی تھی۔ صحابہ کرام کے ایمان کا حال یہی تھا، وہ اللہ اور رسول کا حکم سنتے ہی جان، مال، اولاد اور آرام سے بے پروا ہو جاتے تھے اور اس طرح دوڑتے تھے کہ انہیں لقمہ چبانے اور جوتہ پہننے کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کو خدا اور رسول کوٹی حکم کریں تو تم اس حکم کو سچا یقین کرو، اور اسی کے ساتھ اپنا مال، جان، اولاد اور عزت سب کچھ قربان کر ڈالو مگر تعمیل حکم سے باز نہ آؤ۔ تم ایسا کرنے سے ہمیشہ کی زندگی کے مالک بن سکتے ہو۔ اب یہ دیکھئے، ہماری موجودہ حالت کیا ہے؟ دین کا تمام معاملہ صرف لفظوں کے اندر قید ہو کر رہ گیا ہے۔ مسجدوں میں، وعظوں میں، تلاوتوں میں تسی پر صرف لفظوں کا تکرار ہو رہا ہے مگر اس کے بعد عمل کچھ بھی نہیں۔ پھر عمل کے لفظ کو ہم نے نماز روزہ اور ورد و وظیفہ کے اندر بند کر دیا ہے، حالانکہ عمل میں، محنت، مزدوری، تجارت، دستکاری، جہاد، خدمت اور تبلیغ سب چیزیں شامل ہیں، مسلمانو! نمازیں بھی پڑھو اور ہاتھ پاؤں سے بھی کام کرو۔ لوگوں سے مانگ کر کھانا بالکل بیکار بیٹھنا اور پھر اللہ کرتے رہنا بالکل بے معنی ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے تمام حکموں پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۰۴) خدا کی عبادت

۸۲- وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَوْ تَعْبُدُونَ اِلَّا اللّٰهَ تَعَالٰی

اور جب لیا ہم نے اقربہ بنی اسرائیل سے نہ ہم عباد کریں گے مگر اللہ کی

عزیزان اسلام! پہلے یہ بیان ہوا کہ بنی اسرائیل کو اپنی فرقہ بندی پر برا گھنڈ تھا،

وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں، اس واسطے وہ ہمیں صرف چند دن دوزخ میں

رکھ کر بہشت کے اندر لے جائیگا۔ خداوند تعالیٰ بنی اسرائیل کی اس غلط فہمی کو دور کر رہا ہے

پہلے یہ کہا کہ جنت کی نعمتوں کو فرقہ دار حقوق کی طرح قوموں میں تقسیم نہیں کیا جائیگا بلکہ

یہ چیز سراسر ایمان و عمل پر موقوف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا لکھا یہ ہے کہ جو شخص گناہوں

میں گھر جائیگا وہ دوزخی ہے اور جو ایمان اور اعمال نیک کی کسوٹی پر پورا اترے گا وہ بہشتی

ہے۔ آج کی آیت میں یہ بتایا ہے کہ نیک عمل کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوتا ہے کہ نیک عمل

تین حصوں میں تقسیم ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے دوم

یہ کہ والدین، اقرباء، یتیم و مسکین اور عام پبلک کے حقوق ادا کئے جائیں۔ تیسرے یہ کہ

نماز قائم کی جائے اور زکوٰۃ دی جائے۔ خدا کی عبادت اللہ کا حق ہے۔ والدین، اقرباء

اور یتیم مسکین کی خدمت، بندوں کا حق ہے اور نماز و زکوٰۃ ایک قومی اور جماعتی ضرورت

ہے اور ان تینوں کے مجموعے کا نام عمل صالح ہے۔

عزیزان اسلام! اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پہلا اقرار یہ لیا تھا۔ لَوْ تَعْبُدُونَ

اِلَّا اللّٰهَ۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ یہ چار لفظوں کا فقرہ، سارے دین

اسلام کی جڑ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں جتنے بھی نبی بھیجے ہیں، وہ سب کے سب اسی

ایک پیغام کو پہنچانے کے لئے بھیجے گئے۔ سورہ نحل میں لکھا ہے کہ ہم نے ہر قوم میں ایک

نبی بھیجا جس کا پیغام یہ تھا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچتے رہو۔ اللہ کے

سوا پر وہ شخص یا قوم جو خود حاکم ہونے کا دعویٰ کرے، طاغوت ہے، اس کا حکم ماننا شرک اور خدا کا حکم ماننا عبادت۔

عزیزان اسلام! اس دنیا میں سچائیاں دو نہیں ہیں بلکہ سچائی صرف ایک ہے اور وہ سچائی خدا کی توحید ہے۔ توحید اور عبادت کا فرق سمجھ لیجئے، توحید، عقیدے کا نام ہے اور عبادت، عمل کا نام ہے۔ جب آپ دل سے یقین کرتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ صرف ایک خدا ہے تو اس کا نام ہے توحید کا عقیدہ۔ لیکن جب آپ اسی ایک خدا کو اپنا ایک بادشاہ تسلیم کر کے عملی طور پر اس کے قوانین پر عمل کرتے ہیں تو یہ عبادت ہے۔ آپ یاد رکھئے کہ تسبیح لے کر صرف زبان سے اللہ اللہ کرنا ہی عبادت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا عبادت ہے۔

عزیزان اسلام! کوئی درخت جڑ کے بغیر قائم نہیں ہوتا۔ انسانی زندگی کی جڑ یہ ہے کہ تمام انسان خدا کو اپنا بادشاہ تسلیم کریں، وہ ایک دوسرے کے حاکم نہ بنیں، بلکہ سب مل کر خدا کے حکموں کی پابندی کریں۔ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو سمجھئے کہ وہ کافروں کے طریقے پر عمل کر رہا ہے۔ اسلام کسی شخص کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ بادشاہ بنے اور دوسرے لوگوں کو اپنی رعیت سمجھ کر ان پر اپنا حکم چلائے یہ طریقہ کافروں کا تھا۔ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں اور بادشاہ ان سب کا ایک ہے یعنی خدا۔ سب انسانوں کا ایک جیسا فرض ہے کہ وہ خدا کے حکم کی اطاعت کریں۔ اسے عزیزان اسلام! آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اسلامی زندگی کا پہلا حرف یہ ہے کہ آپ کا بادشاہ صرف ایک خدا ہے اور آپ کو اسی کے حکموں پر چلنا چاہئے۔ جب آپ نے یہ طے کر لیا تو سمجھو کہ آپ کے دین اور زندگی کی بنیاد قائم ہو گئی۔ اس کے بعد باقی کی ساری چیزیں اسی ایک بنیاد کو مضبوط کرنے والی ہیں۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۰۵) (۲) خاندانی زندگی کے حقوق  
وَجِالُوا الدِّينَ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا

عزیزان اسلام! آپ نئے لفظوں کے معنی یاد کر لیں۔ پ کے معنی ساتھ۔ وَالِدِین کے معنی ماں باپ۔ جِالُوا الدِّین کے معنی ماں باپ سے۔ ذی الْقُرْبَىٰ کے معنی رشتہ دار حُسْنًا کے معنی نیک بات، یعنی ماں، باپ، اقرباء اور یتیم و مسکین کے ساتھ نیک کر۔

عزیزان اسلام! پہلے یہ کہا، لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ جب بندے نے صرف ایک خدا کے بادشاہ ہونے کا اقرار کر لیا تو سمجھو کہ وہ بنیاد قائم ہو گئی جس پر انسانی زندگی کا حق اور عمارت بنائے جائے گی۔ اس کے بعد یہ کہا کہ وَالِدِین قریبی رشتہ داروں، یتیم، مسکین اور عام نیک کے درجہ بدرجہ حقوق ادا کرو۔ یہ خدا کو بادشاہ ماننے کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کی تمام مخلوق کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے۔

عزیزان اسلام! خدا کی عبادت کے بعد دوسرا حق یہ ہے کہ ماں باپ پر احسان کیا جائے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص ایک سو روپیہ تنخواہ پاتا ہے اور ستر روپے ماں باپ کو بیچ دیتا ہے اور باقی تیس میں خود اپنے ہاں لطف اور بے پروائی کی زندگی بسر کر رہا ہے، کہا جائے گا کہ اس شخص نے ماں باپ کے ساتھ احسان کا پورا حق ادا نہیں کیا۔ احسان یہ نہیں ہے کہ آپ ماں باپ کو دس پچاس روپے بیچ دیں اور پھر انہیں بھول جائیں۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ کا دل نہایت درجہ کی توجہ کے ساتھ اپنے ماں باپ کی طرف لگا رہے اور کسی وقت بھی آپ کی توجہ ان سے غیر حاضر نہ ہو، آپ توجہ سے ان کی بات سنیں اور اپنا اسلامی اور انسانی فرض سمجھ کر ان کا حکم مانیں۔ ان کی خوشی اور ان کی تکلیف سے بے قرار ہوں۔ آپ ان کے وجود کو اپنے لئے برکت اور غنیمت سمجھیں، قلب انسانی کی ایسی ہی توجہ اور جھکاؤ کا نام احسان ہے۔ منشا ہے ابی یہ ہے کہ اولاد کا دل ہر وقت اپنے ماں

باپ پر جھکار ہے، یہ ہے مطلب احسان کا۔

عزیزان اسلام! ماں باپ کے بعد قریبیوں کا حق ہے۔ رشتہ دار بھی آپ کے قریبی ہیں اور ہمسائے بھی۔ حدیث کی کتابیں صلہ رحمی کرنے کے ثوابوں سے بھری پڑی ہیں۔ جو شخص رحم والوں سے اپنا تعلق کاٹتا ہے، خدا کی رحمت سے اس کا تعلق خود بخود کٹ جاتا ہے یہ ضروری ہے کہ رشتہ داری یا جائداد و زمین کے بارے میں رشتہ داروں کے ساتھ جھگڑے ہوں۔ لیکن ان جھگڑوں کی وجہ سے اقرباء کے ساتھ محبت اور مہربانی کے تعلقات کاٹنے نہیں چاہئیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمسایہ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی اس قدر تاکید فرمایا کرتے تھے کہ بعض صحابہ نے خیال کر لیا کہ آپ ہمسایوں کے لئے بھی جائداد میں حصہ دینے کا حکم صادر فرمائیں گے۔ جب تک ہر ایک شخص اقرباء اور ہمسایوں سے نیک برتاؤ نہ کرے گا، اچھا تمدن کبھی شکل پذیر ہی نہیں ہو سکتا۔

عزیزان اسلام! پہلے خدا کی عبادت کے لئے کہا۔ یہ اس کی خالقیت کا حق تھا، پھر ماں باپ پر احسان کا حکم دیا، یہ ان کے پالنے پوسنے کا حق تھا۔ پھر اقرباء اور ہمسایوں سے نیک سلوک کا ارشاد فرمایا، یہ ان کی برادری، برابر ہی اور مساوات کا حق تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یتیم اور مسکین کی خبر گیری کرو۔ یہ گرسے ہوئے طبقوں کو اوپر اٹھانے کی کوشش ہے۔ پیغمبر اسلام نے ایک دفعہ دو انگلیاں اٹھائیں اور فرمایا، یتیم کو پالے والا ان دو انگلیوں کی طرح میرا ساتھی ہوگا۔ یتیموں اور مسکینوں کی پرورش کی بہتر صورت یہ ہے کہ طاقت والے لوگ اپنے گھر میں ایک ایک یتیم بچہ یا بچی لے کر اسے داخل اولاد کر لیں۔

عزیزان اسلام! یہ وہ احکام ہیں جو یہود کو دیئے گئے۔ مگر انہوں نے نافرمانی کی اب یہی احکام آپ کے لئے ہیں۔ آپ ان سب کے حقوق کا احساس کیجئے، کوئی شخص اس کے بغیر اسلام کی نعمت حاصل نہیں کر سکتا۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۲۰۶) (۳۳) انسانیت کا حق

وَ زَاوَرَ قَوْلُوْا رَكِبُوْا لِلنَّاسِ (لوگوں سے) حَسَنًا رَّيْكَ بَاتِ

عزیزان اسلام! آیت کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں سے پیٹھے بول بولو۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی نبی آئے ہیں، خدا تعالیٰ نے ان سب کو ایک جیسی ہدایت سکھائی تھی، آپ نے سکولوں میں دیکھا ہوگا، وہاں جماعتیں اور ماسٹر الگ ہوتے ہیں مگر آخر میں جو سند دی جاتی ہے وہ سب لڑکوں کے لئے ایک ہوتی ہے۔ کام کی سہولت کے لئے سکول کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ جیسی لیاقت لڑکوں کی ہو، اسی کے مطابق ان کو تعلیم دی جائے۔ خدا تعالیٰ کے نبیوں کی بات بھی یہی ہے، وہ نسل انسانی کے استاد ہیں، جس زمانے میں انسانوں کی جیسی لیاقت تھی، اسی کے مطابق خدا کے نبی انہیں تعلیم بھی دیتے تھے اور سند بھی دیتے تھے۔ جس طرح پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک سب لڑکوں کو حساب پڑھایا جاتا ہے، اسی طرح نبیوں کی جماعتوں میں بھی سب انسانوں کو اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی۔ تورات میں بنی اسرائیل کے لئے اخلاق کی تعلیم ادھوری تھی۔ قرآن پاک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بالکل پورا کر دیا ہے۔ جن احکام کو ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں جس طرح یہ حکم بنی اسرائیل کیلئے ہے، اسی طرح یہ آپ کے لئے بھی ہے۔

عزیزان اسلام! اوپر کی آیت نے آپ کے اخلاقی فرائض کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اول حق خدا کا ہے، آپ اسے اپنا واحد بادشاہ سمجھیں اور اس کے قانون کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ خدا کے اس حق میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ خدا کے بعد بندوں کا حق ہے۔ یہ حق چار حصوں میں تقسیم ہے، جنہیں آیت نے رَا وَ الْوَالِدَيْنِ (۲) ذِي الْقُرْبَىٰ (۳) الْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِيْنَ (۴) النَّاسِ کے الفاظ میں بیان کیا

ہے۔ اول حق، اپنے سے اونچے سے بزرگوں یعنی والدین کا، ان سے احسان کرو۔ دوسرا حق  
 قریبوں اور ہمسایوں یعنی اپنے خاندانی حلقے کا ان کے ساتھ عدل اور محبت کا برتاؤ رکھیں۔  
 تیسرا حق، یتیم و مسکین یعنی پس ماندہ حلقوں کا، ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کریں  
 چوتھا حق، وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے معنی  
 یہ ہیں کہ کوئی بھی انسان جو اس دنیا میں پیدا ہو گیا ہے، وہ آپ سے بے تعلق نہیں ہے  
 خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ پر یہ ضروری فرض عائد کیا گیا ہے کہ آپ ہر ایک انسان کے  
 ساتھ انسانی برادری کا حق ادا کریں۔ ظاہر ہے کہ آپ ہر انسان کو نہ کھانا دے سکتے ہیں  
 نہ روپے دے سکتے ہیں۔ اس واسطے صرف یہ کہا، وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ یعنی  
 انسانی برادری کے متعلق تم پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ تم سب انسانوں کے ساتھ میٹھا  
 بول بولو، خوش خلقی سے پیش آؤ، ہنستے ہوئے چہرے سے بولو۔ غور کیجئے، یہ کتنی اچھی  
 اور کیسی فطری تعلیم ہے۔ خدا کا حق، عبادت۔ ماں باپ کا حق احسان۔ اقرباء کا حق،  
 نیکی۔ یتیم مسکین کا حق شفقت اور عام پبلک کا حق میٹھا بول اور ہنستے ہوئے چہرے  
 سے ملنا، گویا یہ بھی خدا کی عبادت کا حصہ ہے۔ مگر افسوس کہ امیر لوگ غریبوں سے اچھا  
 نہیں ملتے۔ حاکم، محکوموں کے ساتھ کبر و نفرت روا رکھتے ہیں۔ بعض خاندان، دوسرے  
 خاندانوں کو خواہ مخواہ حقیر سمجھتے ہیں۔ تعلیم یہ ہے کہ کوئی انسان خواہ کتنا بھی غلط کار، مجرم  
 غریب، جاہل اور گداگر وغیرہ ہو، اس کا یہ انسانی حق ہے کہ آپ اسے اپنا ابنائے جنس  
 سمجھیں اور عزت کے ساتھ پاس بٹھا کر میٹھی زبان میں اسے جو کچھ بھی کہنا ہو، کہیں  
 کوئی غلط کار ہو تو اسے بھی اچھی طرح پاس بٹھا کر سمجھائیں، اولاد کو بھی پاس بٹھا کر سمجھائیں،  
 گداگروں کو بھی پاس بٹھا کر نرم زبان سے سمجھائیں۔ مسلمانوں میں ترشی اور تلخی زیادہ ہو گئی ہے  
 انہیں دنیا میں میٹھا بن کر رہنا چاہئے۔



بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۰۷) (۲) جماعتی اور سیاسی تنظیم  
 وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا  
 اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے  
 مِّنْكُمْ (تم میں)۔ وَأَنْتُمْ (اور تم) (ہو)۔ مَعْرِضُونَ (نافران)

عزیزان اسلام! آج ۸۲ ویں آیت پوری ہو گئی۔ اس آیت میں پہلے یہ کہا کہ ایک  
 خدا کی عبادت کرو کہ یہ انسان کا فطری اور نوعی حق ہے۔ دوسرے یہ کہ والدین پر احسان  
 کرو، رشتہ داروں اور ہمسایوں سے نیک برتاؤ کرو، یتیم و مسکین کو امداد دو اور ہر انسان  
 کے ساتھ میٹھا بولو اور سنسن کر لو۔ یہ سب باتیں انسان کا خاندانی اور مجلسی حق ہیں۔  
 اب یہ فرمایا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو، یہ دونوں کام ایسے ہیں جن سے کسی قوم کی جماعتی  
 زندگی کا نظام درست ہوتا ہے۔ گویا بنی اسرائیل کو آخری حکم یہ دیا گیا کہ تمہارے لئے  
 صرف خدا کی عبادت، خاندانی اور مجلسی زندگی کی ورستی، اور پس ماندہ لوگوں کو سہارا  
 دے کر کھڑا کرنا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ تم نماز ادا کر کے ایک جماعت بن  
 جاؤ اور زکوٰۃ ادا کر کے اپنے پاس ایک خزانہ جمع رکھو تاکہ قوم کی سیاسی قوت اور حکومت  
 بھی قائم ہو جائے۔ غور کیجئے کہ یہ تمام احکام کتنے اچھے تھے مگر آیت کہتی ہے: ثُمَّ  
 تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ۔ صرف چند ہی آدمیوں نے ان حکموں کی تعمیل کی اور باقی  
 سب انکاری ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل پر ایک دفعہ پھر ذلت و خواری  
 کا عذاب برس پڑا۔ کیوں؟ چونکہ زیادہ نے نافرمانی اور تھوڑوں نے عمل کیا، اس واسطے  
 سب وَأَنْتُمْ مَعْرِضُونَ (اور تم سب نافرمان ہو) کی وعید میں آ گئے۔

عزیزان اسلام! آیت بتاتی ہے کہ سب یہودیوں نے اطاعت حکم سے انکار نہیں  
 کیا تھا بلکہ زبانی اقرار زیادہ نے کیا اور عمل تھوڑوں نے کیا۔ آپ یاد رکھئے کہ بدقسمت قوموں

کی اصل نشانی یہی ہے، کوئی کام کتنا بھی فائدہ مند اور نیک کیوں نہ ہو، اُس پر صرف چند آدمی عمل کرتے ہیں اور باقی سب یا تو مزے سے بستروں پر لیٹے رہتے ہیں یا عمل کرنے والوں کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ راز ترقی صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ قوم کے اندر جو بھی قدم اٹھایا جائے، سب لوگ دلی ورد کے ساتھ اُس میں شامل ہو جائیں اور اُسے مکمل کر دیں۔ آپ گھڑی کی مثال دیکھئے، اگر گھڑی کا ایک پرزہ کام نہ کرے تو ساری گھڑی بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قوموں کا حال ہے، اگر کسی قومی کام میں ایک شخص بھی رکاوٹ ڈال دے یا خوش دلی سے کام نہ کرے تو پھر اس کام میں عزت اور خوشی باقی نہیں رہ جاتی۔ افسوس کہ آج کل کے عام مسلمانوں نے اس معاملے میں بھی یہود کی چال اختیار کر لی ہے۔ ہمارا کوئی بھائی کتنا بھی نیک کام شروع کرے، صرف چند ہی آدمی اس کا ساتھ دیتے ہیں اور باقی سب لوگ یا تو توجہ ہی نہیں کرتے یا مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ اسی نقص کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کام بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اے عزیزان اسلام! آپ ذاتی اور قومی کام کا فرق سمجھیں۔ میں اپنا مکان تعمیر کر رہا ہوں یہ ذاتی کام ہے، میں سکول کی عمارت بنوا رہا ہوں، یہ قومی کام ہے۔ یہ آپ کا اسلامی فرض ہے، اگر آپ کا کوئی بھائی کوئی نیک قومی کام شروع کرے تو آپ سب مل کر اس کی امداد کریں، اس کے کام کو اپنا کام سمجھیں اور محض خدا کے لئے اس کا ہاتھ بٹائیں اور ثواب کا درجہ حاصل کریں۔ اب آپ کے سامنے یہی درس قرآن سنانے کا معاملہ ہے، اگر تمام مسلمان، دوسرے بھائیوں کو اپنے گھر میں درس قرآن سنانے پر مجبور کریں تو ایک دن میں سارا ہندوستان ایک قرآنی سکول بن سکتا ہے۔ مسلمانو! آؤ، قرآن کی خدمت کریں اور اپنے بھائیوں میں ہدایت پھیلائیں۔ ہماری ترقی اور نجات کا اصلی راستہ یہی ہے۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۰۸) (۵) نفاق باہمی سے بچنے کا عہد

۸۳۔ فَاِذَا آخَذْنَا مِيثَاقَكَ كَمَا لَوْ كُنَّا لِنَفْسِكَ لَوَدَّ كُنَّا لِنَفْسِكَ لَوَدَّ كُنَّا لِنَفْسِكَ لَوَدَّ كُنَّا لِنَفْسِكَ لَوَدَّ كُنَّا لِنَفْسِكَ

اور جب لیا ہم نے اقرار تمہارا نہ تم بہاؤ گے خون اپنے

وَكَذَلِكَ نَخْرِجُونَ الْفُكُكُ مِنَ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَدْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ

اور نہ تم نکالو گے جانوں اپنی گھروں میں سے اپنے پھر اقرار کیا تم نے اور تم سب گواہ ہو

(ترجمہ) اے بنی اسرائیل! ہم نے تم سے یہ بھی اقرار لیا تھا کہ تم ایک دوسرے

کا خون نہ بہانا اور نہ اپنے آدمیوں کو گھروں سے نکالنا اور تم گواہ ہو کہ تم نے یہ اقرار کر لیا تھا

عزیزان اسلام! یہودیوں کے بہت سے قبیلے تھے جو صد ہا سال تک فرعون کی

غلامی میں پڑے رہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان میں اتفاق نہیں تھا، فرعون کے

افسرانہیں آپس میں لڑائے رکھتے تھے اور خود بے فکر ہو کر مزے کی زندگی گزارتے تھے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی رہنمائی نے سب سے پہلا کام یہ کیا

کہ بنی اسرائیل کے باہمی نفاق کو مٹا کر انہیں ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا اور ان

کا قومی اتفاق قائم رکھنے کے لئے یہ حکم دیا، اے قوم! خدا سے اقرار کرو کہ تمہارا کوئی

قبیلہ دوسرے قبیلے کے آدمی کو قتل نہیں کرے گا، نہ کوئی قبیلہ دوسرے قبیلے پر چڑھائی

کرے اسے گھر سے نکالے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ قانون جاری کر کے بنی

اسرائیل کی آپس کی لڑائیاں بند کر دیں، ان کی اندرونی طاقتیں محفوظ کر دیں اور وہ

دشمن لوگ جو بنی اسرائیل کی آپس کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھاتے تھے، انہیں پیچھے

ہٹا دیا اور بنی اسرائیل کی جان، مال اور عزت محفوظ ہو گئی۔

عزیزان اسلام! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی کہا تھا مگر افسوس کہ ہم آج

اپنا اقرار قبول گئے ہیں۔ آپ کی تعداد نو کروڑ ہے مگر نا اتفاقی اور دھڑہ بندی کے باعث

آپ کی زبردست طاقت کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کے جان، مال اور عزت کو دوسرے مسلمان پر حرام ٹھہرایا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میرا اُمتی وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے بھائی کو نقصان نہ پہنچے آپ نے فرمایا تھا کہ جو شخص مسلمان کو گالی دے، وہ فاسق ہے اور جو شخص مسلمان کو قتل کرے، وہ کافر ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی مثال آپس میں ایسی ہے جیسے ایک دیوار کی اینٹیں جو ایک دوسرے کو مضبوط رکھتی ہیں۔ رسول اللہ کے یہ سارے احکام اس لئے تھے تاکہ سب مسلمان بھائی بھائی بن کر دنیا میں باعزت زندگی بسر کریں۔ اے مسلمانو! رسول اللہ کے ان احکام کی رو سے تم کو آپس میں ایک دوسرے کا درد ہونا چاہئے، تم کو ایک دوسرے سے مل کر رہنا چاہئے، ایک دوسرے کے کام میں امداد دینی چاہئے۔ اگر آپ کا نفس کسی دوسرے مسلمان کی مخالفت کے لئے تیار ہو تو آپ کو خود اپنے آپ کو سمجھانا چاہئے اور اپنے مسلمان بھائی کے متعلق درگزر سے کام لینا چاہئے تاکہ آپ کی قوم میں دھڑہ بندی اور نا اتفاقی کی ترقی نہ ہو۔ نا اتفاقی کا بڑا سبب سیاسی اور مذہبی فرقہ بندیاں ہیں ایکشن کی دبانے گھر گھر میں نا اتفاقی پھیلا رکھی ہے۔ اسی طرح حنفی، واپلی، دیوبندی اور بریلوی جھگڑوں نے۔ وقت آ گیا ہے کہ آپ ان جھگڑوں کی بے حقیقتی کو سمجھ کر کسی طرح ان سے نکلنے کی کوشش کریں۔ مسلمانو! ہر قسم کے لڑائی جھگڑوں، نا اتفاقیوں اور زیادتیوں سے باز آ جاؤ اور رسول اللہ کے اقرار کو پورا کر دو اور اچھی طرح سن لو، تمہارے لئے عزت اور بھلائی کی راہ یہی ہے کہ تم اتفاق و اتحاد سے ایک جسم اور ایک جان بن کر رہو۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو ناحق نقصان نہ پہنچائے، کوئی مسلمان غیر طاقتوں کا آلہ کار نہ کرے کسی مسلمان پر حملہ آور ہو، نہ اسلامی خاندان پر اور نہ اسلامی ملک پر۔ اگر تمہارا بھائی ناحق پر ہو تو تم اسے انصاف پر قائم کرو۔ یہ بھی اس کی صحیح امداد ہے۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۲۹)۔ (۴) عہد امتحان کی خلاف ورزی

۸۴۔ ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فِرْقًا

میں سے ایک گروہ کو

میں سے ایک گروہ کو قتل کرتے ہو شخصوں کو اپنے اور نکالتے ہو ایک گروہ کو

مِنْكُمْ مِّن دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

اپنے گروہوں سے ان کے زیادتی کرتے ہو ان پر ساتھ گناہ اور ظلم کے

عزیزان اسلام! تورات کا حکم تھا کہ بنی اسرائیل کے قبیلے نہ ایک دوسرے کو قتل

کریں اور نہ ایک دوسرے کو گھروں سے نکالیں۔ مگر بنی اسرائیل کا عمل یہ تھا کہ وہ آپس

میں خوب سینہ زوریاں دکھاتے تھے، ہر شخص اور ہر قبیلہ یہ ظاہر کرتا تھا کہ سینہ زوری

میں کوئی ہم سے بڑا نہیں اور ہماری چوٹ کا کوئی جواب نہیں دے سکتا، وہ اپنی شہنی

اور گھمنڈ کی وجہ سے ایک دوسرے کی بے قدری کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو حقیر و ذلیل

سمجھتے تھے اور سینہ زوری کے ساتھ چڑھائی کر کے ایک دوسرے کو قتل بھی کر ڈالتے تھے

اور گھروں سے بھی نکال دیتے تھے۔ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت دکھانے کے لئے ظالم اور بدکار کا لباس پہن لیتے تھے

عزیزان اسلام! پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عہد لیا، وَتُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ

تم اپنی جانوں کو گھروں سے نہ نکالنا۔ آج کی آیت میں بتایا، أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ

أَنْفُسَكُمْ، تم وہی ہو اپنی جانوں کو قتل کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ جو شخص اپنے بھائیوں کو

گھر سے نکالے یا قتل کرے، وہ درحقیقت اپنے آپ ہی کو قتل کر رہا ہے۔ بھائی کا قتل اور

خراج یہی ہے کہ کسی غیر کی فوج میں بھرتی ہو کر مسلمان کو قتل کیا جائے یا غلام بنایا جائے

اب آپ بھی اپنی جگہ پر غور کیجئے۔ آپ میں کتنے آدمی رسول اللہ کے اقرار اخوت پر قائم

ہیں۔ قرآن کا حکم یہ تھا کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ مگر آپ کا عمل یہ ہے کہ مسلمان

ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ آج مسلمانوں کو غیروں کے ہاتھ سے پناہ مل جاتی ہے مگر مسلمانوں کے ہاتھ سے نہیں ملتی۔ آپ خود ہی غور فرمائیے کہ وہ لوگ کون تھے جنہوں نے بغداد پر حملہ کیا، جنہوں نے عربوں کو قتل کیا، جنہوں نے ترکوں کے سینے پر گولیاں چلائی ہیں۔ آپ برطانیہ، اٹلی، فرانس، ہسپانیہ کسی بھی ملک میں چلے جائیے، آپ عیسائیوں کی لڑائی میں دونوں طرف مسلمانوں ہی کو تلواریں اٹھائے ایک دوسرے کو قتل کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ ہماری اسلام دشمنی کی حد ہو گئی ہے۔ آج مسلمان اپنی تلوار سے مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں اور کفار کو بچا رہے ہیں۔ یہودی تو صرف آپس کے جھگڑوں میں ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور گھروں سے نکالتے تھے مگر ہم ان سے بھی سینکڑوں میل آگے نکل گئے ہیں۔ ہم کفار کی حمایت میں مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور گھروں سے نکالتے ہیں، آپ خود ہی یاد کریں، کتنے ملک ایسے ہیں جنہیں خود آپ نے مسلمانوں سے خالی کر لیا ہے اور کفار کے حوالے کر دیا ہے۔ خیر، وہ تو بڑی جنگ تھی، یہاں ایکشنوں کی چھوٹی جنگ دیکھ لیجئے۔ کانگرس اور لیگ کے مقابلے میں دونوں طرف مسلمان سپاہی سینے تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کر دینے کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ قرآن نے یہودیوں پر الزام لگایا تھا کہ وہ قتل کتے تھے تو ایک دوسرے کو۔ گھروں سے نکالتے تھے تو ایک دوسرے کو۔ اپنی پہلوانی اور سینہ زوری کا مظاہرہ کرتے تھے تو ایک دوسرے کے خلاف۔ مگر آج ہماری حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ آج مسلمان کفار کے جھنڈے تلے ایک دوسرے کو قتل کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہم غازی ہیں۔ مسلمان، کفار کو جگہ دینے کے لئے مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہم طاقتور ہیں۔ ہم ہذب اور رحیم ہیں صرف دوسروں کے لئے۔ لیکن اگر کسی مسلمان سبائی کا معاملہ ہو تو ہم دھوکا دینے اور جھگڑا ڈالنے کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ اسے خدا! ہماری حالت پر رحم فرما۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱) (۱۲) بعد قتل ہمدردی  
وَ اِنْ يَأْتُوكُمْ اَسْرٰى فَعَدُوٌّ حَسْبُكُمْ وَ هُوَ مُحْرَمٌ

اور اگر وہ آئیں تمہارے پاس قید ہو کر تم فدیہ دیتے ہو ان کا اور وہ تمہارا حرام  
عَدِيْكُمْ (تم پر)۔ اِخْرَاجُ (نکالنا)۔ حَسْبُ (اُن کا)۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارا  
نکالے ہوئے آدمی قیدی بن کر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیتے  
ہو۔ حالانکہ یہی بات حرام تھی کہ تم پہلے دن اُن کو اپنے گھروں سے نکالو۔

عزیزان اسلام! یہودیوں کا عمل یہ تھا کہ وہ اپنی طاقت دکھانے کے لئے دھڑ بھڑا  
کر کے اپنی قوم کے کمزوروں کو ملک سے نکال دیتے تھے۔ پھر جب یہی لوگ اپنے ملک سے نکل  
کر دشمنوں کا شکار ہو جاتے تو چند سے جمع کر کے انہیں چھڑا لیتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ  
یہودی سینہ زوری اور گھمنڈ حد کو پہنچ چکا تھا، وہ جانتے تھے کہ جس گروہ کو گھروں سے نکالا  
جا رہا ہے وہ دشمنوں کا شکار ہوگا اور پھر قومی عزت کے لئے ان گرفتار شدوں کو معاوضہ  
دے کر چھڑانا پڑے گا مگر اس کے باوجود وہ محض اپنی طاقت دکھانے اور کمزور کو زیر کر ڈالنے  
کے لئے دوسروں پر ظلم کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ گویا انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اپنا گھمنڈ  
جتانا اور کمزور کو نیچا دکھانا ضروری ہے، خواہ بعد میں پاس سے روپیہ خرچ کر کے اپنے ظلم  
کی تلافی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ یہ آپس کی ضد کا نتیجہ تھا۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے  
تھے کہ ایک یہودی کے سامنے دوسرا یہودی گروں اونچی کرے، وہ اس کی گردن جھکاتے تھے  
تاکہ ایک دفعہ اپنی ضد پوری کریں۔ جب یہ ضد پوری ہو جاتی تھی تو پھر وہ چنہ کر کے خود ہی  
انہیں چھڑا لاتے تھے۔

عزیزان اسلام! اب آپ اپنا حال دیکھیں، یہودی آپس کی ضد میں ایک دوسرے کو  
قتل کرتے تھے، مسلمان بھی آپس کی ضد میں ایک دوسرے کے قتل سے دریغ نہیں کرتے۔

اور اس سے زیادہ یہ ہے کہ اگر انگریز یا اطالوی آپ کو دعوت دیں کہ مسلمانوں کے قتل میں ہمارا ہاتھ بٹائیے تو آپ ہماییت خوشی سے اس دعوت کو قبول کرتے ہیں اور دشمنان اسلام کی صف میں کھڑے ہو کر قتل مومن سے ذرا دریغ نہیں فرماتے بلکہ آپ دشمن کو پیچھے رکھتے ہیں اور خود آگے ہو کر جان دیتے ہیں۔ یہ بے غیرتی کی حد ہے کہ جب آپ اپنے دونوں ہاتھوں سے حاملین قرآن کو قتل کرتے ہیں تو اس وقت بھی آپکی بغل میں قرآن اور زبان پر کلمہ شہادت جاری ہوتا ہے عزیزان اسلام! یہودی لوگ اپنی قوم والوں کو آپس کی ضد میں گھروں سے نکالتے تھے اب آپ نے اس سنت کو بھی مکمل کر دیا ہے۔ آپ ساہوکاروں کے گواہ بنتے ہیں اور مظلوم مسلمانوں کے خلاف ڈگریاں لاکر انہیں گھروں سے بے دخل کراتے ہیں۔ آپ حنفی یا وہابی بن جاتے ہیں اور مسلمانوں کو مسجدوں تک سے نکال دیتے ہیں۔ آپ مسلمانوں کی شکایتیں کرتے ہیں اور انہیں ان کی ملازمتوں سے برخاست کراتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان آپکے پیچھے میں پھنس جائے تو آپ موت تک اس کا پچھا نہیں چھوڑتے، اس کی آئندہ نسل تک کو معاف نہیں کرتے اگر کوئی یورپین قوم اشارہ کرے کہ فلاں اسلامی قوم کو گھروں سے نکال دینا چاہئے تو آپ سب سے پہلے اس ظالمانہ دعوت کو لبیک کہتے ہیں۔ غور کیجئے، کتنے اسلامی ممالک ایسے ہیں جن کے رہنے والوں کو خود مسلمانوں نے ان کے گھروں اور ملکوں سے بے دخل کر دیا ہے۔

عزیزان اسلام! آیت بتاتی ہے کہ یہودی قبائل جن لوگوں کو اپنے گھروں سے نکالتے تھے۔ جب وہ دشمنوں کے ہاتھوں میں پھنس جاتے تھے تو پھر چندے جمع کر کے انہیں چھڑاتے تھے۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کا حال بھی یہی ہے۔ آپ نے ترکوں کو مارا اور جب وہ تڑپنے لگے تو پھر چندے جمع کئے۔ آپ نے عراق اور فلسطین پر چر کے لگائے۔ جب یہ بھی تڑپے تو اب ان کے لئے بھی آپ چندے جمع کر رہے ہیں۔ مسلمانو! خدا سے ڈرو، مسلمانوں کو ستانے کے بعد ان کی ہمدردی کا شور بے معنی ہے۔



بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۱) (۸) دکھاوے کی دینداری

آ فَ تُوْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ ۗ  
کیا پھر تم مانتے ہو کچھ حصہ کتاب اور نہیں مانتے دوسرے حصہ

آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ اصل میں خدا کی کتاب کو نہیں مانتے تھے بلکہ اپنی خود غرضیوں کے پیچھے چلتے تھے۔ اگر کوئی حکم غرض کے مطابق ہوتا تو اس کو مان لیتے اور اگر خواہش نفس کے خلاف ہوتا تو اس سے انکاری ہو جاتے۔ کتاب کے ایک حصے کو ماننے اور دوسرے کو نہ ماننے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ دین کے اصولوں کو چھوڑ بیٹھے تھے اور دین کی ظاہری رسموں کو پکڑے ہوئے تھے۔ وہ ایسے حکموں کو نہیں مانتے تھے جن میں کچھ تکلیف ہو، کچھ قربانی ہو، کچھ کھونا پڑے، کچھ جان، مال اور اولاد کو نقصان پہنچے اور جن سے آرام و راحت میں خلل ہو۔ لیکن وہ ایسے حکموں کو مانتے تھے جن میں کوئی شیخی کی بات ہو، اپنی بڑائی اور دکھاوے کی بات ہو، جو صرف زبانی جمع خرچ تک محدود ہوں، جن کی مصلحت پر بیٹھے بیٹھے تکمیل ہو جائے، جو ہر قسم کے خطرے سے خالی ہوں، یہود کی اسی پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا دین صرف دکھاوا، رسم اور نمائش بن گیا اور دین کے وہ اصلی اصول جن کی وجہ سے بنی اسرائیل کو تاج خلافت دیا گیا تھا، بالکل مٹ گئے۔

عزیزان اسلام! آج مسلمانوں کی حالت بھی یہی ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا، اَلدِّیْنِیُّ اَلَّذِیْ سَلَّمَ عَلَیْهِ مِنْ الْقُرْآنِ اَلَّذِیْ سَمَّیْتُہُ۔ یعنی اسلام میں کچھ باقی نہ رہ جائیگا مگر صرف نام اور قرآن میں کچھ باقی نہ رہ جائیگا مگر صرف دکھاوا۔ مطلب یہ کہ دین کی حقیقت مٹ جائے گی اور رسم باقی رہ جائے گی۔ مسلمان ایشیا و قربانی والے حکموں کو چھوڑ دیں گے اور ورد، وظیفے اور تعویذ دھاگے جیسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مضبوطی سے پکڑ لیں گے اور ان ہی کو دین کا اصل اصول بنا دیں گے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت یہی ہے

وہ اپنے فائدوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ درتوں کی تقسیم میں اگر رواج کی پابندی سے مطلب نکلتا ہو تو عدالت میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم رواج کے پابند ہیں۔ اگر شریعت سے مطلب نکلتا ہو تو عدالت میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم شریعت کے پابند ہیں۔ قادیانیوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ جہاد موقوف ہو گیا۔ ممکن ہے کہ کل ہی کوئی دوسری جماعت زکوٰۃ کو جواب دے دے، پیغمبر اسلام کے زمانے میں منافقین کی یہی حالت تھی۔ جب جہاد آتا تھا تو وہ بھاگ جاتے تھے مگر جب مال غنیمت آتا تھا تو وہ جھولیاں بچھا دیتے تھے۔ اب بھی ہزار ہا مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ اگر قربانی کرنا ہو تو وہ بھاگ جاتے ہیں۔ اگر مبری لینا ہو تو سامنے آجاتے ہیں۔ آپ نے جلسوں میں دیکھا ہوگا۔ تقریروں کے وقت سب موجود ہوتے ہیں لیکن اگر اذان ہو تو سب بھاگ جاتے ہیں۔ جب وعظ ہو رہے ہوں تو سوئے رہتے ہیں، جب تیان بننے لگے تو اٹھ بیٹھتے ہیں۔ یہ ساری غزایاں اس بلٹے ہیں کہ مسلمانوں کا اللہ اور اس کے رسول پر حقیقی طور سے ایمان باقی نہیں رہا۔ ہم نے دین کو دنیا طلبی کی آڑ بنا لیا ہے، اگر خواہش کے موافق حکم ہو تو ہم اس پر لٹو ہو جاتے ہیں، اگر خواہش کے خلاف ہو تو ہم اس کی ٹکر آتے ہیں، اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم نے دین کی اصولی تعلیم کو ترک کر دیا ہے اور فروعی جھگڑوں کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ بڑے بڑے عالموں اور پیروں کی حالت یہ ہے کہ وہ دھڑلے سے لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہیں مگر جب زکوٰۃ کا مہینہ آجائے تو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی دیندار عالم موجود ہے۔ یہ لوگ وظیفوں کے لئے ہر وقت کمر بستہ ہیں لیکن اگر دین کے لئے کچھ کھونا اور چھوڑنا پڑے تو لمبی تان کر سو جاتے ہیں۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ یہودی کتاب کے بعض حصے کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے صحابہ کرام کی یہ حالت نہیں تھی۔ وہ نمازیں بھی آگے تھے اور جہاد میں بھی آگے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے چند ہی سالوں میں تمام دنیا کی کاپی لپیٹ دی۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۲) زبانی اور مسمی دین کی ناکامی  
 فَ مَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِنْ خِزِي فِي  
 پس نہیں بدلہ جو کرے گا یہ کام تم میں سے سوئے ذلت بیچ  
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ  
 زندگی دنیا کے ، اور قیامت کے دن وہ پھرے جائیگے طرف بہت سخت عذاب کے  
 وَمَا اللَّهُ رَؤُوفٌ غَافِلٌ (بے خبر، غما (اس سے جو) - تَعْمَلُونَ (تم کرتے ہو)  
 عزیزان اسلام! اس آیت کا مطلب سمجھ لیں۔ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو چند  
 احکام دیئے تھے۔ مثلاً خدا کی عبادت کرو۔ والدین، رشتہ دار، یمسا یہ اور یتیم و مسکین کے  
 حقوق سے غافل نہ رہو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اپنے بھائیوں پر تلوار نہ چلاؤ اور  
 انہیں گھر سے نہ نکالو۔ بنی اسرائیل نے ان احکام کو اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے  
 کا ذریعہ بنا لیا جس سے بنی اسرائیل کی دنیا برباد ہو گئی مگر اس کے باوجود وہ زبان سے  
 یہی دعوے کرتے رہتے تھے کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں، ہم خدا کے پیارے ہیں اور ہمارے  
 سوا کوئی نہیں جو جنت میں جاسکے۔ آج کی آیت میں خدا تعالیٰ ان کو فرماتا ہے کہ جو  
 لوگ اپنی نفسانی خواہشات کے ماتحت کتاب کے بعض حصوں کو مانیں اور بعض کو  
 نہ مانیں، ان کی جزا بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ دنیا کی زندگی میں بھی خواہوں گے  
 اور آخرت میں بھی عذاب سخت کی طرف لوٹائے جائیں گے، کیونکہ جو کچھ تم عمل کرتے  
 ہو، اللہ اس سے غافل نہیں ہے، وہ ضرور تمہیں عملوں کی سزا دے گا۔

عزیزان اسلام! آپ اس بات کو ایک دفعہ پھر سمجھئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 کا دین سر سے پاؤں تک سچا تھا مگر اس دین کے ماننے والوں کا طریق یہ تھا کہ جن حکموں  
 میں کوئی فائدہ، ذاتی غرض یا آسانی ہوتی تھی، وہ انہیں مان لیتے تھے اور جن میں قربانی

سکلیف اور نفس و خواہش کی مخالفت ہوتی ہے، وہ انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ یہودیوں کے اس عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی دنیا اور آخرت برباد ہو گئی مگر یہودی لوگ آخر تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ چونکہ ہم دین کے ظاہری حکموں پر عمل کر رہے ہیں اس واسطے ہمارے سوائے کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں یہودیوں کی اسی غلط فہمی کا جواب دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ جو ذلت تمہاری دنیا میں ہے، وہی آخرت میں ہوگی۔ اس سے صاف نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی قوم دین کے صرف اُس حصہ پر جو زبان یا رسم سے تعلق رکھتا ہے، عمل کرے یہ دعویٰ کرے کہ میں جنتی ہوں تو اس کا یہ دعویٰ غلط ہوگا اس کی نہ دنیا درست ہو سکتی ہے اور نہ آخرت خدا کا قانون یہ ہے کہ سارے دین پر عمل کرے، پھر تم کو دنیا بھی ملیگی اور آخرت بھی۔ بہت سے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے یہ دنیا، کافروں کو دے دی ہے اور دوسری دنیا ہم کو دے دی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس نے تو سب انسانوں کو ایک ہدایت نامہ دیا ہے، جو اس پر پورا عمل کرے گا، وہ دونوں جہانوں کا وارث ہوگا۔ آج کے مولوی اسلام کے رسمی یا زبان بلانے والے حکموں پر خوب عمل کر رہے ہیں، وہ نمازیں پڑھتے ہیں، ڈاڑھی رکھتے ہیں، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنتے ہیں، قرآن کی منزل اور ختم درود پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جنت کے ٹھیکیدار بن گئے۔ حالانکہ انہی لوگوں نے دین کا قربانی والا حصہ بالکل چھوڑ رکھا ہے۔ وہ پوری زکوٰۃ نہیں دیتے، جہاد نہیں کرتے، سچ نہیں بولتے وغیرہ وغیرہ۔ خدا یہ کہتا ہے کہ پورے دین پر عمل کئے بغیر تم کو نہ دنیا مل سکتی ہے اور نہ آخرت۔ آج دنیا کے ہر ایک حصہ میں جہاں مسلمان اور غیر مسلم ساتھ ساتھ آباد ہیں مسلمان، غیر مسلموں سے تعلیم، دولت، وغیرہ میں پیچھے ہیں، اس کا سبب بھی صرف یہ ہے کہ وہ دین کی زبان بلانے والی باتیں تو کر لیتے ہیں مگر محنت، مشقت اور ذمہ داری والی باتیں نہیں کرتے۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۳) دنیا کو آخرت پر ترجیح

۸۶۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَاَنْتَ

یہ سب ہیں جنہوں نے خریدی زندگی دنیا کی بدلے آخرت کے پس

لَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

نہیں کم ہوگا ان سے عذاب اور نہ وہ سب مدد پائے جائیں گے

عزیزان اسلام! پہلے بتایا گیا ہے کہ احکام دین کے دو حصے تھے۔ ایک ظاہری

یا بے تکلیف حصہ اور دوسرا اصولی یا جانی اور مالی جہاد والا حصہ۔ یہودیوں نے ظاہری

رسموں، دکھاوے کی باتوں اور بے تکلیف حکموں پر عمل کر لیا اور جانی اور مالی تکلیف

والے حصے کو چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی دنیا بھی برباد ہو گئی اور آخرت بھی۔ اب

آج کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اصل غلطی کیا تھی جس سے یہودیوں کے دونوں

جہان برباد ہوئے؟ خدا کہتا ہے کہ یہودیوں کا دراصل آخرت پر ایمان ہی نہیں تھا۔ دنیا

کی محبت ان کے دلوں کو کھا چکی تھی اور وہ موت کے بعد کی زندگی سے بے پروا ہو کر

دنیوی لذتوں اور نعمتوں پر مست ہو گئے تھے، اس لئے دینی معاملات میں بھی وہ

دنیوی فائدوں ہی کے پیچھے چلتے تھے۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ دنیا ملے اور اس کیلئے

وہ دینی حکموں کو آڑ بنا لیتے تھے۔ آج کی آیت میں یہودیوں کی اسی چال ڈھال کا نتیجہ

بتایا گیا ہے۔ آیت بتاتی ہے کہ ایسے لوگ جو دنیا کی لذتوں اور راحتوں کو آخرت کے

بدلے خریدیں، نہ کبھی ان کا عذاب گھٹے گا اور نہ انہیں پناہ دی جائے گی۔

عزیزان اسلام! اہل یورپ اور بنی اسرائیل کا مقابلہ کیجئے۔ دونوں کے سامنے مقصد

یہ ہے کہ دنیا حاصل ہو مگر یہیں الگ الگ ہیں۔ یہودی لوگ دکھاوے، دنیا کاری اور

آرام و آسائش کے پیچھے لگ گئے مگر اہل یورپ جہاد، قربانی اور محنت و ہمت کے راستے

پر دوڑے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں کی حکومت سٹپ گئی اور اہل یورپ کی حکومت قائم ہو گئی۔ اب دونوں کے اتفاق کا پہلو دیکھئے۔ موت کے بعد کی زندگی سے دونوں غافل ہیں اور اسی لئے اہل یورپ ہر قیمت پر حصول دنیا کے لئے تیار رہتے ہیں، وہ ظلم کرتے ہیں، بے گناہوں کا خون گراتے ہیں اور طرح طرح کی مکاریوں سے پسماندہ قوموں کو لوٹتے ہیں، اس پالیسی سے انہیں دنیا تو حاصل ہو گئی مگر ان سے عذاب کم ہوا اور نہ انہیں پناہ مل سکی۔ آپ جنگ یورپ کو دیکھئے۔ یورپ والوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی ہر نعمت، لذت، طاقت اور سامان خرید لیا ہے مگر پھر بھی عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی بمباریوں سے درندوں کی طرح غاروں کے اندر چھپ چھپ کر وقت پورا کر رہے ہیں اور ان کا یہی حشر موت کے بعد بھی ہوگا۔

عزیزان اسلام! اب آپ کے سامنے تینوں راستے صاف ہو گئے۔ یہود کی راہ یہ ہے کہ دنیا طلب کرو اور جہاد سے ڈر بھاگو۔ اہل یورپ کی راہ یہ ہے کہ جہاد اور قربانی سے دنیا طلب کرو مگر ظلم و فریب سے بھی دریغ نہ رکھو۔ دونوں جگہ اس پالیسی کا نتیجہ دنیا کی تباہی اور آخرت کی بربادی ہے۔ اسلام کی راہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کے فائدوں کو سامنے رکھو۔ کوشش کرو مگر ظلم و فریب سے بچو۔ اس پالیسی کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی آبادی ہے۔ دعا کرو، اے اللہ! ہم کو جہاد و قربانی کی توفیق عطا فرما، ہم کو دنیا میں عزت اور آخرت میں سرخروئی عنایت کر۔ تاکہ ہم دنیا والوں کے لئے ایک مثال بن جائیں۔ پیغمبر اسلام نے صرف وظیفوں اور دعاؤں سے دنیا کو فتح نہیں کیا تھا، بلکہ اپنی عملی مثال سے فتح کیا تھا۔ آج دنیا پھر برباد ہو رہی ہے، صرف اس لئے کہ اس کے سامنے کوئی عملی مثال نہیں ہے۔ مسلمانو! تم حکم قرآن اور نبوت رسول کی پیروی کر کے دنیا کو نجات کا راستہ دکھاؤ اور اسلام کا حق ادا کرو۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۳) داعیان حق سے عناد

۴۰۔ وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَ قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِ

اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور لگاتار بھیجے بعد

۴۱۔ بِالرُّسُلِ ذَوَاتِنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَ

انکے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو نشانات اور

آيَاتِنَا فَا تَوَلَّى دُوْحَ الْقُدْسِ اَفْطَمًا جَاءَكَ

توت دی ہم نے اسکو ساتھ روح پاک کے، پھر جب کبھی لایا تمہارے پاس

رَسُولٌ يَمَّا لَا تَهْوَى اَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ

کوئی رسول جو نہ چاہا دیوں نے تمہارے، غرور کرنے لگے تم،

فَا فَرَّقْنَا كَذَّبْتُمْ وَ فَرَّقْنَا تَقْتُلُونَ

پس بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تم مار ڈالتے

مطلب یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ کو کتاب دے کر بھیجا، پھر ان کے بعد لگاتار

رسول بھیجے، اور حضرت عیسیٰ کو صریح معجزات اور روح پاک کی توت دے کر بھیجا جب

بھی کوئی رسول تمہارے خلاف منشاء کوئی حکم لاتا تم تکبر کرنے لگتے، پھر یا تو انہیں جھٹلا

دیتے اور یا مار ڈالتے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا کا پیغام لانے والے نبیوں

کے ساتھ بنی اسرائیل کا کیا سلوک تھا؟

عزیزان اسلام! اللہ تعالیٰ جن پاک بندوں کی اصلاح عالم کے لئے کھڑا کرتا ہے

وہ نوع انسان کے بڑے ہی ہمدرد اور خیر خواہ ہوتے ہیں اور سچ بات کہنے سے ان

کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ کوئی ذاتی فائدہ اٹھائیں بلکہ وہ خود تکلیفیں اٹھاتے ہیں،

لوگوں کے طعن سنتے ہیں، اپنے جسم اور جان کو بے آرامی میں ڈالتے ہیں۔ صرف اس

لئے تاکہ بے سمجھوں کو سمجھ آئے اور بھولے ہوئے لوگ سچ کے راستے پر چل کر دونوں جہانوں میں سرخرو اور شاد کام ہو جائیں۔ لیکن یہودی لوگوں کو دنیا کی محبت نے اندھا کر دیا تھا اس لئے جب کوئی خدا کا بندہ انہیں فرقہ بندی سے روکتا، یا ان کی دنیوی خواہش اور فائدے کے خلاف کوئی درستی کی بات کہتا تھا تو وہ فرعون بن کر خدا کے نیک بند کی سخت بے قدری کرتے تھے، اسے جھٹلاتے تھے اور جان لینے پر تیار ہو جاتے تھے۔

عزیزان اسلام! نبی کی ناقدری کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے احکام کی اطاعت نہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ اس کی ذات یا اس کی جماعت اور مشن کو نقصان پہنچانا، تیسرے یہ کہ جھوٹے لوگوں کے پیچھے لگ جانا۔ افسوس ہے کہ یہ سب باتیں اب مسلمانوں میں پیدا ہو رہی ہیں۔ کیا ہم سچوں کے دشمن اور جھوٹوں کے دوست نہیں؟ جو شخص ہمارے ساتھ منافقت کرے ہم اس کی قدر کرتے ہیں مگر جو شخص ہم کو صفائی کے ساتھ سچ بات کہہ دے، ہم اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ہم دین اسلام کی بے قدری اس طرح کرتے ہیں کہ سینکڑوں دینی حکم سنتے ہیں مگر ان پر پوری طرح عمل نہیں کرتے۔ مثلاً ہم جھوٹ بولتے ہیں، ہمسایوں کو دکھ دینے سے اور جھوٹی گواہی اور قریب کاری سے باز نہیں آتے، پھر نماز ہم نہیں پڑھتے، زکوٰۃ ہم نہیں دیتے، اپنے بھائی کی عزت ہم نہیں کرتے۔ کیا یہ دین رسول کی بے قدری نہیں ہے؟ دین حق کے بعد ہم ان لوگوں کی بھی بے قدری کر رہے ہیں جو ہم کو پابندی اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کو لڑانے والے مولویوں کے قدر دان ہیں، ہم بے شریعت پیروں، فقیروں، باتوئی واعظوں اور سبزی باغ دکھانے والے بے عمل لیڈروں کے پیچھے لگ جاتے ہیں لیکن اگر کوئی بندہ خدا حق بات کہہ دے اور دین کا حکم سنائے تو ہم اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ مسلمانو! سچے رہنماؤں کو پہچانو اور ان کی قدر کرو اور منافقوں سے بچو۔ زندگی کا راز یہی ہے



بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۵) فرقہ بندی کا اندھاپن

۱۱۵۔ وَ قَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَعَنَ اللَّهُ

اور انہوں نے کہا دل ہمارے غلاف میں ہیں، نہیں لعنت کی ہے ان پر اللہ نے

چ کفرِ ہڈ و قَلْبًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝

بوجہ انکار ان کے پس تھوڑے (ہیں) جو ایمان لاتے ہیں

عزیزان اسلام! خدا تعالیٰ نے اس آیت میں مذہب کے ماننے والوں کو ایک بڑی

ہی مہلک غلطی سے بچایا ہے۔ یہودیوں کو اس بات پر بڑا فخر تھا کہ ہمارا عقیدہ بہت ہی

پکا ہے۔ بچے عقیدے کی اصل پہچان تو یہ تھی کہ وہ خدا کے حکموں پر عمل کرتے اور ایک ذرا

سے حکم کو بھی نہ توڑتے۔ مگر یہودیوں کے عقائد کی پختگی صرف یہ تھی کہ وہ کسی دوسرے شخص

کی بات تک نہیں سنتے تھے اور حد یہ ہے کہ وہ سچی بات بھی نہیں سنتے تھے اور ماننے والی

بات بھی نہیں مانتے تھے۔ یہ یہودیوں کے عقائد کی پختگی نہیں تھی بلکہ ان کی ضد تھی، ان

کے دل کا اندھا ہو جانا تھا اور ان کے کفر کی سختی اور سنگدلی کا نتیجہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے آج

کی آیت میں انکی ایسی غلطی کا پردہ فاش کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم یہودیوں کے سامنے کوئی بھلی اور سچی بات کہتے ہیں تو وہ بات پر غور نہیں کرتے

صرف سنگدل بن کر یہ کہہ دیتے ہیں، اسے بنی! آپ ہمیں کیا سناتے ہیں؟ ہمارے دلوں

پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہم پر آپ کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ خدا انہیں جواب دیتا

ہے کہ اصل بات کو یہودی لوگ سمجھے نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انکار حق کی وجہ سے

ان پر خدا کی پھٹکار برس چکی ہے اور اب ان میں کلام حق سننے اور اس سے متاثر ہونے

کی قابلیت ہی نہیں رہی۔ اس لئے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ حق بات سنیں، اور

قبول کریں۔

عزیزان اسلام! افسوس کہ آج فرقہ بندیوں کے باعث مسلمانوں کا حال بھی کچھ اسی قسم کا ہو رہا ہے۔ ہمارے بہت سے مذہبی اور سیاسی فرقے اپنے تعصب میں اس قدر اندھے ہو رہے ہیں کہ انہوں نے خدا و رسول کے پیغام کو بھی فرقہ بندیوں کا غلاف پہنا دیا ہے۔ خفی یہ کہتے ہیں، قُلُوبِنَا غُلْفٌ ہم دوسرے فرقوں کی بات کیوں سنیں۔ شیعہ کہتے ہیں، قُلُوبِنَا غُلْفٌ ہم دوسرے فرقوں کے دلائل سے متاثر نہیں ہو سکتے؛ احراری کہتے ہیں، قُلُوبِنَا غُلْفٌ مسلم لیگ کے جلسے ہی میں نہ جاؤ۔ لیگ والے کہتے ہیں، قُلُوبِنَا غُلْفٌ احرار والے کانگریسی پٹھو ہیں، ان کی بات تک نہیں سننی چاہئے حالانکہ ان میں سے کسی کے پاس بھی خدائی سند موجود نہیں ہے، یہ آپس میں مل کر نہ بیٹھنا، یہ ایک دوسرے کی بات نہ سننا، یہ آپس کا بائیکاٹ، ثباتِ حق اور نچنگی عقائد کا ثبوت نہیں بلکہ تعصب اور دھڑا بندی کا نڈھال ہے جس کے باعث نہ ایک مسلمان دوسرے کی بات سنتا ہے، نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ قوم پر اتحاد و اتفاق کا دروازہ کھلتا ہے۔

عزیزان اسلام! آپ خدا کے لئے فرقہ بندی کے تعصب سے نکلیں، فرقہ پرست لیڈروں اور مولویوں کی چالوں کو سمجھیں، یہ لوگ اس لئے آپ کو دوسرے کے پاس جانے سے منع کرتے ہیں تاکہ آپ کو معاملے کا دوسرا پہلو نظر نہ آئے اور آپ صرف انہی کے ہو رہیں چونکہ اسلام نے آپ کو آزادی خیال کی نعمت دی ہے اس لئے آپ کو دوسرے کی بات سمجھنی چاہئے، اپنی بات سمجھانی چاہئے بلکہ کافروں تک کی بات سننی چاہئے۔ اخباروں کا فرض ہے کہ وہ ہر جماعت کے خیالات دیا ننداری کے ساتھ اخبار میں چھاپیں۔ علماء کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو اندھا بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اس لئے کہ جب کسی قوم کا دماغ اندھا ہو جاتا ہے تو پھر اس کا عمل بھی اندھا ہو جاتا ہے۔ اے خدا! ہم کو عقل اور ضمیر کی روشنی عطا فرما اور گڑھے والی اطاعت سے محفوظ رکھ۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۶) خود غرضی کا کفر

۸۹۔ وَ لَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ

اور جب آئی ان کے پاس کتاب خدا کے ہاں سے سچا بتاتی

تھا مَعَهُمْ لَوَا كَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَىٰ

اس (جو تھا) ساتھ ان کے اور تھے پہلے وہ فتح مانگتے اوپر

الَّذِينَ كَفَرُوا فَ لَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا

کافروں کے ، پس جب آیا ان کے پاس جسے وہ پہچانتے تھے انکار کیا

بِهَا فَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ

ساتھ اُس کے ، پس لعنت ہو اللہ کی اوپر کافروں کے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہودی لوگ پیغمبر اسلام کے تشریف لانے سے پہلے آپ کا

انتظار کرتے تھے۔ اس خیال سے کہ آپ تشریف لاکر یہود کو کافروں پر غالب کر دیں گے

لیکن جب آپ تشریف لے آئے تو انہوں نے آپ کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود

ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہو گئے۔ لعنت کا مطلب یہ ہے

کہ خدا کی رحمت سے دور ہو گئے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص یا قوم کس طرح لعنتی بن

جاتے ہیں؟ مختصر بات یہ کہی گئی کہ جو بھی شخص یا قوم سچ کو پہچان لے اور پھر اس پر عمل نہ کرے

وہ رحمت الہی دور ہو جاتی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے یہودی

لوگ آپ کے منتظر تھے، ان کا یہ انتظار بھی دراصل خود غرضی کا انتظار تھا کہ آپ آئیں اور ہم کو

کافروں پر غالب کر دیں۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے سچ سچ ایسا راستہ پیش کیا جس

سے یہودی لوگ کافروں پر غالب آ سکتے تھے، لیکن چونکہ آپ کا بتایا ہوا راستہ یہودیوں کے

چھوٹے چھوٹے فائدوں، آراموں، نفسانی خواہشوں اور ذلیل قسم کی لذتوں کے خلاف تھا اس لئے یہودیوں نے اس پر چلنے سے انکار کر دیا۔ وہ تو گویا عمل و جہاد کے بغیر صرف منبروں سے غالب آجاتا چاہتے تھے۔ جب پیغمبر اسلام نے عمل و جہاد کی دعوت دی تو آپ کی صداقت کو پہچاننے کے باوجود یہودی لوگ اپنی کفار کے ساتھ شامل ہو گئے جن پر غالب آنے کے لئے یہ عرصے سے طلبگار تھے۔ اور ذلت و خواری کے غاروں میں گر پڑے۔

عزیزان اسلام! قرآن پاک نے آپ کے سامنے بڑی باریک بات کہی ہے۔ اس دنیا میں صرف یہودی ہی فتح کے طالب نہیں تھے بلکہ سبھی انسان فتح کے طلبگار ہیں۔ لیکن اصل سوال قیمت کا ہے۔ جب یہودیوں سے فتح کی قیمت طلب کی گئی تو وہ ادا نہ کر سکے، اس دنیا کی ہر قوم کی حالت یہی ہے۔

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اور جیڑیا پر مقیم پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

آج اٹلی یا جرمنی کو جو فتوحات حاصل ہو رہی ہیں یا پہلے مسلمانوں کو جو فتوحات حاصل ہوئیں وہ صرف اس لئے کہ انہوں نے فتحیوں کی پوری پوری قیمت ادا کر دی، انہوں نے جانیں دیں، مال لٹائے، آرام چھوڑا، درختوں کے پتے کھائے، گھر بار چھوڑا، وطن چھوڑا، کھانے پینے کی لذتیں چھوڑیں، پھر لڑائی کے میدانوں میں کھڑے ہو کر خون بہایا، گردنیں کٹائیں اور اپنے رشتہ داروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا، جب قیمت پوری ادا کر دی گئی تو فتح بھی حاصل ہو گئی۔

عزیزان اسلام! آج ہماری حالت کس قدر یہودیوں کے مشابہ ہے۔ وہ بھی فتح چاہتے تھے مگر اس شرط کے ساتھ کہ نہ تو لذتوں کو چھوڑیں، نہ بے آرام ہوں، نہ بستر سے اٹھیں، مصلے پر بیٹھے رہیں، شراعتیں کرتے رہیں اور فتح حاصل ہو جائے۔ ہماریس پیر، لیڈر، مولوی اور خطاب یافتہ حضرات بھی یہی چاہتے ہیں۔ خطاب یافتہ حضرات صاحب کے ساتھ چائے پیتے ہیں اور فتح اسلام کی دعائیں کر رہے ہیں، حالانکہ اتفاقاً تنظیم اور جہاد کے بغیر فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۷) جماعتی حسد کی ہلاکتیں

۹. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسِهِمْۙ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا

بر ہے، وہ کہ انہوں نے خریداریہ بدلے جسکے جانوں کو اپنی یہ کہ منکر ہوئے اسکے جو

اَنْزَلَ اللّٰهُ بَعْثًاۙ اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِ ۙ سَلٰى مَنْ يَّشَاءُ

اتارا اللہ نے، ضد سے، یہ کہ دیکھو، اتارا اللہ نے فضل سے اپنے اور جس کے وہ چاہتا ہے

مِنْ عِبَادِهِۦ رٰبِدُوْنَ مِمَّنْ اَسٰى۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہودیوں کی سنگدلی پر افسوس

ہے کہ انہوں نے کتنی بری قیمت لے کر اپنی جانوں کا سودا چکایا کہ سمجھنے بوجھنے کے بعد اللہ

کی بھیجی ہوئی سچائی کا انکار کر دیا، صرف اس ضد میں کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کسی

پر چاہتا ہے، اپنا فضل نازل کر دیتا ہے۔ گویا یہودی یہ سمجھتے تھے کہ چونکہ ہم اللہ کے پیارے

ہیں اس لئے نبوت بھی ہمارا نسلی، جماعتی اور شخصی حق ہے۔ وہ یہ گوارا ہی نہیں کر

سکتے تھے کہ خدا کسی غیر یہودی کو نبی بنا دے یا کوئی غیر یہودی نبوت کا دعوے کر دے،

آیت کہتی ہے کہ یہودیوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود

جو کفر کیا تو اس کا ایک بڑا سبب ان کا جماعتی حسد و غرور تھا۔

عزیزان اسلام! اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ حاسد لوگ کس طرح قبول حق

سے محروم رہتے ہیں؟ جب وہ دیکھتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص بڑا بن گیا ہے، عام لوگوں میں

مقبول ہو گیا ہے، یا دولت مند بن گیا ہے اور یہ خود وہیں کے وہیں پڑے ہوئے ہیں تو ان

کا دل کباب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ خدا کی قبولیت کو روک سکتے ہیں لیکن اپنے دل کی

آگ نہ بان کی پھونکوں سے نکالتے رہتے ہیں اور ہر کسی سے یہ کہتے پھرتے ہیں، دیکھو! اب فلاں

شخص کو بھی پر لگ گئے ہیں۔ اسی کی حیثیت کیا تھی جو اب افلاطون بنا پھرتا ہے۔ اہل

حسد اس قسم کی زہریلی باتیں صرف اس لئے کہتے تھے کہ وہ خود ایسے کیوں نہیں بنے؟ وہ اپنی محنت

اور لیاقت سے ضرور بڑا درجہ حاصل کر سکتے تھے مگر لیاقت ان میں ہوتی نہیں اور محنت کی تکلیف وہ اٹھاتے نہیں۔ اس واسطے حسد کی آگ میں جلتے ہیں اور ذلیل ہوتے ہیں۔

عزیزان اسلام! اللہ تعالیٰ نے حاسد یہودیوں پر کتنی سخت تنقید کی ہے؟ یہودی لوگ اسلام کو قبول کر کے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی زندگی کی تمام بھلائیوں کو فروخت کر دیا اور اس کے بدلے میں کفر و انکار خرید لیا، ان کے دل کی جلیں صرف یہ تھیں کہ بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسمعیل کو نبوت کی نعمت کیوں دی گئی ہے اور ہم لوگ جو جنت اور سچائی اور خاندانی شرافت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے، کیوں ذلیل ہوئے جا رہے ہیں؟

عزیزان اسلام! پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسد نیکوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ حاسد پر نیکی کا دروازہ بند ہے۔ اگر ساری دنیا بھی سچائی کے نور سے روشن ہو جائے تو حاسد پھر بھی اندھیرے سے نہیں نکلتا۔ افسوس کہ ہم مسلمانوں میں بھی حسد کی بیماری بری طرح پھیل رہی ہے۔ ایک بھائی کی ترقی سے دوسرے بھائی کو خوش ہونا چاہتے اور اس کی مثال سے فائدہ اٹھا کر خود کو آگے بڑھانا چاہتے، مگر افسوس کہ ہم خود تو آگے نہیں بڑھتے، البتہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا بھائی غار میں گر پڑے۔ ایک مسلمان کو عہدہ ملتا ہے تو اس کا حاسد ساتھی اس کو گرانے کے درپے ہو جاتا ہے۔ ایک انجمن کی اشاعت کم ہوتی ہے تو کم اشاعت والے انجمن اس سے جلنے لگتے ہیں۔ ایک عالم پالیٹرز کے اقتدار میں اضافہ ہوتا ہے تو دوسرے عالم پالیٹرز اس کے خلاف خواہ مخواہ بدگمانیاں پھیلانے لگ جاتے ہیں۔ جب کسی قوم کی ایک جماعت دوسری جماعت کو گرا رہی ہو تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ قوم ترقی کرے؟ مسلمانو! احد سے بچو، حاسدوں کو پھیلو، ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش نہ کرو۔ ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ قومی زندگی کا راز یہی ہے۔

یہود کا قبول اسلام سے انکار (۱۱۸) تخریبی ذہنیت کا انجام

فَ بَاءُ وُ بِغَضِبٍ عَلَى غَضِبٍ ط وَ لِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ  
 پس وہ کلاٹے غضب اللہ کا اوپر غضب کے اور واسطے کافروں کے عذاب (بے) ذلت کا  
 آیت کا مطلب یہ ہے کہ حسد کی تجارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں پر عذاب پر عذاب  
 ٹوٹ پڑا اور وہ ذلیل ہو گئے۔

عزیزان اسلام! جب پیغمبر اسلام اور آپ کے صحابہ کرام مکہ معظمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ  
 میں تشریف لائے تو انصار نے آپ کی بڑی آؤ بھگت کی، رسول خدا کا جلوس نکالا، قریش  
 کو اپنا بھائی بنالیا اور جاٹا دیں تک ان میں تقسیم کر دیں۔ آہستہ آہستہ اردگرد کے لوگ  
 بھی اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ مدینہ کے یہودی جو یہ سمجھتے تھے کہ ہم خدا کے  
 پیارے، جنت کے ٹھیکیدار اور دنیا کی تمام قوموں سے اونچے ہیں، مسلمانوں کی اس  
 ترقی کو برداشت نہ کر سکے اور رسول اللہ کی مخالفتیں شروع کر دیں، ایک دفعہ یہودیوں  
 نے پیغمبر اسلام کو زہر دلوایا، ایک دفعہ پیغمبر اسلام پر چھت پر سے پتھر گرا دیا۔ ایک دفعہ  
 مسلمان، کفار مکہ سے جنگ کر رہے تھے تو یہودیوں نے مدینہ منورہ کے اندر شورش مچا  
 دی۔ یہود کی یہ ساری حرکتیں اس لئے تھیں تاکہ اسلام کی ترقی رک جائے۔ لیکن ان  
 کی یہ تمام کوششیں ناکام رہیں اور آخر کار انہیں مدینہ سے نکلنا پڑا۔ پھر خیبر میں جنگ ہوئی اور یہ  
 لوگ وہاں سے بھی نکالے گئے اور اسلام کے پیرو ان کی آنکھوں کے سامنے چند ہی سال  
 کے اندر اندر عرب و عجم پر چھل گئے۔ آج کی آیت نے بتایا ہے کہ حاسد یہودیوں کو غضب الہی  
 اور عذابِ اُلّت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور واقعات ثابت کر دیا کہ قرآن کی پیشگوئی کتنی صحیح تھی؟  
 عزیزان اسلام! خدا کا لکھا یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ ذلیل ہوگا، اس کی کیا وجہ ہے؟  
 اس کا اصل سبب یہ ہے کہ حاسد آدمی اپنے دل و دماغ کی ساری قوت دوسرے کے گرانے

میں صرف کرتا ہے حالانکہ یہ قوت اس کو خود اپنی ذات کی تعمیر پر صرف کرنی چاہئے۔ چونکہ وہ خود ہی اپنی قوتوں سے شاداب نہیں ہوتا، اس لئے مرجھا جاتا ہے اور یہی اسکی ذلت ہے۔ عزیزان اسلام! یہود مدینہ کی ساری قوت مسلمانوں پر نکتہ چینی کرنے میں صرف ہوتی تھی اور افسوس کہ اب یہی حال ہمارا ہے۔ آپ کو مسلمانوں میں ہزار ہا آدمی ایسے ملیں گے جو صبح سے شام تک کام کرنے والوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں مگر خود کچھ نہیں کرتے۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ اب ساری قوم کا دماغ ہی ایسا بن گیا ہے، اگر کسی کام کو بگاڑنا ہو تو ہزار ہا مسلمان متحد ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی بگڑے ہوئے کام کو بنانا ہو تو پھر کوئی شخص دم نہیں مارتا۔ یاد رکھو جب تک آپ اپنی اس عادت کو نہیں بدلیں گے، آپ کبھی ترقی کا منہ نہیں دیکھیں گے مسلمانوں! اللہ سے ڈرو، حسد سے بچو، بنے ہوئے کاموں کو بگاڑنے کی عادت چھوڑ دو، اپنے آپ کو بناؤ، اپنے بھائیوں کی عزت بڑھاؤ، اپنے قومی جسم کے اعضاء کو تقویت دو، اپنے بھائیوں کی امداد کرو، بنے ہوئے جماعتی کاموں کو مضبوطی دو۔ ایک دوسرے کو بگاڑنے اور ذلیل کرنے کے کینے خیالات کو چھوڑ دو، اور اس باز کو سمجھو کہ اپنے ہم قوم بھائیوں کو ذلیل کرنے اور ان کے کاموں کو بگاڑنے کے معنی یہ ہیں کہ تم خود ہی اپنے قومی جسم کے حصوں کو کاٹ رہے ہو۔ وہ قوم کس طرح عزت پاسکتی ہے، جو خود ہی اپنی پرگٹی کو اچھال رہی ہو۔

عزیزان اسلام! آج آپ کے اجبار نویس، آپ کے لیڈر، آپ کے عالم، آپ کے قومی کارکن کس شغل میں مصروف ہیں؟ یہ حد ہو گئی ہے کہ اگر ہندو یا انگریز کو بھی ضرورت ہوتی ہے تو وہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے مٹانے پر مقرر کرتے ہیں۔ اسلام کے دشمن اسلام پر رحم کر سکتے ہیں، مگر مسلمان نہیں کرتے، یہ ہمارے حسد اور نفسانیت کا نتیجہ ہے۔ خدا کے لئے اپنی حالت پر غور کرو۔ اے اللہ! ہم کو حسد اور جلن کی لعنت سے محفوظ رکھ۔



یہود کا قبول اسلام سے انکار (۱۱۹) نسلی غرور اور حجت بازی

۹۱۔ وَ إِذَا قِيلَ لَٰهُمْ امْنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا تِلْكَ آيَاتُ الْمُرْسَلِينَ

اور جب کہا جائے واسطے ان کے مانو اسکو جو اتارا اللہ نے، کہنے لگے، ہم مانیں گے

بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ ۚ قُلْ وَمَنْ يَمْلِكُ

اسکو جو اتارا گیا ہے اوپر ہمارے، اور وہ نہیں مانتے اسکو جو بعد آیا اس کے، حالانکہ وہ

الْحَقُّ (حق ہے) مُصَدِّقًا (تصدیق کرتا ہے) لِمَا (اسکی جو) مَعَهُمْ (پاس ہے) اُنْكَارُ

آیت کا سادہ مطلب یہ ہے۔ جب یہود سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے اتارے قرآن پر

ایمان لاؤ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائیں گے جو ہم پر اتاری ہے اور

وہ دوسروں سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کی حیثیت یہ ہے کہ وہ سچ بھی ہے اور خود ان

کی کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں یہود کے نسلی غرور اور حجت بازی کا پردہ فاش کیا

گیا ہے۔ یہود اس بات میں اپنی توہین سمجھتے تھے کہ وہ بنی اسمعیل کے نبی پر ایمان لائیں انہوں

نے خدا کے دین کو بھی ایک نسلی ورثہ بنا لیا تھا۔ وہ سچ کو ماننا چاہتے تھے مگر اس سچ کو جو ان

کی اپنی نسل پر اترا ہو، حالانکہ سچ ایک ہے، نسلی تمیز بالاتر ہے اور سب کے لئے ہے۔ ان کا

قول یہ تھا کہ ہم اس دین کو مانیں گے جو صرف ہم پر اترا ہو، خواہ وہ کتنا ہی بدل چکا ہو اور ہم

اس دین سے انکار کریں گے جو دوسروں پر اترا ہو۔ خواہ وہ کیسا ہی سچا ہو۔ حالانکہ وہ جس

دین قرآن کو اپنی فرعونیت سے اچھوت قرار دے رہے تھے، اس کی حیثیت یہ تھی کہ وہ حضرت

موسیٰ کی عظمت کے گیت گاتا تھا اور توریت کی سچائی پر ایمان لانے کا حکم دیتا تھا لیکن

یہودیوں کا اس سے کچھ مطلب نہ تھا کہ قرآن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان بڑھتی ہے یا توریت

کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ وہ تو اپنی نسلی بزرگی کے دعوے کو توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

سچائی سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ اگر ان کا توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے  
 ولی تعلق ہوتا تو وہ قرآن سے لپٹ جاتے، اس لئے کہ توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 کی جو صحیح شان قرآن ذریعہ سے ظاہر ہوتی تھی، وہ نہ انجیل سے ظاہر ہوتی تھی اور نہ توریت  
 سے۔ لیکن یہود مدینہ ذاتیات میں پڑ گئے تھے، ان کا خیال صرف یہ تھا کہ ہمارا سر نہ جھکے  
 اس لئے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ جب ہمارے پاس ہمارا دین موجود ہے تو ہم دوسرے  
 دینوں کو کیوں مانیں؟ یہاں سوال پیدا ہوگا، کیا وہ اپنی کتاب اور اپنے دین کو سچ صحیح  
 مانتے تھے؟ جو اب یہ ہے کہ نہیں مانتے تھے۔ اگر وہ توریت کو مانتے تو حضرت محمد صلی اللہ  
 علیہ وسلم سے انکار نہ کر سکتے، اس لئے کہ توریت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 صاف صاف نشانیاں موجود تھیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہود مدینہ کا یہ عذر کہ ہم صرف  
 اپنی کتاب کو مانیں گے، عذر لنگ سے زیادہ نہ تھا۔ یہ ان کی صرف جھت بازی تھی۔  
 اصل بات صرف یہ ہے کہ قرآن کے بہت سے احکام ان کی خواہشات کے خلاف تھے اور  
 ایسی صورت میں خود توریت ہو یا قرآن، وہ انہیں کس طرح تسلیم کر سکتے تھے؟  
 عزیزان اسلام! قرآن پاک نے اس واقعہ کو پیش کر کے سبق دیا ہے کہ سچائی کو ذاتیات  
 کے پیمانے میں نہیں تولنا چاہئے۔ دین الہی کا حق، نسل اور خاندان سے بہت اونچا ہے  
 افسوس ہے کہ آج ہم مسلمانوں کو یہ سبق یاد نہیں رہا۔ ہم سچ اس کو سمجھتے ہیں جس پر  
 ہمارے فرقے کا عالم یا لیڈر مہر کر دے۔ ایسی مہر اگر جھوٹ بھی ہو تو ہم فوراً مان لیتے ہیں۔  
 لیکن دوسرے فرقے کا آدمی اگر قرآن و حدیث بھی پیش کرے تو ہم ”وہابی“ کہہ کر اس سے  
 پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دین، مذہب اور حق کے اصولوں کو دھروں  
 اور فرقوں سے بالا تر رکھ کر قبول کرے اور اس معاملے میں نہ خاندان کا لحاظ رکھے، نہ اولاد  
 کا، نہ فرقہ بندی کا اور نہ ذاتی فائدوں کا۔

یہود کا قبول اسلام سے انکار ۱۲۰  
۱۲۱ یہود پر اتمام حجت

قُلْ فَا لِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَاءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ  
کہو پھر کیوں مارتے رہے ہو نبی خدا کے پہلے اگر تم ہو ایمان والے  
یعنی اے پیغمبر! ان سے کہہ دو، اگر تم درحقیقت ایمان لانے والے ہو تو پھر پیغمبر  
اسلام کی تشریف آوری سے پہلے خدا کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو؟

عزیزان اسلام! بات کا سلسلہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے یہود مدینہ کو قبول اسلام  
کی دعوت دی۔ اس پر یہود نے یہ عذر کیا کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائیں گے جو ہم پر اتاری  
ہے۔ اب خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر تم پہلے نبیوں پر ایمان لانے والے ہوتے  
تو پھر حضرت موسیٰ ؑ کے بعد کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہتے جو بنی اسرائیل ہی میں ظاہر  
ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے دوسرا جواب یہ دیا:-

۹۲۔ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ  
اور بیشک آیا تم پر موسیٰ ساتھ نشانیوں کے پھر پکڑا تم نے بچھڑا

مِنْ بَعْدِهَا (بعد اس کے) وَأَنْتُمْ (اور تم) ظَالِمُونَ (ظلم کرنے والے)  
آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے، اے یہود! اگر تمہارا یہ دعویٰ سچا ہے کہ تم اسرائیلی  
نبیوں پر ایمان لاتے ہو تو پھر اس کا جواب کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کھلی  
نشانیوں لے کر تمہارے پاس آئے تو ان کے بعد بھی تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا۔  
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم دراصل ظالم ہو۔

عزیزان اسلام! ان دونوں پہلوؤں سے یہود کی حجت بازی کٹ گئی۔ ان کا دعویٰ  
تھا کہ ہم اسرائیلی نبیوں پر ایمان لائیں گے۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ کئی اسرائیلی نبی  
ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے یہ سلوک

کیا کہ ادھر وہ کوہِ طور پر گئے تاکہ ان کے لئے قانون لائیں اور ادھر بنی اسرائیل نے پھڑپھڑے کو اپنا مہود بنا لیا۔ یہود کی ان دونوں حرکات سے ثابت ہوتا ہے کہ ظلم کرنا ان کی فطرت میں داخل ہو گیا تھا اور معاملہ خواہ کیسا بھی صاف کیوں نہ ہو، وہ ظلم کئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ عزیزان اسلام! غلاموں کی یہ فطرت ہے کہ جب ڈنڈا برسے تو وہ دوسروں کے ظلم و تشدد کو شیر مادر کی طرح پی جاتے ہیں لیکن جب خود ان کے ہاتھ میں ڈنڈا آجائے یا انہیں تھوڑی سی آزادی مل جائے تو وہ خود ظالم بننے سے دریغ نہیں کرتے۔ لیکن اس حال میں بھی ان کا اکثر ظلم اپنے ہی بھائیوں پر ہوتا ہے۔ یہود یہ کہتے تھے کہ ہم بنی اسمعیل کے نبی کو کیوں مانیں؟ مگر ان کا عمل یہ تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک دن بھی وفات کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو بھی نبی آتے رہے، وہ ان کو جھٹلاتے تھے یا قتل کر دیتے تھے۔ جو قوم اپنے نسلی نبیوں کے خون ناحق سے دریغ نہ کرے، وہ غیر نسل کے انبیاء کے ساتھ کیونکر اچھا سلوک کر سکتی ہے؟ یہ ساری بحث اس لئے ہے تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ یہودی سوسائٹی اب ہر لحاظ سے مردہ ہو چکی ہے، اب بنی اسرائیل میں کچھ جان باقی نہیں رہی، ان کی اصلاح کی کوششیں بے کار ہیں، اب یہ مردہ ہڈیاں دفن کر دینی چاہئیں۔ اب ایک نئی اور جوان ہمت قوم کو اٹھنا چاہئے اور اسے خلافت ملنی چاہئے تاکہ وہ خدا کے قانون پر چل کر نوع انسانی کی خدمت کرے۔

عزیزان اسلام! بنی اسرائیل کے اس زوال میں آپ کے لئے ایک سبق ہے۔ ایک وقت یہی یہودی خدا کے نزدیک سب سے اونچے تھے مگر اب اسی قوم کا یہ حال ہے کہ خود خدا ہی انہیں مردود اور مفضوب قرار دے کر تیرہ زمین دفن کر دینے کا فرمان نافذ کر رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ انسانوں کی نسلوں کو پسند نہیں کرتا بلکہ عملوں کو پسند کرتا ہے، عمل سے مراد محنت، دیانت، جہاد، قربانی، ہمدردی، تبلیغ، حلال کمائی، نظام قومی، عمل مراد صرف زبان ہلا کر ہو کر یا نہیں

یہود پر تمام حجت

۱۲۲  
۱۲۳

یہود کا قبول اسلام سے انکار

۹۳۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ كُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَ كُمُ الطُّورَ

اور جب لیا ہم نے اقرار تمہارا اور اونچا کیا ہم نے اوپر تمہارے طور  
خُذُوا مَا آتَيْنَا كُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ط  
پکڑو جو دیا ہم نے تم کو ساتھ قوت کے اور سنو

آیت کا ساوہ مطلب یہ ہے: اے بنی اسرائیل! اس واقعہ کو یاد کرو جبکہ ہم نے  
طور کے نیچے تم سے اقرار لیا تھا کہ جو احکام تم کو دیئے گئے ہیں، ان کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور  
اپنے خدا و رسول کی آواز سنو اور مانو۔ لیکن تم نے یہ جواب دیا:-

قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبْنَا فِي قُلُوبِنَا هُمُ الْعِجْلُ

کہنے لگے سنا ہم نے اور انکار کیا ہم نے اور پلاٹے گئے بیچ دلوں اپنے کے بچھڑا  
بِ كُفْرِهِمْ (توجہ انکاران کے)۔ یعنی یہودیوں نے زبان سے کہا، ہم نے حکم سن لیا۔  
مگر عملی طور پر وہ نافرمانی کرتے رہے۔ اس کفر اور ضد کا باعث یہ تھا کہ یہودیوں کے دلوں  
میں بچھڑے کی محبت رچی ہوئی تھی۔

عزیزان اسلام! بات کا سلسلہ سمجھئے۔ پیغمبر اسلام نے یہود کو دعوت دی تھی کہ

اسلام قبول کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لئے اسرائیلی نبی اور اپنا دین کافی ہے۔

اس پر خدا تعالیٰ نے انہیں تین جواب دیئے۔ پہلے یہ فرمایا کہ اگر تم اپنے دین کے سچے پیرو

ہوتے تو اسرائیلی نبیوں کو کیوں قتل کرتے؟ دوسرا جواب یہ دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

تمہارے خاص قومی نبی تھے، تم نے ان کے ساتھ کیوں وفانہ کی کہ اوہ روہ کوہ طور پر گئے

اور اوہر تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ اب تیسری بات یہ کہی کہ تمہیں کوہ طور کے نیچے یہ

حکم دیا گیا تھا کہ حکم الہی پر مضبوطی سے جم جاؤ، پھر تم نے اس حکم کو بھی زبانی جمع

خرچ کر کے کیوں ٹال دیا؟ تم نے زبان سے تو کہا، سَمِعْنَا، اے خدا! ہم نے تیرا حکم سن لیا مگر عمل یہ رکھا، عَصَيْنَا، یعنی اسی طرح نافرمانی کرتے چلے گئے۔ یہ انتہا ہے کہ تم اپنی ضد میں اس درجہ اندھے ہو گئے کہ تم نبی اور بچھڑے میں بھی صحیح انتخاب نہ کر سکتے۔ تم نے حضرت موسیٰ عا کو چھوڑ دیا اور بچھڑے کو پکڑ لیا۔ یہ تمام واقعات پیش کر کے حضرت محمد صلعم کو حکم ملتا ہے

قُلْ بِئْسَ مَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ كَمَا أَنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

کہندہ برا ہے وہ کہ حکم دیتا ہے تم کو اُس کا ایمان تمہارا، اگر تم ہو ایمان والے یعنی اگر یہی ایمان ہے تو تمہارے اس ایمان پر افسوس ہے۔ یہ ایمان تمہیں کیسی کیسی بری راہوں پر چلا رہا ہے۔

عزیزان اسلام! بنی اسرائیل کو یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارا ایمان کا دعویٰ غلط ہے۔ پہلے بھی تم زبانی جمع خرچ کرتے رہے ہو اور اب بھی زبانی جمع خرچ کر رہے ہو۔ جب عمل نہ ہو تو زبان سے دینداری کے دعوے فضول ہیں۔

عزیزان اسلام! ہم کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے، عام طور پر ہم نے بھی ایمان کے زبانی دعویٰ، زبانی کلمہ اور زبانی اقرار و اعلان کو کافی سمجھ رکھا ہے۔ لیکن عملی زندگی میں ہماری حالت بھی غیر مسلموں سے کسی طرح اچھی نہیں، ہم ان سے زیادہ جھوٹ، غیبت، فساد، عناد، رشوت، سود لینا دینا، وعدہ خلافی اور دھوکے فریب کا شکار ہیں۔ اور اسی لئے تعلیم، تجارت، کاروبار، سیاست میں ہم ان سے پیچھے ہیں۔ بھائیو! کچھ اپنے اعمال کی درستی کا فکر کرو۔ دنیا ہو یا آخرت، ایمان و اعتقاد کے بعد عمل کی پرکھش ہوگی اور دیکھا جائے گا کہ تم نے اپنے خدا، رسول، نفس، جان، مال، اولاد، خاندان، ملک، زمین، تجارت، زراعت کا کیا حق ادا کیا؟ مسلمانو! اپنی عملی اور روزمرہ کی زندگی میں، لین دین میں، عورتوں، اولاد اور تعلق داروں کے حق میں ایماندار بنو۔ پھر کامیابی ہوگی۔

یہود کا قبول اسلام سے انکار (۱۲۴) سچائی کی اصل پرکھ

۹۴۔ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً

کہو اگر ہے واسطے تمہارے گھر آخرت کا خدا کے ہاں مخصوص

مِنْ دُونِ النَّاسِ فَ تَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

علاوہ لوگوں کے، پس تمنا کرو موت کی اگر تم سچے ہو

جب پیغمبر اسلام نے یہود کو قبول اسلام کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے، ہم کیوں اسلام

قبول کریں جبکہ آخرت کے آرام صرف ہمارے لئے وقف ہو چکے ہیں؟ اس پر خدا نے

پیغمبر اسلام کو حکم دیا، آپ ان لوگوں سے کہئے، اگر آخرت کی نعمتیں خدا کے ہاں صرف

تمہارے لئے خاص ہیں اور کسی دوسرے انسان کا اس میں حصہ نہیں ہے اور تم اپنے

اس اعتقاد میں سچے ہو تو پھر تم موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے؟ اس حیات فانی کی چند

روزہ لذتوں پر کیوں مرے جاتے ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو یہ بتایا ہے کہ

تمہارا یہ دعویٰ محض زبانی ہے کہ آخرت کے وارث صرف یہود ہیں، تمہارے عمل سے یہ

ثابت ہوتا ہے کہ تم صرف دنیوی لذتوں کے پجاری ہو۔

عزیزان اسلام! یہود نے یہ کہا تھا کہ ہمارے لئے ہمارا دین کافی ہے اور ہم اسی

کے ذریعے سے بہشت کے وارث بنائے جا چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا کہ

تمہارا عمل کیوں اس اعتقاد کے مطابق نہیں ہے؟ تم دنیا کی لذتوں پر فدا رہنے کی بجائے

موت کی طلب کیوں نہیں کرتے؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سچے مومن کی پرکھ یہ

بتائی کہ وہ کبھی موت سے خائف اور دنیوی مزوں کا پجاری نہیں ہوتا۔ یہودی لوگ کسی

طرح بھی اس پرکھ پر پورے نہیں اترتے تھے۔ ان کی زبان پر ہر وقت جنت کا چرچا

جاری رہتا تھا مگر عملی زندگی میں وہ چھوٹے چھوٹے فائدوں اور ذلیل قسم کی لذتوں پر

گرتے پڑتے تھے۔ وہ اسلام کو سچا سمجھتے تھے لیکن جب یہ دیکھتے تھے کہ تمام عرب مسلمانوں کا دشمن ہے اور قبول اسلام سے انہیں موت، غریبی، تمام ملک کی دشمنی، فائدوں اور لذتوں سے دست برداری اور جان و مال کے نقصان کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ ان کے دلوں میں یہ جرأت ہی نہیں تھی کہ وہ ایسے حالات میں اسلام قبول کریں۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں مسلمانوں کے لئے بڑا سبق ہے۔ شاید اس دنیا میں ایک بھی مسلمان ایسا نہ ہوگا جو جنت میں جانے کا مدعی نہ ہو۔ آپ کسی بھی مسلمان سے پوچھ لیجئے ایسا معلوم ہوگا کہ اس نے داخلہ بہشت کے لئے لنگر لنگوٹے کس رکھے ہیں۔ اس اعتقاد کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان موت سے بے خوف ہو جاتے، اللہ کی راہ میں نکلتے اور اسلام کے نام پر پروانوں کی طرح اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ لیکن آپ عملی حالت دیکھئے۔ آج تمام اقوام عالم میں جس قدر ہم مسلمان موت سے ڈرتے ہیں، کوئی قوم نہیں ڈرتی۔ یہ حد ہے کہ مسلمان موت کے خوف سے کفار کی فوجوں میں بھرتی ہو جاتے ہیں اور میدان جنگ میں مر جاتے ہیں۔ لیکن وہ انکار کی جرأت نہیں کر سکتے۔ انہیں کفر کے مقابلے میں ثابت قدم رہ کر اسلام کی موت تو مرنا قبول نہیں ہوتا مگر کفار کے ڈر کے مارے وہ کفر کی موت مرنے پر خوشی سے تیار ہو جاتے ہیں۔ غور کرو کہ یہ ہماری کتنی بڑی کمزوری ہے۔ مسلمانو! قرآن کی آیتوں پر اپنے ایمان کو پرکھو۔ اگر تمہارا ایمان حقیقی ہے تو پھر سب کے سب موت کو لبیک کہو اور خدا کے راستے میں نکل کھڑے ہو۔ کوئی سچا مسلمان دنیا کی فانی لذتوں پر اس قدر نہیں ریحہ سکتا کہ وہ پروردگار عالم کے حق سے بے وفا ہو جائے۔ اسلام کے لئے ذلت، تکلیف، بھوک، پیاس، نیند بے آرامی اور موت کو لبیک کہو! سچائی کی راہ یہی ہے، کفر کی غلامی اور اسلام کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔



یہود کا قبول اسلام سے انکار (۱۲۵) موت سے بزدلانہ خوف

۹۵۔ وَ كُنْ يَتَمَنَّوْا ۙ اَجْدًا ۙ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ

اور ہرگز نہیں تمنا کریں گے اسکی کبھی بوجہ اسکے جو بھیج چکے ہیں ہاتھ انکے

وَاللّٰهُ (اور اللہ) عَلِيْمٌ (جانتے والا ہے) بِالظّٰلِمِيْنَ (ظالموں کو) ۵

عزیزان اسلام! پہلی آیت میں یہ کہا گیا کہ اگر یہودی بہشت کو اپنا قومی ورثہ سمجھتے ہیں

تو پھر موت کی آرزو کیوں نہیں کرتے؟ آج کی آیت میں بتایا کہ چونکہ وہ اپنے ہاتھوں گناہوں

کا ورثہ آگے بھیج چکے ہیں اس واسطے وہ موت کی تمنا نہیں کریں گے، خدا ان کی اس اندرونی

کمزوری اور ظلم کو خوب جانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بد اعمالی انسان کو بزدل بنا دیتی

ہے۔ بدکاروں کے دلوں میں اصلی ڈر یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے ہاں کیا جواب دیں گے؟ اس

اندرونی خوف کا علاج وہ یہ کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ عرصہ تک دنیا میں جیتے رہیں

حالانکہ وہ کب تک دنیا میں زندہ رہ سکتے ہیں؟ بد اعمالی کا صحیح علاج توبہ، ترک گناہ اور

عمل نیک کی مشق ہے۔ یہود کو ایک خوف یہ تھا کہ اپنی خود غرضیوں، بد عادتوں اور گنہگاری

کی لذتوں کو چھوڑ کر احکام اسلام کی پابندی کیسے کریں گے؟ دوسری طرف یہ خوف تھا کہ موت

کے بعد خدا کو کیا جواب دیں گے؟ یعنی ان کے لئے دونوں راستے بند تھے۔ اس واسطے انہوں

نے آخری فیصلہ یہی کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو اپنے حال پر پڑے رہنا چاہئے۔ آج مسلمانوں کی

بھی یہی حالت ہے، وہ اللہ کے لئے نہ مال، جان، آرام، خطاب، اغراض، اعزاز اور عیش

کو قربان کر سکتے ہیں اور نہ جنت کی ٹھیکیداری چھوڑتے ہیں۔ مسلمانو! یکسو ہو کر احکام الہی

کی پابندی کرو اور یہ نہ دیکھو کہ اس پابندی سے آپ کی جان، مال، اولاد، دولت، آرام اور کاروبار

پر کیا اثر پڑے گا؟ آپ کا ذاتی نقصان بے شک ہوگا مگر آپ کی قوم آزاد ہو جائے گی اور آئندہ

نسلیں ہمیشہ کے لئے آپ کو دعائیں دینگی۔

یہود کا قبول اسلام سے انکار (۱۲۶) بے اصل دینداروں سے مشرک اچھے

۹۴- وَلَا تَجِدَنَّ هُمْ آخِذِينَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيٰوةٍ هِ وَا

اور ضرور تو پائینگے ان کو سب سے لالچی اور زندگی کے اور

مِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا هِ يَوْمَ أَحَدٌ هُمْ كُو يُعَمَّرُ أَلْفَ سِنَةٍ

مشرک کرنے والوں سے بھی، چاہتا ہے ایک ایک ان کا کاش وہ عمر پائے ہزار سال

پہلے کہا گیا تھا کہ اگر یہود کو جنت میں جانے کا پکا یقین ہے تو وہ مرنے سے کیوں ڈرتے

ہیں؟ اب یہ کہا گیا ہے، اے نبی! تو خود دیکھ لے گا کہ یہودی سب لوگوں سے زیادہ زندگی

کے حریص ہیں، بلکہ مشرکوں سے بھی زیادہ۔ ان میں سے ایک ایک آدمی یہ حسرت رکھتا

ہے کہ اے کاش، وہ ایک ہزار برس تک توجھے۔ اس کے بعد فرمایا:-

وَمَا هُوَ بِمُزْحَضٍ مِّنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ وَاللَّهُ

اور نہیں وہ دُور کھینچنے والی اسکو عذاب سے کہ دی جائے عمر، اور اللہ

بَصِيرٌ (دیکھنے والا ہے) جِسا (اس کو جو) يَعْمَلُونَ (وہ عمل کرتے ہیں) ۵

مطلب یہ ہے کہ یہودی لوگ کتنے ہی عرصہ تک جئیں، بہر حال انہیں ایک دن ضرور

مرنا ہوگا اور یہ عمر کی درالی انہیں کچھ عذاب آخرت سے نجات نہیں دلائے گی اور جو کچھ

یہ کر رہے ہیں، خدا اس سے لاعلم نہیں ہے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو قوم، دین کی حقیقت کو چھوڑ

دے اور مذہبی حکموں کو صداقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ فیشن کے طور پر ملنے اور دین کا

صرف نام رکھے اور اصل میں خود غرضی کے پیچھے چلے، اس کی حالت کافروں اور مشرکوں

سے بھی زیادہ بُری ہو جاتی ہے۔ حرص بھی ان دین والوں کو کافروں سے زیادہ ہوتی ہے

دنیا کی محبت بھی زیادہ ہوتی ہے اور دنیا کی لذتوں کا شوق بھی زیادہ ہوتا ہے۔ کفار اور

مشرکین موت سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا یہ بے اصل دیندار ڈرتے ہیں۔  
 عزیزان اسلام! آپ موجودہ مسلمانوں کا ہندوؤں، انگریزوں اور جاپانیوں سے  
 مقابلہ کر کے اس آیت کی صداقت کا اندازہ کر لیجئے، وہ کافر رہ کر جان و مال کی قربانی میں  
 ہم سے بڑھے ہوئے ہیں مگر ہم دیندار کہلا کر ہر میدان میں ان سے شکست کھا رہے ہیں۔  
 سچ پوچھئے تو اب حالت یہ ہو گئی ہے۔

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا جھے رنگِ وعظِ مذہب  
 قلوبِ شیطان کے متبع ہیں، زبانِ قرآن پہ چل رہی ہے  
 مسلمانو! اپنے دین کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھو، اگر تم محض رسموں کی پوجا کر رہے ہو  
 تو یہ امید نہ رکھو کہ تمہیں دینداروں کی برکات حاصل ہو جائیں گی۔ دین کو سمجھو اور سچائی  
 کے ساتھ اس کے اصل مطلب پر عمل کرو۔ پھر خدا تعالیٰ ضرور تمہاری امداد کرے گا۔

(بقیہ صفحہ ۲۲۴)

اور مقامات مقدسہ کو بے پناہ کر دیا۔ آج یہاں ہمارے بھائی مسلم لیڈروں کی دینداری  
 پر اعتراض کر رہے ہیں مگر جن کے پیچھے چل رہے ہیں وہ منکر اور بد عقیدہ بھی ہیں۔ جو  
 مولوی قصے کہانیاں سنائے، آپ اس کے پاؤں چومتے ہیں لیکن جو کارکن عمل کا نمونہ  
 پیش کرے، آپ اس کی بات بھی نہیں سنتے۔ مسلمان لو نہال باپ کا جائز کہا بھی  
 نہیں مانتے مگر دوستوں کی ناجائز بات سے بھی انکار نہیں کرتے۔ عزیزو! بے سمجھی کے  
 نشے سے نکلو اور اچھے برے کی تمیز کرو۔ دشمنوں کی ظاہر دہی پر فریفتہ ہو کر اپنے  
 ہم دروں اور اپنے قومی فائدوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔

پہنچا اسلام کو تسلی

(۱۲۷)

جاہلانہ تعصب کا کفر

۵۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ

کہہ دو جو شخص ہو دشمن جبریل کا پس اس نے اتارا ہے قرآن کو  
 عَلٰی قَلْبِكَ بِرِازِئِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ  
 اوپر دل تیرے کے، ساتھ حکم اللہ کے، تصدیق کرتا اُسکی جو آگے ہے اُسکے

وَهُدًى (اور ہدایت) وَبُشْرَى (اور بشارت) لِلْمُؤْمِنِينَ (واسطے مومنوں کے)

آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے۔ اے پیغمبر! جو شخص جبریل کا دشمن ہے، اس سے کہہ دو کہ  
 یہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو جبریل نے خدا کے حکم سے آپ کے دل پر اتارا ہے، یہ پہلی کتابوں کی  
 تصدیق کرتا ہے اور یہ انسان کے لئے ہدایت اور مومنوں کے لئے خوشخبری ہے۔

عزیزان اسلام! بات کا پہلا چلاؤ یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہود کو قبول

اسلام کی دعوت دیتے تھے اور وہ انکار کرتے تھے۔ اب انہوں نے انکار کا یہ بہانا بنایا کہ چونکہ

قرآن کا لانے والا فرشتہ، جبریل ہمارا دشمن ہے۔ اس واسطے ہم اسلام قبول نہیں کریں گے۔

چونکہ جبریل حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا دوسرے نبیوں کے پاس عذاب کی خبریں لایا کرتا

تھا اور یہودیوں کی خرابیاں بیان کرتا تھا، اس واسطے یہودی اس کو اپنا قومی دشمن سمجھتے

تھے۔ آج کی آیت میں قرآن نے یہ بتایا ہے کہ جاہلانہ تعصب کے باعث یہود کے دل و باغ کی

حالت کس قدر بری ہو چکی تھی۔ آیت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ قرآن میں چار خوبیاں ایسی

تھیں کہ وہ یہودیوں کو صاف صاف نظر آرہی تھیں۔ ایک یہ کہ قرآن اللہ کے حکم سے

اتارا جا رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ قرآن، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان اور توریت کی سچائی کو ثابت

کرتا تھا اور یہ بات بھی یہودیوں کے حق میں جاتی تھی۔ تیسرے یہ کہ قرآن سچائی اور ہدایت

کے اصول سمجھاتا تھا اور چوتھے یہ کہ قرآن، ایمان لانے والوں کے لئے فتح کی خوشخبری دیتا

تھا۔ جب یہودیوں کو قرآن کی یہ ساری خوبیاں اور بزرگیاں معلوم ہو گئیں تو وہ کہنے لگے کہ چونکہ اس کے لانے والا فرشتہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے۔ اس واسطے ہم اسے نہیں مانیں گے۔ غور کیجئے کہ یہ کس قدر قابل شرم جہالت اور تعصب ہے؟

عزیزان اسلام! افسوس کہ اب بے شمار مسلمانوں کو بھی اسی تعصب نے بالکل اندھا کر رکھا ہے۔ ایک شخص نے بڑا ہی اچھا و عظیم کیا، تمام شہر میں دھوم مچ گئی، ایک ایک شخص تعریف کر رہا تھا۔ اسی وقت یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص وہابی تھا، اب بچہ بچہ اس کو گالیاں دیتا تھا کہ اس نے ہماری نماز خراب کر دی۔ ایک بوڑھا آدمی بازار سے گزر رہا تھا، ایک شخص بولا، دیکھو کیسی نورانی صورت ہے، دکاندار نے کہا، اجی یہ تو مرزائی ہے۔ اب تعریف کرنے والا چپ ہو گیا اور دو ایک منٹ کے بعد بولا، تبھی اس کے منہ پر پھٹکار برس رہی تھی۔ اگر کوئی شخص ہمارے اپنے فرقے کا ہے تو ہم اس کے غلط کو بھی صحیح سمجھتے ہیں لیکن اگر مخالف ہے تو وہ پانچ نمازیں بھی کہے تو کبھی نہیں مانیں گے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں سے

کہ جو کام دینی ہے یا دنیوی ہے	ہمیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے
نشان غیرتِ دینِ حق کا یہی ہے	مخالف کی ریس اس میں کرنی بری ہے
وہ دن کو کہے دن تو تم رات سمجھو	نہ ٹھیک اس کی ہرگز کوئی بات سمجھو
تو تم سیدھے رستے سے کترا کے جاؤ	قیم گرہِ راست پر اس کا پاؤ
پڑیں جس قدر وقتیں وہ اٹھاؤ	لگیں جس قدر ٹھوکریں اس میں کھاؤ
تو تم ڈال دو ناؤ اندر بھنور کے	جہاز اس کا بچ کر جو نکلے بھنور سے
مسلمانو! تمہاری اپنی فرقہ بندیوں نے تمہاری اخلاقی اور عقلی قوت تباہ کر رکھی ہے	
اس سے بچ جاؤ تو پھر اسلام کی شان ظاہر ہوگی۔	

پیغمبر اسلام کو تسلی (۱۲۸) سلسلہ ہدایت پیہود کی مخالفت

۹۸۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ  
 وَمِيكَائِيلَ (اور میکائیل کا) فَإِنَّ اللَّهَ (پس بیشک اللہ) عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ (دشمن ہے  
 کافروں کا)۔ آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور رسولوں  
 اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہو، اسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ خدا بھی اس کا دشمن ہے۔

عزیزان اسلام! خدا کے نبی، تمام آسمانی کتابیں اور خدا کے تمام فرشتے، ایک ہی  
 زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ جو شخص ایک کڑی کا انکار کر دے وہ گویا ایسا ہے کہ اس نے ساری  
 زنجیر کو توڑ دیا۔ مثال اس کی یہ ہے۔ فرض کیجئے، محکمہ مال میں چپڑاسی، پٹواری۔ گروا اور،  
 تحصیل دار اور ڈپٹی کلکٹر وغیرہ ملازموں کا ایک سلسلہ ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو جو یہ کہے  
 کہ میں ڈپٹی کمشنر کو تو مانتا ہوں مگر چونکہ اس کے چپڑاسی کے ساتھ میری دشمنی ہے اس لئے  
 اگر کوئی حکم چپڑاسی کے ذریعے بھیجا گیا تو میں نہیں مانوں گا تو ایسے آدمی کے متعلق یہی سمجھا  
 جائیگا کہ اس نے افسر اعلیٰ کا حکم نہیں مانا اور محکمہ مال کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے  
 یہی حال محکمہ ہدایت کے نبیوں اور فرشتوں کا ہے۔ فرشتے خدا کی ہدایت کو نبیوں تک  
 پہنچاتے ہیں اور نبی اس پیغام کو بندوں میں تبلیغ کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی ایک فرشتے یا  
 ایک نبی سے انکار کر دے تو وہ خدا کی نظر میں ایسا ہے کہ گویا اس نے سارے سلسلے کا انکار کر دیا۔  
 یہودی لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم جبریل کے دشمن ہیں۔ خدا نے اس کو جواب یہ دیا کہ اس کے معنی ہیں کہ  
 تم تمام نظام ہدایت کے دشمن ہو اور اسکے یہ معنی ہیں کہ خود خدا کے دشمن ہو، پس تیار ہو جاؤ خدا  
 تمہیں اس دشمنی کا ضرور بدلہ دیگا۔ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ کا مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ  
 جیسی دشمنی کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا قانون سزا و جزا انہیں اس دشمنی کا ویسا ہی بدلہ دیتا ہے

پیغمبر اسلام کو تسلی (۱۲۹) مَعَالِفِ فَاسِقِينَ سَمَّ شَرِيحًا مَرِيحًا

۹۹- وَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ

اور بے شک ہم نے بھیجیں طرف تیری روشن دلیلیں ، اور نہیں انکار کرتا

بہا (اس سے) إِلَّا الْفَاسِقُونَ (سوائے نافرمانوں کے) یعنی اسے رسول یقین کر

ہم نے تم پر سچائی کی روشن دلیلیں بھیجی ہیں اور ان سے وہی انکار کرتے ہیں جو آئین پر چلنا

نہیں چاہتے۔ فاسقین کے معنی ہیں، بے آئین، یعنی وہ لوگ جنہوں نے تینوں قسم کی حدیں

توڑ رکھی ہوں، فطرت کی، شریعت کی، آپس کی سچائی قرار دادوں کی۔ یہ کس قدر بترسک

بات ہے، کبھی مسلمان، مسلم تھے یعنی آئین الہی کے پابند، اس وقت انہیں یہود کی بے

آئینیاں سنائی جاتی تھیں۔ مگر آج خود مسلمان بے آئین بنتے چلے جا رہے ہیں۔

یہاں پھلی آیتوں کی ترتیب پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ ۴۰ ویں آیت سے پہلے

آشورائیل کہہ کر براہ راست یہودیوں سے خطاب کیا ہے اور سیدھے انہی کو حکم دیئے

ہیں مثلاً ”تم سچ کو جھوٹ میں نہ ملاؤ“ یا تم صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو“ یا وہ وقت

یاد کرو جبکہ تمہیں زرعون سے بچایا گیا“ ۴۱ ویں آیت تک یہی صورت ہے اور پھر ۴۲ ویں

آیت سے خطاب مسلمانوں سے ہے مگر ذکر انہیں یہودیوں ہی کا سنایا جا رہا ہے، مثلاً ”وہ

مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم ایمان لائے“ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم صرف چند روز

دوزخ میں جاؤ گے“ یہاں قَالُوا (وہ کہتے ہیں) قُلْ (تم یہ جواب دو) کی صورت

میں مسلمانوں کی زبان سے انہیں جوابات دلائے گئے ہیں اور ۹۶ ویں آیت تک یہی صورت

ہے۔ اب تناوے آیت سے پھر سلسلہ کلام بدلا گیا ہے یعنی پیغمبر اسلام سے خطاب ہے اور انہیں

یہودیوں کی نافرمانی کا ذکر سنا کر تسلی دی گئی ہے۔ اس کے بعد پھر ۱۰۰ ویں آیت سے امت مسلمہ

سے خطاب شروع ہو گا۔

پیغمبر اسلام کو تسلی (۱۳۰) قومی حیانت کی جرأت کیوں؟

۱۰۔ آوَا كَلَّمَا عَهْدًا وَا عَهْدًا فَبَدَّ ؕ فَرِيقًا  
 کیا ایسا نہیں تھا جب کبھی انہوں نے عہد کیا کوئی عہد پھینک دیا اسکو ایک گروہ نے  
 مِنْهُمْ ؕ اِن مِّنْ سَمٍۭءٍ قَبْلَ (ہاں تو) اَلْاَكْثَرُھُمْ (اکثریت) لَا یُؤْمِنُوْنَ (نہیں ایمان لائے والے)  
 پیغمبر اسلام کو تسلی دی جا رہی ہے، اے رسول! آپ یہودیوں کے انکار سے غمگین نہ ہوں  
 ان کا تو شروع سے یہی حال ہے، یہ لوگ جب کبھی ابتداء حق کا اقرار کرتے تو ان کا کوئی نہ  
 کوئی گروہ اسے ضرور توڑ دیتا، اور اصل بات یہ ہے کہ ان کی اکثریت ایمان سے خالی ہے  
 عزیزان اسلام! خدمت دین کا کام کرنے والوں کو اس آیت سے سبق سیکھنا چاہئے  
 اکثر مجمعوں میں کئی لوگ وعدہ کر لیتے ہیں، ہم نماز پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے، جلسے کا انتظام  
 کریں گے، دوسرے لوگوں کو سمجھائیں گے، قومی چندہ جمع کریں گے، وغیرہ وغیرہ۔ اس پر قومی  
 کارکن بہت خوش ہو جاتے ہیں اور تسلی پا کر گھر چلے آتے ہیں مگر اقرار کرنے والے لوگ مجلس  
 سے اٹھتے ہی بھول جاتے ہیں اور ایک بات میں بھی اپنا وعدہ پورا نہیں کرتے۔ اس سے ان  
 کا دل بہت بچھ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ساری باتیں نہ صرف پیغمبر اسلام بلکہ تمام پہلے نبیوں  
 پر بھی اسی طرح گزر چکی ہیں۔ بنی اسرائیل کا تو گویا یہ پیشہ تھا، وہ اطاعت کا اقرار کرتے  
 تھے لیکن دوسرے ہی دن ان میں پارٹی بندی ہو جاتی اور ایک جماعت اطاعت سے  
 صاف مکر جاتی تھی۔ آپ پوچھیں گے کہ صاف اقرار کے بعد کیوں مکر جاتی؟ قرآن کہتا ہے،  
 بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ صرف اس لئے کہ قوم کے زیادہ لوگ بے ایمان تھے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں قرآن پاک نے ایک بہت اونچی حقیقت بیان  
 کی ہے۔ قرآن نے یہ کہا ہے کہ جن قوموں میں کسی ایک فرد کو یا کسی ایک جماعت کو اپنے  
 قومی عہد سے الگ ہو کر اپنی راہ چلنے کی جرأت ہوتی ہے تو اس کی اصل وجہ یہ سمجھو کہ قوم کی



اکثریت نکمی ہو چکی ہے، ایمان سے خالی ہو چکی ہے اور رائے عامہ کے اندر محاسبہ کرنے کی طاقت باقی نہیں رہی۔ ایسی ہی قوم میں کوئی شخص نہ قومی نصب العین کی پروا کرتا ہے، نہ قومی عہد کی آپ لاکھ کوشش سے اپنے متحدہ قومی مطالبات پیش کیجئے، آپ کے اندر ہی کوئی جماعت اسکی تردید کے لئے کھڑی ہو جائیگی۔ ایسی قوموں میں جو شخص چاہے، نبی بن جائے، جو چاہے مذہب اور شریعت کی خلاف ورزی کرے، جو چاہے، اخلاقی حدوں کو توڑے، کچھ علاج نہیں ہو سکتا جب یہودی لوگ ذلت کی غلامیوں میں گر گئے تو ان کا یہی حال تھا۔ ایک دن ساری قوم جمع ہو کر ایک ریزولوشن پاس کرتی تھی یا قومی پروگرام بناتی تھی مگر دوسرے دن انہی میں سے چند آدمی مخالفت کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ ساہا پروگرام دھرے کا دھرا رہ جاتا تھا۔ کیوں؟ **بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَوْ يُؤْمِنُونَ**۔ وجہ یہ کہ ان کی اکثریت کھوکھلی ہو چکی تھی۔

عزیزان اسلام! آپ اللہ کیلئے سوچئے، قرآن پاک کی یہ آیت ہم مسلمانوں پر کس قدر چسپاں ہو رہی ہے؟ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے ہندو یا انگریز کے سامنے کوئی مطالبہ پیش کیا ہو اور خود آپ ہی کے بھائیوں نے اس کی مخالفت نہ کر دی ہو۔ آپ آج ایک قرار وادباس کرتے ہیں اور اگلے دن منتظموں ہی کی ایک پارٹی اس کی مخالفت کر دیتی ہے۔ باپ ایک بات کہتا ہے تو بیٹا مخالفت کر دیتا ہے۔ آج ایک پروگرام طے ہوتا ہے اور دوسرے ہی دن طے کرنے والے خود ہی اسے دفن کر ڈالتے ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ ہم کسی وعدہ، کسی اصول اور کسی پروگرام پر کھڑے نہیں ہوتے؟ **بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَوْ يُؤْمِنُونَ**۔ ہماری اکثریت کھوکھلی ہو چکی ہے۔ وعدہ توڑنے والوں کو یہ ڈر باقی نہیں رہا کہ اکثریت ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ یہ حد ہے کہ اگر کوئی مسلمان نبوت کا دعویٰ بھی کر دے تو ایک فریق اسکے ساتھ ہو جاتا ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ یہودیوں میں ایسا نہیں ہوا ہوگا اس ساری مصیبت کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے قومی نظام کو قائم کیجئے اور اپنی رائے عامہ کو اس قدر مضبوط بنائیے کہ کسی ایک فرقہ یا فرد میں جرات ہی باقی نہ رہے کہ وہ آپ کے قومی عہد کی خلاف ورزی کرے۔

پیغمبر اسلام کو تسلی (۱۳۱) حق ناشناسی میں کمال

۱۰۱- وَ لَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

اور جب آیا ان کے پاس رسول خدا کے ہاں سے تصدیق کرتا ہوا اسکی جو

مَعَهُمْ نَبَأَ فَرِيقٍ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كَتَبَ اللَّهُ وَدَاءَ

پاس تھا انکے پھینکی ایک گروہ نے جن کو دی گئی تھی کتاب ، اللہ کی کتاب پیچھے

ظہور ہر ہر (پیچھے اپنی کے) کائنات ہر (گویا کہ وہ سب) اور کچھ مومن (جانتے ہی نہیں)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا عقلی زوال کس حد تک پہنچ چکا تھا۔ حضرت

عیسیٰ ان کے پاس اس لئے آئے تھے تاکہ وہ اسی توریت کی جو ان کے پاس موجود تھی ،

تصدیق کریں ، مگر یہودیوں کا حال یہ کہ وہ خود ہی اپنی سچائی کے گواہ کو رد کر دیتے ہیں اور

اپنی میں سے ایک گروہ نے کتاب الہی کو اس طرح پیچھے پیچھے ڈال دیا کہ گویا وہ اس سے

واقف ہی نہیں ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم بے نظام ہو جاتی ہے

جب کسی قوم کی اکثریت کھوکھلی ہو جاتی ہے ، جب کسی قوم میں کوئی ایسا لیڈر یا پارٹی باقی

نہیں رہتی جو اس قوم پر ضبط قائم رکھے ، تو پھر اس قوم میں نہ تو کوئی زندگی باقی رہتی ہے

اور نہ اصول۔ جماعتی زندگی کی حدیں پرزہ پرزہ ہو جاتی ہیں ، ہر شخص اپنی نفسانی خواہشات

کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ یہ شتر بے ہماری یہاں تک پہنچتی ہے کہ پیاسا ہونے کے باوجود وہ

پانی کو ٹھکرا دیتے ہیں اور نہیں سمجھتے۔ وہ دشمن کے ہاتھوں کھیل کر اپنے ہمدردوں اور

اور خیر خواہوں کو قتل کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے۔ وہ مرتے وقت بھی شور مچاتے ہیں کہ ہم

زندہ ہو رہے ہیں۔ کیا آج خود مسلمانوں کی یہی حالت نہیں مسلم البانیہ نے ترکوں سے تو

بغاوت کی مگر اٹلی پر اعتماد کر لیا۔ فلسطین نے ترکوں پر تلوار چلائی اور انگریزوں کے

وعدے پر ریجھ گئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے انگریزوں کو فوجی بھرتی دی۔ رہا باقی

پیغمبر اسلام کو تسلی

(۱۳۲)

مردہ قوم کا دین جاوہ

۱۰۲- وَ اتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيْطَانُ عَلٰی مُذَكِّمِينَ

اور وہ اتباع کرنے لگے اسکی جو پڑھاتے تھے شیطان منسوب کر کے ملک سلیمان کی طرف

یہاں سے یہود کے دینی اور عقلی زوال کے آخری دور کا بیان شروع ہوا ہے، یعنی

انہوں نے قانون فطرت کی پیروی چھوڑ دی اور ان چیزوں کا اتباع شروع کر دیا جنہیں

شیطان (آدمی) حضرت سلیمانؑ کے عہد سلطنت کی طرف منسوب کر کے پڑھا پڑھایا کرتے

تھے، یعنی جاوہ، ٹونا، تعویذ، دم پھونک، فال، حاضرات وغیرہ۔ جب دین کی اصلی حقیقت

کم ہو جاتی ہے، جب دین مرجاتا ہے تو پھر جاہل اور مردہ قوم، دینی اصولوں کی جگہ جن چیزوں

کو اپنا دین بنا لیتی ہے، وہ یہی توہم پرستیاں ہوتی ہیں۔ جب یہود نے دین کی حقیقت

ضائع کر دی تو وہ توہم پرستی کرنے لگے اور ساتھ ہی ان کے جواز کا اپنی دینی کتابوں سے

قتوٹے لے لیا، جیسا کہ آیت بتاتی ہے، انہوں نے حضرت سلیمان کے تمام سے

ان چیزوں کو رواج عام نے دے دیا۔ آپ اپنے ہاں بھی یہی دیکھیں گے، حضرت سلیمانؑ

یوسفؑ، جعفر صادقؑ، خضرؑ بلکہ خود پیغمبر اسلام کے نام سے ہزاروں قسم کے قائلنامے تعبیر

نامے، تعویذ اور دم درود جاری ہیں۔ اگر کسی شاذ موقع پر پیغمبر اسلام نے لعاب دہن لگا دیا

ہو، یا دعا کر کے کسی بیمار کو پانی پلایا ہو تو یہ رسول اللہؐ کا اظہار شفقت و رحمت تھا کسی

امتی کے حق میں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موجودہ زمانے کی تعویذ بازیاں اور دم پھونک

بھی کوئی اسلامی اصول ہیں جنکی تعلیم بطور اصول دین کے پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو تعلیم دی تھی

عزیزان اسلام! خدائی کلام کی موت کا یہ آخری درجہ ہے۔ آیتیں تو اس لئے اتاری

جاتی ہیں کہ انہیں سمجھ کر احکام کی تعمیل کی جائے مگر مردہ قوم، تعمیل کرنے کی بجائے انہیں لکھ کر

گلے سے لٹکا لیتی ہے یا حکم کے الفاظ کو ذلیفہ سمجھ کر اور تسی لے کر ٹٹا شروع کر دیتی ہے۔

ایک مثال کے ذریعے دین اور جاودہ کا فرق سمجھیں، ایک طبیب نے بیمار کو نسخہ لکھ دیا، دین یہ ہے کہ بیمار نسخہ کے مطابق دوا میں خریدے، دوا بنائے اور استعمال کرے۔ اور جاودہ یہ ہے کہ وہ نسخہ کے کاغذ کو گلے سے لٹکالے یا تہی لے کر دواؤں کا نام رٹتے لگے۔ یہودی قوم جب مر گئی تو اس نے آیات توریت کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ اب مسلمان، قرآنی آیات کے ساتھ یہی کر رہے ہیں عزیزان اسلام! آیت میں جادو گنڈے واؤں کو شیطان کہا گیا ہے شیطان کا مطلب شرارتی مکار، پاکھنڈی اور فریبی۔ یہ اس لئے کہ ان شیطانوں کے دعوے، ٹوٹے اور ٹوٹکے واصل ان کے ذاتی مکہ فریب، یا جہالت و وہم پرستی کی پیداوار ہوتے ہیں مگر وہ انہیں پڑھتے اور پڑھاتے حضرت سلیمانؑ (دو فیرہ) کے نام سے ہیں، جب وہ خود تعویذ بناتے ہیں تو اسے نقش سلیمانی کہتے ہیں اپنی انگوٹھی کو مہر سلیمانی کہتے ہیں، اسی طرح تخت سلیمانی، آئینہ سلیمانی اور جادوئے سلیمانی کا نام استعمال کر کے جاہلوں کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ یہ چیزیں ہم کو حضرت سلیمانؑ سے سینہ بہ سینہ پہنچی ہیں۔ عزیزان اسلام! حضرت موسیٰؑ یا پیغمبر اسلام کے دین کا پیغام یہ تھا کہ ایمان لاؤ، نیک کام کرو، قوت بازو سے کام لو اور خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اسباب سے فائدہ اٹھاؤ۔ مگر مردہ قوم کا ایسی زندہ تعلیم پر دل نہیں جمتا، وہ یہ چاہتی ہے کہ صرف لفظی وظیفوں، تعویذوں اور ٹونوں کا آسرا لے کر کامیاب ہو جائے، وہ زندہ خدا کا دروازہ چھوڑ دیتی ہے اور مردہ پتھروں اور مٹی کے ڈھیروں سے مرادیں مانگتی ہے۔ آپ خود ہی غور کیجئے، ایک زندہ، طاقتور اور با سمجھ انسان کے لئے یہ کس قدر شرمناک بات ہے کہ وہ پتھروں، قبروں اور تعویذ دھاگوں کے پیچھے مارا مارا پھرے۔ خدا تعالیٰ نے جتنی بھی نعمتیں پیدا کیں ہیں، ان کو حاصل کرنے کے اسباب اور طریقے بھی پیدا کر دیئے ہیں، مثلاً خدا کا قانون ہے کہ مرد اور عورت کے ملاپ سے اولاد اور کھیتی باڑی سے غلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اب صالح قومیں ان ذریعوں سے کام لیکر اولاد، دولت، صحت، عزت اور حکومت حاصل کر لیتی ہیں مگر غیر صالح قومیں، فقروں، قبروں اور عاملوں کے پیچھے دوڑتی ہیں تاکہ پیٹھے بیٹھے انہیں یہ سب کچھ

حاصل ہو جائے۔ ایک زمانہ میں یہودی لوگوں کا یہ حال تھا، افسوس کہ اب مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔

پیغمبر اسلام کو تسلی

(۱۳۳)

کفر اور جادو

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ

اور نہیں کفر کیا سلیمان نے مگر شیطانوں نے کفر کیا وہ سکھاتے ہیں لوگوں کو جادو

کفر کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کسی آیت یا حکم کے ماننے سے انکار کر

دیں۔ دوسری یہ کہ آپ تعمیل حکم اس طرح کریں کہ حکم کی اصل علت یا مقصد بالکل زائل

ہو جائے۔ مثلاً منافقین کی نماز۔ نمازی ہو نیکیے باوجود انہیں خدا نے کافر ہی قرار دیا ہے وہ لوگ

جن کا دین، جادو کی شکل اختیار کر لیتا ہے، ان کی صورت بھی یہی ہوتی ہے۔ مثلاً آیت قرآنی

یہ ہے کہ آپ کم نہ تولیں، اب اگر ایک شخص برابر کم تولے اور ساتھ ہی ”وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ“

کو لکھ کر گلے سے لٹکالے یا بطور وظیفہ کے رٹنا شروع کر دے تو وہ کفر حکم کے وبال سے بری

نہیں ہو سکتا۔ آج کی آیت سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔ (۱) جادو ٹونے کی باتیں کرنا اور

ان پر اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ (۲) مکار عالموں کا یہ قول کہ جادو ٹونے کا علم حضرت سلیمان نے

جاری کیا ہے، غلط ہے؛ مَا كَفَرَ سُلَيْمٌ۔ (۳) جس طرح شیطان لوگوں کے دلوں میں

وہم ڈالتا اور مکر و فریب سے انہیں دھوکا دیتا ہے، اسی طرح جادو ٹونے کی باتیں بھی شیطان

کا وہم اور دھوکا ہیں۔ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا كے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ شیطان

ہیں جو جادو ٹونے کی کافرانہ باتیں کرتے اور سکھاتے ہیں۔

عزیزان اسلام! قرآن نے پیروان جادو کے لئے کافر اور شیطان کا لفظ استعمال کیا ہے

یہ کیوں؟ اگر کوئی شخص آپ سے پانچ روپے نذرانہ وصول کر لے اور پھر کہے کہ آپ دس روپے

بالکل ننگ و صرنگ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر یا رازق کا وظیفہ کریں، گیارہویں رات آپ

کے سامنے بہشتی کھانے آجائیں گے تو پھر بتائیے کہ ایسا شخص مکار، شرارتی اور شیطان ہے

یا نہیں؟ شرارتی اس لئے کہ اس نے آپ کو ننگا کر کے ایک فضول وہم پرستی میں ڈال دیا۔ مکار

اس لئے کہ وہ پانچ روپے ناسحق اڑانے گیا اور شیطان اس لئے کہ اس نے خدا کے نام کو اپنی پیٹ پر جاکے لئے اڑ بنایا۔ ٹونے ٹونکے اور تعویذ دھاگا کرنے والے تمام لوگ قریباً ایسے ہی حکم آ رہے ہوتے ہیں۔ اب لہجی یہ بات کہ قرآن نے ان لوگوں کو کافر کیوں کہا؟ خدا کا قانون اور اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کی ہدایتوں پر عمل کریں، خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ذریعوں سے کام لیں، تو آپ اولاد، دولت، بیوی اور ہر قسم کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر پروردگار عالم کے اس فیصلے کے خلاف ٹونے ٹونکے کرنے والے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم سے تعویذ لے لو، بیوی مل جائے گی۔ فلاں آیت یا منتر یا وظیفہ جمعرات کے دن پڑھا کرنا امتحان میں پاس ہو جائے گا، ہماری دبی ہوئی تیسراں فلاں وقت جلا یا کرنا تمہارا دشمن زیر ہو جائے گا۔ یہ تمہارا دوست خود ہے قرآن ہو کر تمہارے پاس آ جائے گا۔ اب آپ خود ہی فرمائیے کہ ایسی باتوں پر شہادت کر لینا قانون قدرت اور تعلیم الہی سے انکار ہے یا نہیں؟ اسے عزیز دیا چونکہ قرآن پاک نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ فلاں وظیفہ کو دس ہزار دفعہ پڑھنے سے اولاد یا خزانہ مل جاتا ہے۔ چونکہ حضرت سیدنا علیہ السلام نے بھی کہیں یہ نہیں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ذریعوں کے سوا بھی اولاد یا خزانہ یا فتح مندی حاصل ہو سکتی ہے، اس واسطے جو وہ ایسے کرتے ہیں، وہ بیوں کی تعلیم کے رد کرنے والے ہیں اور اس لئے کافر ہیں۔

عزیزان اسلام! اگر آپ کے پاس کوئی ایسا وظیفہ ہے جس سے دشمنوں کو ہلاک کیا جا سکتا ہے تو آپ اس کو انبی کے خلاف کیوں نہیں برتتے جس نے ایسا فیہ کی اسلامی سلطنت پر قبضہ کر رہا ہے؟ اگر آپ کے پاس کوئی ایسی آیت ہے جس کو دس ہزار دفعہ پڑھنے سے فتح حاصل ہو سکتی ہے تو پھر آپ یہودیوں اور نگرینوں کو فلسطین سے کیوں نہیں نکالتے؟ پھر سب کچھ ہی بات یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی ناجی اور عافیت جو دوسرے لوگوں کو ملتی اور خزانہ ملا رہے ہیں، اپنے ذہنیوں پر خود عمل کر کے کیوں خزانوں کے مالک نہیں بن جاتے؟

پیغمبر اسلام کو تسلی (۱۳۴) فرشتوں کے نام گمراہی

وَمَا أَنْزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ بَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ

اور نہیں اتارا اوپر فرشتوں کے بابل میں ہاروت اور ماروت پر

مولانا ابوالکلام آزاد نے آیت کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں کہ بابل

میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اس طرح کی کوئی بات نازل ہوئی تھی۔

عزیزان اسلام! بتایا یہ جا رہا ہے کہ یہودیوں میں یہ ہمت اور جرأت نہ تھی کہ

وہ پہاڑوں کو چیر کر دولت نکالتے، سمندروں کو طے کر کے تجارت کو ترقی دیتے، ظالموں

سے جنگ کر کے اپنی بادشاہی قائم کرتے اور خدا کے حکموں پر عمل کر کے دنیا اور آخرت

کے سردار ہو جاتے۔ اس واسطے انہوں نے مکاریوں کا جال بچھا دیا اور پست ہمت

بن کر یہ خواب دیکھنا شروع کیا کہ فال، تعویذ، خواب نامے، جادو اور ٹونوں ٹونکیوں کے

ذریعے سے زندگی کی کامنیاں اور غلبہ حاصل کر لیں۔ یہ حالت اس قوم کی ہوتی ہے جو

نہایت ہی ناکارہ اور مردہ ہو چکی ہو۔ اب پیغمبر اسلام سے کہا جا رہا ہے کہ ایسی گئی گزری

قوم قرآن حکیم کی مردانہ تعلیم اور بہادرانہ اصولوں کی پیروی کس طرح کر سکتی ہے؟

عزیزان اسلام! شیطان آدمیوں نے جادو اور ٹونے کی بے اصل یا تیں پھیلانے

کے لئے دو روایتیں گھڑ رکھی تھیں۔ ایک یہ کہ عیلم حضرت سلیمان سے سینہ بسینہ چلا آتا ہے

دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ نے بابل میں ہاروت اور ماروت نامی جو دو فرشتے اتارے تھے،

یہ علم انہوں نے سکھایا ہے۔ اب قرآن نے جادو کے سارے سلسلے کو روکنے کے لئے سب

پہلے اپنی دونوں کہانیوں کی جڑ ماری ہے، پہلے فرمایا، مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ سُلَيْمٰنُ نے یہ کفر

نہیں کیا، پھر یہ کہا، وَمَا أَنْزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ بَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ،

اور نہ کوئی ایسا علم بابل میں ہاروت اور ماروت فرشتوں پر اتارا گیا ہے۔ آپ یہاں ہاروت و

ماروت کا من گھرت قصہ بھی سن لیجئے۔ یہودی لوگ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے خدا کے ہاں اپنی پاکبازگی پر گھمنڈ کیا اور انسان کی ناشکری کا تمسخر اڑایا۔ اس پر خدا نے حکم دیا کہ تم دو سب سے اچھے فرشتے پیش کرو جن کی پاکبازگی پر تم کو بڑا دعویٰ ہو۔ فرشتوں نے ماروت اور ماروت کو پیش کیا، تب خدا تعالیٰ نے انسانی صورت میں انہیں زمین پر بھیج دیا۔ زمین پر پہنچتے ہی یہ دونوں ایک عورت کی محبت میں پڑ کر بدکاریوں میں مبتلا ہو گئے اور اس پر اسم اعظم کا پھید بھی کھول دیا جس سے وہ عورت تو آسمان پر جا کر زہرہ ستارہ بن گئی اور یہ دونوں فرشتے بابل کے کسی کنوئیں میں لٹکے ہوئے لوگوں کو جادو سکھا رہے ہیں اور اب سزا کے طور پر ساری دنیا کا دھواں ان کے نعتوں سے گزر رہا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جادو سکھانے والی بات سراسر غلط ہے۔ جادو کوئی علم نہیں جو ماروت اور ماروت پر اتارا گیا ہے۔

عزیزان اسلام! جس طرح بعض شیطان آدمی حضرت سلیمانؑ اور ماروت اور فرشتوں کا نام لے کر کئی قسم کے جھوٹے پاکھنڈ چلا رہے ہیں اور روپیہ پیسہ اکٹھا کر رہے ہیں، اسی طرح مسلمانوں میں بھی ہزاروں پاکھنڈی پیر اور فقیر ایسے ہیں جو قرآن، حدیث، حضرت علیؑ اور حضرت غوث اعظمؑ کا نام لے کر مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور روپیہ پیسہ جمع کرنے میں مشغول ہیں۔ کوئی سوار روپیہ لیتا ہے اور تعویذ دیتا ہے۔ کوئی فالنامے دیکھتا ہے اور نذرانے وصول کرتا ہے۔ کوئی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر پیش گوئیاں کرتا ہے۔ کوئی مٹی کی چٹکی پر دم کر کے مصیبت زدہ بیماریوں کو الٹو بنا رہا ہے۔ کوئی کیمیاگر بن کر اور پتیل کو سونا بنا دینے کا جھانسنہ دے کر لوگوں کو لوٹا رہا ہے اور اس معاملے میں قرآن، حضرت سلیمانؑ، حضرت علیؑ اور حضرت جعفرؑ کا نام صرف اس لئے لیا جاتا ہے تاکہ لوگ اعتقاد جمالیں۔ عزیزو! یہ سب فریب کاریاں ہیں، ان سے بچ جائیے، توحید کو قائم کیجئے۔ خدا کی ہدایتوں پر چلتے کامیابی کی یہی راہ ہے۔



جادو گروں پر تمام حجت

(۱۳۵)

پیغمبر اسلام کو تسلی

وَمَا يُعَلِّمِينَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

اور نہیں وہ سکھاتے تھے کسی کو بھی حتیٰ کہ وہ کہہ دیتے بے شک ہم امتحان ہیں

فَلَا تَكْفُرُوا (پس نہ کافر ہو)۔ یہ یہودی کے خرافات کی تردید ہو رہی ہے، وہ کہتے تھے:

”ماروت اور ماروت جو کچھ بھی کسی کو سکھاتے تھے تو یہ کہے بغیر نہ سکھاتے تھے کہ دیکھو ہمارا

وجود تو ایک فتنہ ہے، پھر تم کیوں کفر میں مبتلا ہوتے ہو؟ (یعنی جادوگری کی باتوں کا بڑا

ہونا ایک ایسی مافی ہوئی بات ہے کہ جو لوگ اس کے سکھانے والے تھے، وہ بھی تسلیم کرتے

تھے کہ یہ بات خدا پرستی کے خلاف ہے)۔ قرآن یہودی کی یہ بات پیش کر کے، یہ ظاہر کرتا ہے

کہ یہ یہود! جب تمہارے بیان کے مطابق ماروت اور ماروت جو اس جادوگری کے بانی

ہیں، خود ہی یہ کہہ دیتے تھے کہ جادو مت سیکھو اور کافر مت بنو۔ تو اب تم کیوں جادو

پر اعتقاد رکھتے اور کافر بنتے ہو اور پیغمبر اسلام پر ایمان نہیں لاتے؟

عزیزان اسلام! یہودی لوگ کتنے بے دماغ تھے کہ وہ نبیؐ کو نہیں مانتے تھے مگر ساحروں

کو مانتے تھے، قرآن پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے مگر جادو پر اعتقاد رکھتے تھے، صرف اسی جھانسنے

میں کہ بعض شیطانوں نے یہ بے اصل بات مشہور کر دی ہے کہ جادو کا علم حضرت سلیمانؑ یا

ماروت اور ماروت کے زمانے میں اتارا گیا ہے۔ اب بھی ہزاروں بے سمجھ اور بے دین لوگ اسی

چکر میں پڑ کر جادو کو سچا علم سمجھے ہوئے ہیں اور جب بھی کوئی شیطان ان سے کہتا ہے کہ پانچ

روپے لاؤ، ایک چاندی کا زیور لاؤ، وس قسم کے درختوں کے پتے لاؤ اور یہ ساری چیزیں

جمعرات کے دن سورج نکلنے سے پہلے جمع کر دو تو میں تمہیں ایک ایسا تعویذ دوں گا جس سے

تم جاتے ہی مقدمہ جیت جاؤ گے، امتحان میں پاس ہو جاؤ گے، بیوی مل جائے گی، لڑکا پیدا

ہوگا تو یہ جہلاء ان نسب باتوں کو مان لیتے ہیں اور زیور اور بکری اور مٹھائیاں لالاکرا اس کے

سامنے ڈھیر کر دیتے ہیں۔ یہ انتہا ہے کہ بعض مولوی بھی جاوہر کو حقیقت سمجھتے ہیں اور بعض نے قرآنی آیتوں کو تعویذ بنا کر ان سے نہ صرف بنفسہ اور گاؤں زبان کا بلکہ ہر مقصد براری کا اسی طرح کام لینا شروع کر دیا ہے، جس طرح پنڈت لوگ وید منتروں سے کام لیتے ہیں، اگر کوئی شخص کہے کہ قرآن تو ایک حکنامہ ہے جو عمل کے لئے آتا ہے تو یہ اس پر بے ادب ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، شاید آج تک اسلام کو اس سے بڑا نقصان کبھی نہیں پہنچا کہ اسلام کی قانونی کتاب کو علمائے سوئے نے اپنی شکم پری کے لئے تعویذوں، چالوں، فالوں اور ورد و لیلیوں کی کتاب بنا دیا ہے۔ آپ خود ہی غور فرمائیے کہ اگر عدالت یا پولیس والے تعزیرات ہند کو فالنامے کے طور پر استعمال کرنے لگیں تو حکومت انگریزی میں کیا طاقت باقی رہ سکتی ہے؟

اے عزیزان اسلام! آپ جاہل مسلمانوں کی حالت دیکھئے، یہاں ایک بیوقوف شیطان آتا ہے اور کہتا ہے، تمہارے گھر میں خزانہ ہے، میں پتہ دوں گا۔ کوئی شیطان یہ کہتا ہے میرے پاس جن قید ہے۔ کوئی شیطان کہتا ہے، مجھ کو جاسرات کا علم ہے۔ کوئی شیطان کہتا ہے، میں منتروں سے بیماری کا علاج کرتا ہوں۔ کوئی شیطان کہتا ہے، میں انگوٹھی کے ذریعے سے بزرگوں کی زیارتیں کرتا ہوں۔ کوئی شیطان کہتا ہے، میں بہشت سے کھانے منگوا سکتا ہوں مگر تمہارے بد قسمت جہلاء کی حالت یہ ہے کہ وہ ان مکار عالموں اور پیروں کی سب باتیں مان لیتے ہیں اور انہیں اپنے گھروں میں لے جاتے ہیں۔ پھر یہ مکار عامل، پیر اور جوگی ان کے سامنے بیٹھ کر شرابیں پیتے ہیں، خدا اور رسول کا مذاق اڑاتے ہیں، دھونیاں دیتے ہیں، پھونکیں مارتے ہیں اور ہزار طرح کے پاکھنڈ کرتے ہیں۔ اور گھر والے لوگ ان کپھنڈوں پر ایسے مست ہو جاتے ہیں کہ انہیں کچھ بھی نہیں سوچتا، وہ اپنے زیور ان کے حوالے کر دیتے ہیں، کھانے کھلاتے ہیں، پھول اور عطر لالا کر دیتے ہیں۔ آخر تھوڑی دیر بعد اس پاکھنڈ کا نتیجہ نکل آتا ہے۔ کوئی پیر زیور لے کر بھاگ جاتا ہے اور کوئی عامل یا مولوی عورت کے ساتھ پکڑا جاتا ہے۔ خدا رحم کرے۔

پیغمبر اسلام کو تسلی (۱۳۶) تخریبی ذہنیت کا کارنامہ جادوگری

فَ يَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهِ

پس وہ سیکھتے ہیں ان دونوں سے کہ وہ جدائی ڈالتے ہیں اُس سے درمیان مرد اور عورت کے

بَيْنَ مَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِ إِذْنِ

اسکی، اور نہیں وہ نقصان پہنچانے والے اُس سے کسی کو سوائے ساتھ حکم

اللَّهِ ط وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَوْ يَنْفَعُهُمْ ط

اللہ کے، اور وہ سیکھتے ہیں جو نقصان دے ان کو اور نہ نفع دے ان کو

اس آیت میں اُس قوم کی ذہنیت بیان کی گئی ہے جو جادو پر اعتقاد رکھتی ہو۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہود، عورت اور مرد سے صرف وہ باتیں سیکھتے تھے جن سے

وہ مرد اور عورت میں جدائی ڈال سکیں یا جس سے کسی کو نقصان ہو مگر نفع کوئی نہ ہو۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حکم خدا کے بغیر وہ کسی کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مطلب یہ

کہ قوموں میں جادو ٹونا سیکھنے یا کرنے کرانے کی نوبت اسی وقت آتی ہے جبکہ افراد قوم کی

ذہنیت تخریبی بن جائے، وہ مردانہ وار مقابلہ کر کے تو کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن

حسد اور جلن کے مارے جادو ڈونے اور تعویذ دھاگا کرنے کرانے پر اتر آتے ہیں۔ چونکہ ان کے

مذمتقابل بھی ویسے ہی جاہل اور وہم پرست ہوتے ہیں، اس واسطے جب وہ اپنے گھر میں

کہیں گوشت گرا ہوا اور کہیں تعویذ دے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ اسی وقت وہم میں مبتلا

ہو جاتے ہیں اور اسی اپنے وہم کی بدولت انہیں نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔ باقی رہے

عامل، تو جو شخص تعویذ یا جادو کرنا ہے، یہ اس سے بھی نذر نیازیں لیتے ہیں اور جو شخص

جادو کا توڑ کرانے آتا ہے، یہ اُسے بھی اور وہم میں مبتلا کر کے لوٹتے ہیں۔ قرآن نے اوپر

کی آیت میں یہ ظاہر کیا ہے کہ کوئی قوم صرف اسی درجہ میں پہنچ کر جادو سیکھتی ہے جبکہ

وہ نیکی اور بھلائی سے بالکل دور ہو جائے اور شرارت، نقصان اور ایک دوسرے کو خراب کرنے پر تمل جائے۔ قرآن یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اگر وہ قوم بھلائی چاہنے والی ہوتی تو خدا کے حکموں کی تعمیل کرتی۔ جب افرو قوم کی نیت میں حسد، جبن اور صرف دوسرے کو نقصان پہنچانا بس جائے تو وہ جادو ٹونوں پر اعتقاد رکھ لیتی ہے اور دوسرے بھائی کی اولاد، مال یا مرد و عورت کے باہمی اتفاق کو پہنچانے کے لئے جادو ٹونے کراتی ہے، جیسا کہ عام طور پر آج کل کی جاہل مسلمان عورتوں کا حال ہے۔ عزیزان اسلام! اب یہ دیکھیے کہ تخریب کو پسند کرنے والی قومیں آخر کہاں تک جا پہنچتی ہیں؟ باہمت اور باعزت قومیں ان لوگوں کو بڑا سمجھتی ہیں جن میں کوئی عقلی اور تعمیری کمال موجود ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص پانی پر چلنے والا سائیکل بنائے یا ہوائی جہاز ایجاد کرے تو وہ اسے باکمال سمجھیں گی لیکن لپٹ اور بے ہمت قومیں یا خود ہمارے بھائی ان لوگوں کو بزرگ اور باکمال سمجھتے ہیں جو بگڑنے اور بگاڑنے میں باکمال ہوں یا خود عقل ہی کو بالکل جواب دے دیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص گھریا چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھے تو ہم اسے فی الفور بزرگ بنا دیتے ہیں۔ اگر وہ عورتوں کا لباس پہن لے اور لمبے لمبے بال چھوڑ دے تو پھر اسے اور بھی زیادہ باکمال سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے کپڑے بھی اتار پھینکے اور بے حیائی کا نمونہ بن کر لوگوں کو گالیاں دیتا پھرے تو اسے عاشق و مجذوب کے درجے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کے گرو بے کار اور بد معاش لوگ جمع ہو جاتے ہیں، وہ بھنگ اور چرس پیتے ہیں، خلاف شرع باتیں کرتے ہیں مگر ہزار ہا مسلمان مرد اور عورتیں مرادوں کے لئے انہی کے پاس پہنچتے ہیں، ان سے تعویذ لیتے ہیں، دم کراتے ہیں اور انہیں نذرانے دیتے ہیں۔ وہی یہودیوں والی بات کہ ہم ذلت اور تخریب میں بزرگی نظر آتی ہے اور ہم بے عقلی اور بے دینی کی انتہا کو کمال بشریت قرار دیتے ہیں۔ یہ زندگی نہیں، موت ہے۔ آیت کہتی ہے، جادو ہمیشہ نقصان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ قرآن کی سچائی کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

## آخرت کی موت جادو

(۱۳۷)

پیغمبر اسلام کو تسلی

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَىٰ ۙ مَا لَ ۙ فِي الْآخِرَةِ

اور بے شک انہوں نے جانا البتہ جس نے خریدا آسکو، نہیں واسطے اسکے آخرت میں  
مِنْ خَلْقٍ قَلِيلٍ ۙ لِيَشْرَوْا بِهَا ۙ أَنْفُسَهُمْ  
کوئی حصہ، اور ضرور بری ہے وہ چیز انہوں نے بیچا بدلے جسکے نفسوں کو اپنے

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (اگر وہ جانتے)۔ آیت کا سادہ مطلب یہ ہے۔ پیروان جادو نے یہ  
خوب جان لیا ہے کہ جو شخص خریدار ہوتا ہے۔ جادو کا، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں  
ہوگا، پھر کیسی بری قیمت ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا ہے۔ کاش  
انہیں یہ بات معلوم ہوتی!

عزیزان اسلام! یہ آیت تمام پہلی آیتوں کا خلاصہ ہے۔ اس میں دینداری اور جادو  
داری کے نتائج بیان کئے گئے۔ جادو اور دین میں وہی تعلق ہے جو آگ اور پانی میں ہے  
دین اس لئے ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچے اور جادو اس لئے ہوتا ہے تاکہ دوسروں کو  
نقصان پہنچایا جائے۔ دین وہ حقیقت ہے جس کو خدا نے نازل کیا اور جادو ایک بے  
اصل توہم پرستی کا نام ہے جو شیطان آدمی از خود پیدا کرتے ہیں، دیندار سیدھے راستے  
پر چل کر حلال کمائی کرتے ہیں اور جادو گر صرف مکر و فریب اور دھوکے سے روپیہ کماتے ہیں دین  
کا پیغام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دنیا میں اولاد، دولت، امتحان میں کامیابی، بیوی، نیک  
نصیبی اور صحت ایسی چیزیں کو حاصل کرنا چاہے تو اسے خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ذریعوں  
سے کام لینا چاہئے۔ مگر جادوگری کا منشاء یہ ہے کہ یہ تمام قدرتی ذریعے چھوڑ دیتے جائیں  
اور بالکل من گھڑت وہی باتوں پر بھروسہ کر کے اولاد اور دولت وغیرہ کو طلب کیا  
جائے۔ دین قدرتی ذریعوں سے کام لینے کا حکم دیتا ہے اور جادو ٹونے اور تعویذ دھانگے

غیر یہ کہتے ہیں کہ تمام قدرتی ذریعے چھوڑ دیئے جائیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ قوم جو جادو پر اعتماد رکھے گی، دنیا کو بھی اپنے ہاتھ سے کھودے گی اور آخرت کو بھی اپنے ہاتھ سے کھودے گی، آج کی آیت میں اسی حقیقت کو پیش کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مکار اور فریب کار جادوگروں کو خود اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کے اس عمل کا نتیجہ آخرت کی محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

عزیزان اسلام! آپ دین اور جادو کی بنیادوں کو سمجھ لیں۔ دین ایک اصل اور حقیقت ہے جس کو خدا نے نازل کیا اور جس کی بنیاد قانونِ فطرت پر ہے اور اسی لحاظ سے اس کے پیش کرنے والے کو نبی کہتے ہیں۔ جادو، دین کا بالکل الٹ ہے، جادو، ایک بے اصل توہم پرستی ہے جس میں تمام ایسی باتوں پر بھروسہ کیا جاتا ہے جو بالکل خلاف فطرت ہیں اور جن سے خدا کا قانون اور نبی کی تعلیم دونوں رد ہو جاتے ہیں، اس بے اصل توہم پرستی کے پیش کرنے والے کو جادوگر کہتے ہیں۔ نبی حقیقت کے نام پر جماعت بناتا ہے مگر جادوگر صرف توہم پرستی کے نام پر۔ دین اصل ہے اور جادو صرف مکر اور دھوکے کا نام ہے جس میں جاہل لوگوں کو بے وقوف بنا کر روپیہ جمع کیا جاتا ہے۔ اس لئے اوپر کی آیت میں یہ کہا گیا ہے۔ **وَلِبَئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ**۔ یہ جادو کی کمائی کتنی بُری ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا ہے۔ جانوں کے بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے فریب کاری کے چند ٹکوں کے بدلے اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے۔ **وَلَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ** کا مطلب یہ ہے کہ کاش وہ علم حاصل کریں اور اس دھوکے سے نکلیں یعنی جادو کی گمراہی کا علاج تعلیم ہے۔ جب یہود کو تختِ خلافت سے محروم کیا گیا تو ان کا دین صرف توہم پرستی بن چکا تھا، آج کل ہمارا حال بھی یہی ہے۔ ہم محنت، کوشش اور جہاد پر جھڑپ کرنے کی بجائے صرف وظیفوں یا دعاؤں سے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ صحابہ کرام کو بھی جنگ، قتل، قربانی اور جہاد کے بغیر صرف وظیفوں یا دعاؤں سے کامیابی نہیں ملی، مسلمانوں

کو یہ راز صرف علم ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

پیغمبر اسلام کو تسلی (۱۳۸) کیا کرنا چاہئے؟  
۱۰۳۔ وَ لَوْ أَشْهَدُ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَ اَمْسُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور اگر وہ سب ایمان لاتے اور پرہیزگار بننے ضرور ثواب ملتا خدا کے ہاں سے  
خَيْرٌ (بہتر) کو کالوا (کاش رکھتے) لِيَعْلَمُوْنَ (وہ علم)۔ آیت کا سادہ ترجمہ  
یہ ہے۔ اگر یہ لوگ (جادو کی بجائے) ایمان لاتے اور پرہیزگار بن کر نیک کام کرتے تو انہیں خدا  
سے بہتر اجر ملتا۔ کاش وہ سمجھیں، یہ کتنا برا ہے کہ وہ دھوکے کے ساتھ دنیا کما رہے ہیں  
اور آخرت سے بالکل بے نصیب ہو گئے ہیں۔

عزیزان اسلام! یہاں ایک دفعہ پھر دین اور جادو کے معنی اچھی طرح سمجھ لیں جب  
یہ کہا جائے کہ قدرتی ذریعوں سے کام لے کر اپنا مطلب حاصل کرو تو یہ دین ہے۔ جب  
یہ کہا جائے کہ قدرتی ذریعوں کو چھوڑ دو اور وہم پرستی کے سن گھڑت طریقوں سے کام لیکر  
مطلب حاصل کرو تو یہ جادو ہے؛ مثلاً ایک شخص کہتا ہے، دولت چاہئے تو بحکم خدا و  
رسول محنت کرو، یہ دین ہے۔ دوسرا شخص یہ کہتا ہے، اگر دولت چاہتے ہو تو جہدات  
کے دن، ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر یہ منتر یا وظیفہ پڑھتے رہا کرو، یہ جادو اور محض ڈھکوسلہ  
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی غیر فطری اور غیر خدائی ذریعہ ہو، اس سے کامیابی چاہنا  
جادو ہے۔ ایک شخص منتر پڑھ کر اولاد حاصل کرنے کے درپے ہے، دوسرا شخص عربی پڑھ  
کر یا عربی تعویذ لکھ کر اولاد حاصل کرنے کے درپے ہے۔ چونکہ دونوں شخص غیر قدرتی اور  
غیر خدائی ذریعوں سے کام لے کر طالب اولاد ہوئے ہیں، اس لئے دونوں دین سے خالی  
ہیں اور جادو کے دائرے میں شامل ہیں۔

عزیزان اسلام! پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ پیروان جادو کیا کر رہے ہیں؟ آج یہ بتایا گیا  
ہے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے؟ جادو ٹونے والے لوگ گپ ہانگ دیتے ہیں۔ کسی کی طبیعت میں

وہم ڈال دیتے ہیں، کسی بیوقوف کو کوئی جھانسدوسے دیتے ہیں اور اپنی دکان چلا لیتے ہیں۔ ایک شخص تعویذ لکھ دیتا ہے کہ اولاد مل جائے گی۔ دوسرا شخص بتیاں بتا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر ایک بتی جلاتے رہو؛ شادی ہو جائے گی۔ تیسرا آدمی کوئی وظیفہ بتا دیتا ہے کہ اسے چالیس دن تک پڑھتے رہو پھر تمہارے مصیبت کے نیچے سے پانچ روپے نکل آئیں گے۔ پانچواں آدمی تعویذ بتا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم ترکوں سے جنگ کرو، تم پر کوئی گولی اثر نہیں کیگی۔ کوئی کہتا ہے کہ عدالت میں جاتے ہی یہ وظیفہ پڑھ کر چار پھونکیں مارو، مقدمہ جیت جاؤ گے۔ اب دیکھئے کہ ایسی تعلیمات کا نتیجہ کیا ہے؟ مسلمان سائل عدالت میں جا کر پھونکیں مارتے رہتے ہیں اور ساہوکار وکیل پیش کر کے ڈگری کرا لیتے ہیں۔ مسلمان طالب علم رات کو وظیفے پڑھ پڑھ کر فیل ہو جاتے ہیں اور غیر مسلم امیدوار محنت کر کے باڈی لے جاتے ہیں یہ بڑی ہی سیدھی بات ہے کہ اگر جا دو ٹونے یا ورد وظیفے یا تعویذ دھاگے میں دولت صحت اور کامیابی ہوتی تو ہم مسلمان جوان چیزوں کے دھنی بنے پھرتے ہیں، آج دنیا میں سب سے زیادہ غریب اور غلام نہ ہوتے۔ حکم قرآن یہ ہے کہ آپ یہ سب باتیں چھوڑ دیں۔ آپ پوچھیں گے، کیا کریں؟ اٰمَنُوْا اور اٰتَّقُوْا اِیْمَانَ لِلّٰہِ اور پرہیزگار بنو اور قدرتی ذریعوں اور خدائی خزانوں کا علم حاصل کر کے اپنے لئے کامیابی کی راہ نکالو۔ پیغمبر اسلام اور صحابہ نے بھی یہی کیا تھا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نبی یا صحابی نے تعویذ لکھ کر جنگ فتح کر لی ہو۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ ٹونوں اور تعویذ دھاگوں کے پیچھے چلنے والوں کے لئے نہ دنیا ہے اور نہ آخرت۔ چونکہ یہودیوں کی حالت اب ایسی ہی تھی اس لئے پیغمبر اسلام کو تسلی دی گئی کہ آپ ایسی ناکارہ قوم سے کچھ توقع نہ رکھیں۔ یہ لوگ عنقریب برباد ہو جائیں گے۔ پیغمبر اسلام کی تسلی کے لئے جو آیتیں تھیں، آج وہ ختم ہو گئیں۔ کل سے وہ آیتیں شروع ہوئی جن میں مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ وہ تخت خلافت حاصل کرنے کیلئے تیار ہوں



مسلمانوں کو تیاری کا حکم (۱۳۹) اطاعت رسول کا جھنڈا اٹھاؤ  
۱۰۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَ  
اے ایمان والو تم مت کہو احمق اور کہو نظر کرو ہمارے اور

سَمِعُوا (سنو) وَلَذِكْرِ الَّذِينَ يَدْعُونَكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا (عَذَابُ الْيَوْمِ) وَكَذَلِكَ نُنزِّلُ  
آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے۔ اے ایمان والو! جب بھی اپنے نبی پاک کو بلاؤ تو یہودیوں  
کی طرح رَاعِنَا کا لفظ استعمال نہ کرو بلکہ انظُرْنَا کا لفظ استعمال کرو اور پیغمبر اسلام جو کچھ  
بھی فرمائیں، اسے دل لگا کر سنو اور اطاعت کرو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ اب انکار کرنے والوں  
کو دردناک سزا ملنے والی ہے۔ یہاں رَاعِنَا اور انظُرْنَا کی کہانی بھی سن لیں۔ یہودی  
لوگ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے اور انہیں کسی بات میں رسول  
خدا کو اپنی طرف توجہ کرنا ہوتا تھا تو وہ کہتے تھے، رَاعِنَا۔ رَاعِنَا کے معنی دوہیں، ایک  
معنی یہ ہیں کہ ہماری طرف توجہ کیجئے اور دوسرے معنی ہیں، اے احمق اور بیوقوف۔ چونکہ  
مسلمانوں کو یہودیوں کی شرارت اور منافقت معلوم نہ تھی، اس واسطے وہ بھی دیکھا دیکھی  
رَاعِنَا کا لفظ استعمال کرنے لگے۔ تب یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم یہودیوں  
کی طرح شبہ وار لفظ استعمال نہ کرو بلکہ صاف اور بے لاگ لفظ بولا کرو۔ تم رَاعِنَا مت کہو،  
انظُرْنَا کہا کرو، جس کے معنی ہیں، ہماری طرف توجہ فرمائیے۔

عزیزان اسلام! یہ ۱۰۴ ویں آیت ہے جس سے مسلمانوں سے خطاب شروع ہوا  
ہے اور سب سے پہلی بات یہ کہی گئی ہے، لَا تَقُولُوا رَاعِنَا، اے مسلمانو! تم بات کرنے میں بھی  
یہودیوں کی پیروی نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ عملوں میں۔ دوسری ہدایت یہ کی گئی ہے، وَقُولُوا  
انظُرْنَا۔ اے مسلمانو! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق زبان کا ادب سیکھو۔ تیسری  
ہدایت یہ ہے، وَاسْمَعُوا، اے مسلمانو! جو کچھ نبی خدا فرماتے ہیں، اسے کان کھول کر سنو اور

اس پر قائم ہو جاؤ۔ ان تینوں ہدایتوں کے بعد یہ اعلان کیا گیا، وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔  
وقت آ گیا ہے جبکہ تم دیکھ لو گے کہ جماعت کفار پر عذاب کا کڑا برسیدگا اور وہ تباہ و برباد کر دیئے جائیں گے  
عزیزان اسلام! یہ آیت اہل ایمان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ کافروں کے طریقے کو چھوڑ  
دیں، رسول اللہ کی ہدایتوں کو سنیں اور سمجھیں اور اسلام کے اصولوں پر کھڑے ہو کر پھر کفر و باطل  
کی گردن کو جھکا دیں۔ قرآن کا یہ بلاوا مکہ اور مدینہ کے مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے،  
یہ بلاوا آج آپ کے لئے بھی ہے۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ جس طرح عرب کے منکرین حق پر عذاب  
کی بجلیاں گرائی گئیں، اب آج کے منکرین پر بھی یہ بجلیاں اسی طرح گرائی جائیں، جس طرح  
صحابہ کرام نے کفر کے جھنڈے جھکائے، اسی طرح آپ بھی جھکائیں، جس طرح رسول اللہ کے  
ساتھیوں نے یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے خارج کیا، اسی طرح آپ ایک دفعہ پھر  
انہیں عرب و عجم سے خارج کریں۔ ہر مسلمان کو سمجھنا چاہئے کہ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ کی  
پیشگوئی ہر دور اور ہر زمانہ کے کافروں پر عائد ہوتی ہے۔ وہ کفار جو حضرت موسیٰ ؑ کے زمانے میں  
پیدا ہوئے، قارم کی موجوں میں ڈبو کر دیئے گئے تھے، وہ کفار جو حضرت ابراہیم ؑ اور لوط ؑ کے زمانہ  
میں پیدا ہوئے، زمین کے اندر دھسا دیئے گئے تھے، وہ کفار جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ  
وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے، بدر، احد اور خیبر کی جنگوں میں ہلاک کر دیئے گئے۔ منکرین  
حق کی قسمت یہی ہے کہ ان کی قوتوں کو توڑ دیا جائے، ان کے جھنڈوں کو جھکا دیا جائے  
ان کے لشکروں کو بکھیر دیا جائے، وہ جھک جائیں، ڈوب جائیں، غرق ہو جائیں تاکہ اسلام  
سر بلند ہو، تاکہ رسول اللہ کا ستارہ چمکے، تاکہ فرش زمین پر خلافت الہی کا تاج بچھا دیا جائے  
اور قرآن کی حکومت قائم ہو۔ یہ وہ آواز ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے بلند ہوئی اور  
دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ آواز سچی اور ناقابل انکار پکار تھی۔ آج پھر اسی آواز کو بلند کرو اور رسول  
اللہ کی اطاعت کے قدموں پر کھڑے ہو کر کفر کے مقابلہ کیلئے نکلو اور اسلام کی عزت پر قربان ہو جاؤ

مسلمانوں کو تپاسی کا حکم (۱۲۰) کفار کا مسلمانوں سے عیناً

۱۰۵۔ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ

نہیں دوست رکھتے کافر اہل کتاب میں سے اور نہ مشرکوں سے

أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ

کہ نازل ہو تم پر کوئی بھلائی تمہارے رب سے، اور اللہ خاص کر لیتا ہے

بِ رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

ساتھ رحمت اپنی کے جسکو وہ چاہتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے

کفار، مشرک اور اہل کتاب نہیں چاہتے کہ تم مسلمانوں پر خدا کی طرف کوئی بھلائی آئے۔

لیکن خدا کی خواہشوں کا پابند نہیں وہ جسکو چاہتا ہے اپنی رحمت کیلئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے

فضل والا ہے۔ عزیزان اسلام! اس آیت میں مسلمانوں کو کافروں، مشرکوں اور یہود و نصاریٰ

کی نیتوں سے آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور خدا کیا چاہتا ہے؟ آیت یہ بتاتی ہے

کہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں پر خدا کی کوئی ہدایت اور رحمت نازل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ

جو انکی خواہشوں کا پابند نہیں ہے، وہ چاہتا ہے کہ اہل ایمان کو اپنی رحمتوں کیلئے خاص کر دے

عزیزان اسلام! زمانہ رسالت کے کفار اور یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی کا جو حال

تھا، آج ہمارے زمانے کے کفار اور مشرکین کا بھی وہی حال ہے، وہ بھی اسلام کے دشمن تھے

یہ بھی اسلام کے دشمن ہیں۔ وہ بھی مسلمانوں کی بھلائی سے جلتے تھے، یہ بھی جلتے ہیں۔ وہ بھی

مسلمانوں کو بہکا کر اسلام کی ترقی کو روکنا چاہتے تھے، یہ بھی مسلمانوں کو دھوکا دے کر اسلام کی

طاقت کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں مسلمان کیا کریں؟ قرآن یہ کہتا ہے

کہ مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پیروی کریں یعنی جس طرح زمانہ نبوی کے

مسلمانوں نے کفار پر بھروسہ نہیں کیا، جس طرح صحابہ کرام کفار کے وعدوں پر نہیں دیکھے جس

طرح انصار اور مہاجرین کفار کے مقابلے میں شدید تھے، اسی طرح آپ بھی کفار اور مشرکین کے فریب کی شکار نہ ہوں، ان کے اعلانوں پر بھروسہ نہ کریں، ان کے ریزولوشنوں پر مست نہ ہوں اور ان کے کسی وعدہ اور تقریر سے متاثر ہو کر اپنی حفاظت اور ترقی سے بے خبر نہ بن جائیں اس لئے خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جب تک کوئی کافر، کافر ہے۔ جب تک کوئی مشرک، مشرک ہے، وہ ضرور اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریگا۔ وہ مسلمان بڑا ہی احمق ہے جو اس کلام خدا کے بعد بھی یہ سمجھے کہ فلاں کافر یا مشرک مسلمانوں کا خیر خواہ ہے یا ہو سکتا ہے۔

عزیزان اسلام! آج کفار حامی اسلام بن کر اسلام کو کمزور کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے ان کی حکومت نے اپنے آپ کو حامی اسلام ظاہر کیا تھا مگر اب اس نے فلسطین کے عربوں کو برباد کر کے حمایت اسلام کا پردہ فاش کر دیا ہے، پھر فرانس نے حامی اسلام ہونے کا دعویٰ کیا اور الجزائر کے ملک میں قرآنی مدارس تک بند کر دیئے، اہل عربی میں اٹلی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں اسلام کا حامی ہوں اور البانہ کی اسلامی سلطنت کو ملیا میرٹ کر ڈالا۔ عزیزان اسلام! کفار مکہ اور یہود مدینہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر قرآن نازل نہ ہو مگر اب کفار یورپ اور مشرکین ہند یہ چاہتے ہیں کہ اس آرزو ہوئے قرآن کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیا جائے۔ آپ کفار کو لاکھ فوجی بھرتی دیں، ان کی وفاداریوں کا لاکھ مرتبہ اعلان کریں، آپ ان کی انجمنوں کے ممبر بنیں، آپ ان پر اظہار اعتماد کی قراردادیں منظور کرائیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ اسلام کی خیر خواہی کا دم بھریں، وہ ہمیشہ آپ کو غلط راستے دکھائیں گے، نقصان پہنچائیں گے، دھوکا دیں گے، آپ کے مذہب پر حملہ کریں گے، آپ کو ملازمتوں سے نکالیں گے، آپ کی زبان اور تہذیب کی مٹائیں گے اور اسلامی سلطنتوں کو کمزور کریں گے لیکن خواہ وہ کچھ بھی کریں، وہ خدا کی رحمت کا دروازہ کبھی نہیں بند کر سکتے۔ اگر آپ لوگ حکم خدا پر قائم ہو جائیں تو خدا تعالیٰ اسلام کو ضرور فروغ دیگا۔ مسلمانوں کو کبھی خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ خدا کی ہدایتوں پر عمل کرے اور مقابلہ کفار کے لئے میدان میں نکل آئے۔

پیغام انقلاب

(۱۲۱)

مسلمانوں کو تیاری کا حکم

۱۰۶۔ مَا نَسَخَ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا فَأْتِ بَخِيرٍ

جو موقوف کرتے ہیں ہم کسی آیت کو یا بھول جانے دیتے ہیں اسکو ہم لاتے ہیں بہتر

مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اس سے یا مثل اسکی، کیا نہیں تو جانتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

آیت کا سادہ مطلب یہ ہے، جب ہم کوئی آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا بھول جانے

دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا کم سے کم اسکی کے برابر دوسری آیت لے آتے ہیں۔ کیا تم کو معلوم

نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر وہ ایک مرتبہ انسان کی ہدایت کے لئے کوئی حکم

بیجھ سکتا ہے تو وہ اس کے بعد بھی بار بار ایسا کر سکتا ہے۔

عزیزان اسلام! سادہ سادہ بات یہ ہے کہ پہلے کلام الہی میں ایک حکم ہوتا ہے اور

پھر اس کی جگہ دوسرا حکم آجاتا ہے۔ یہودی لوگ اس پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کیا

خدا نے پہلا حکم بھول کر بھیج دیا تھا کہ اب اسے بدل کر دوسرا بھیج دیا۔ یہودی لوگ حکموں کے

اس اول بدل سے یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ اسلام خدائی دین نہیں ہے، اوپر کی آیت میں اس کا

جواب مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں یہ ہے: "ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا

ظہور اس لئے ہوا کہ یا تو "نسخ" کی حالت طاری ہوگئی یا "نسیان" کی۔ نسخ" یہ ہے کہ ایک

(حکم، بات پہلے سے موجود تھی، وہ موقوف ہوگئی اور اس کی جگہ دوسری آگئی۔ "نسیان" کے

معنی بھول جانے کے ہیں۔ پس بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ پھپھی شریعت کسی نہ کسی شکل

میں موجود تھی لیکن وقت اور حالات بدل گئے تھے یا اس کے ماننے والوں کی عملی روح فنا ہو

گئی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور میں آئے۔ بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ لمبی

مدت گزر جانے سے پھپھی تعلیم بالکل دماغوں سے اتر گئی اور اصلیت میں سے کچھ باقی نہ رہا۔

اس لئے اس ہدایت کو دوبارہ زندہ کر کے قائم کرنا پڑا۔ (بہر حال) خدا کا قانون یہ ہے کہ ایک شریعت منسوخ ہو کر دوسری شریعت آئے یا ایک شریعت کے بھول جانے سے دوسری شریعت آئے، دونوں صورتوں میں ہر نئی تعلیم، پچھلی تعلیم سے بہتر ہوتی ہے یا کم از کم اس کے مانند ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کتر ہو۔ کیونکہ نئی شریعت یا نئے احکام کے لائے جانے کا اصل مقصد تکمیل اور ارتقاء ہے، نہ کہ تنزل اور تسفل۔“

عزیزان اسلام! ۱۰۴ ویں آیت یہ تھی، اسے ایمان والو! رسول خدا کی اطاعت پر قائم ہو کر مقابلہ کفر کے لئے تیار ہو جاؤ، کافروں پر دردناک تباہی آنے والی ہے۔ ۱۰۵ ویں آیت یہ تھی کہ کفار و مشرکین نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کی سر بلندی ہو، مگر اللہ تعالیٰ ضرور اپنی رحمت سے تمہیں اونچا کرے گا۔ اب یہاں سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کو یہ اونچائی کس طرح حاصل ہوگی؟ آج کی ۱۰۶ ویں آیت اس سوال کا جواب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، تم خدا کی آیتوں کا اور قدرت کے نشانوں کا بدلنا دیکھ لو۔ رات کے بعد دن آتا ہے، گرمی کے بعد سردی آتی ہے، نیند کے بعد بیداری آتی ہے۔ ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت آتی ہے اسی طرح اب یہود کے بعد مسلمان، تاج خلافت کے مالک ہونگے۔ اس کے علاوہ تم دیکھو کہ خدا کی بعض آیتیں اور نئے نشان تازہ ہو جاتے ہیں۔ پرانی تاریخیں، رسمیں اور قومیں بھول جاتی ہیں اور نئی رسمیں ان کی جگہ لے لیتی ہیں، اسی طرح اب اس دنیا کی مزہ اور بوسیدہ قومیں بھی بھول جائیں گی اور ایک نئی قوم میدان میں آئے گی۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

عزیزان اسلام! آج کی آیت آپ کیلئے انقلاب کا پیغام ہے۔ جب یہودی اور عیسائی مردوں کی طرح سو گئے تو خدا نے انہیں بھلا دیا اور ان کی حکومت اور طاقت کو بھی صفحہ عالم سے منسوخ کر ڈالا۔ پھر جب تم مسلمانوں نے اسلام کی زندگی سے منہ موڑ کر مزہ قوموں کے عملوں کی پیروی شروع کر دی تو برطانیہ اور یورپ کے کفار اسلام کے ملکوں پر چھا گئے اور مسلمانوں کی طاقت ایک منسوخ شدہ

آیت بن کر رہ گئی۔ اب اطاعت کرو گے تو وہ مردہ اور تم پھر زندہ ہو جاؤ گے۔

صرف خدا پر بھروسہ

(۱۲۲)

مسلمانوں کو نیاری کا حکم

۱۰۴۔ اَلَا تَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ لَ وَ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا تو نہیں جانتا بے شک اللہ واسطے بادشاہی ہے) آسمانوں اور زمین کی  
وَمَا دَارُ الْاٰرِبِیْنَ (لکھڑ واسطے تہارے) مِّنْ قَوْلِیْ (کوئی حامی) وَ لَدَیْهِ رُؤْسُ  
کوئی مددگار)۔ آیت کا سادہ مطلب یہ ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی کے لئے زمین  
کی سلطانی ہے اور نہیں کوئی جو اس کے سوا تہارا حامی اور مددگار ہو۔

عزیزان اسلام! پچھلی آیت میں کہا گیا ہے کہ مسلمانو! خدا کے قانون نسخ و نسیان

سے سبق لو جس کے زیر اثر خدا کے احکام، آیات اور شریعتیں بھی بدلتی رہتی ہیں اور موسم  
فصلیں، قومیں اور تاریخیں بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں، ایک تاریخ محو ہو جاتی ہے اور دوسری  
پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک قوم یا رسم بھلا دی جاتی ہے تو دوسری اس کی جگہ لے لیتی ہے

قرآن نے اس قانون کا مقصد نَاطِیْ بِخَیْرِ مِّمَّنْهَا اَوْ مِثْلَهَا بتایا ہے۔ بَخَیْرٍ كَا مَطْلَبِ

یہ ہے کہ ایک حکم یا قوم اچھی تھی، اس کی جگہ زیادہ اچھی آگئی۔ مِثْلَهَا كَا مَطْلَبِ یہ ہے

کہ ایک اچھی قوم یا حکم کسی بھول کے باعث بُری حالت میں بدل گئے تھے، انہیں پھر

ویسا ہی اچھا کر دیا گیا۔ مطلب یہ کہ اس حکم سے سبق سیکھ کر ایک نئے انقلاب کی

بنیاد رکھو، اس طرح کہ یہود و نصاریٰ کی طاقتیں منسوخ ہو جائیں اور دنیا ان کی یاد کو

بھول جائے۔

عزیزان اسلام! اب، اوں آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ یہودیوں کی شرارتوں سے

بچے رہو، جو حکم پیغمبر اسلام سے رہے ہیں، وہ صحیح ہیں۔ اگر ان حکموں پر چلو گے تو خلافت

تہا رہی ہے۔ تم اپنی کمزوریوں کو نہ دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ زمین و آسمان کی اصل سلطانی

صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، جب خدا تم کو اپنی نیابت کا تاج پہنانا چاہتا ہے

تو پھر دوسرا کون ہے جو تمہارا راستہ روک سکے؟ تم کفار اور مشرکین کی شرارتوں اور قہر افسوں کا کچھ فکر نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا دوست اور مددگار نہیں ہے۔

عزیزان اسلام! اللہ تعالیٰ نے آج کی آیت میں جو پیغام صحابہ کرام کو سمجھایا آپ بھی خدا کے لئے اُسے سمجھئے۔ آپ اپنی کمزوری اور غریبی سے غلط ڈرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کی حکومت اور طاقت سے بھی غلط ڈرتے ہیں، إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حکومت تو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اس کے حکموں پر چلو گے تو وہ تم کو اپنی نیابت کا تاج پہنائے گا اور تم پہنو گے۔ اور کوئی طاقت نہیں جو تمہارے راستے میں حائل ہو سکے۔

مسلمانو! مَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ قَوِيٍّ وَلَا لَصِيْبٍ کے زمان خداوندی پر ایمان لاؤ اور خدا کے سوا کسی غیر طاقت کی امداد اور دوستی پر بھروسہ نہ رکھو۔ کمزوری کی اصل جڑ یہ ہے کہ آپ دوسروں پر بھروسہ رکھتے ہیں حالانکہ خود کفار کی حالت بھی اس کے خلاف ہے۔ وہ کفار ہونے کے باوجود مسلمانوں پر نہیں بلکہ صرف اپنی طاقت پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جو وصف کفار میں موجود ہے وہ مسلمانوں میں نہ ہو۔ اے عزیزو! کفار و مشرکین کے خوف و طمع کو اپنے دل سے اٹھا دو اور خدا کے حکموں پر چل کر جماعتی طاقت پیدا کرو۔ عزت، کامیابی اور خلافت مسلمانوں کے لئے ہے۔

عزیزان اسلام! حصول خلافت کی راہ یہ ہے کہ تم خدا کے قانون نسخ و نسیان کی روشنی میں کام کرو۔ جب تمہارے مردہ عمل زندہ عملوں سے بدل جائیں گے تو تمہاری غلامی بھی بادشاہی سے بدل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جرمنی جنگ نے ثابت کر دیا ہے کہ یورپین تہذیب اور سائنس کی امامت اب ختم ہونے والی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو نئی زندگی کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ تم ایک طرف دیندار بنو اور اپنے اندر خوف خدا اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا کرو۔ دوسری طرف علم پڑھو، تجارت کرو، قربانی دو اور متحد ہو جاؤ۔ پھر تم ضرور کامیاب



مسلمانوں کا تیاری کا حکم (۱۴۳۳ھ) اظہارِ عقیدت یا جھگڑا

۱۰۸۔ اَمْ تَرِيدُونَ اَنْ تَسْأَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا تَسْأَلُ الْمَوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْاَكْفَرَ يَلْحَقْ بِاٰلِهٖٓمْ اِيْمَانِ فَتَقَدْ ضَلَّتْ (وہ ضرور جھٹک گیا) سَوَاعِدُ السَّبِيْلِ (سیدھی راہ)۔ مطلب یہ ہے کہ اسے مسلمانوں! اب جب کہ تمہاری جماعت طاقت پانے والی ہے، تم یہودیوں کی باتیں سن کر اپنے رسول سے بھی ایسے ہی سوالات نہ کرو جیسے سوالات کہ حضرت موسیٰ ؑ سے پوچھے جاتے تھے، جو کوئی بھی ایمان کی نعمت پا کر کفر کی روش اختیار کرے، وہ سیدھے راستے سے جھٹک گیا ہے اور اس واسطے وہ کبھی منزل مقصود پر نہیں پہنچے گا۔

عزیزان اسلام! قرآن پاک نے آپ کے سامنے ایک منزل مقصود پیش کی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت سے پہلے اور موت کے بعد عزت اور بلندی کا جو درجہ مقرر فرمایا ہے، وہ آپ کو حاصل ہونا چاہئے۔ سوال یہ تھا کہ یہ درجہ کس طرح حاصل ہو؟ اوپر کی آیت جواب دیتی ہے کہ تم بنی اسرائیل کے طریقے پر نہ چلو، انہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی حکم دیتے تھے تو وہ نکتہ چینی شروع کر دیتے تھے، کٹ جھتی کرتے تھے، اعتراضات کی جھڑی باندھ دیتے تھے اور فضول منطقی بحثیں شروع کر کے اصل معاملے کو خراب کر دیتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر رسول خدا کے احکام کے ساتھ یہی سلوک کرے گا تو وہ سمجھ لے کہ اس نے ایمان کے بدلے کفر کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور وہ کبھی منزل پر نہیں پہنچے گا۔

عزیزان اسلام! آج ہمارے زمانے کے مسلمانوں نے اس آیت کو بالکل بھلا دیا ہے

ہمیں قرآن نے بتایا تھا کہ جو شخص حکم سن کر اطاعت کی بجائے اعتراض کرتا ہے، وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے ایمان بیچ دیا اور کفر خرید لیا۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم خدا پر بھی اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے۔ کوئی حکم کیسا بھی صاف ہو، کوئی تحریک کتنی بھی سیدھی اور سچی ہو، ہم اس پر دس ہزار اعتراض کر دیتے ہیں مگر عمل ایک پر بھی نہیں کرتے۔ آج مسلمانوں کے مدرسے، مسجدیں، جلسے، اخبار، کانفرنسیں، بازار اور گھر، جھگڑوں اور نکتہ چینیوں سے لبریز ہو گئے ہیں، شاید اس قدر جھگڑے اور اختلافات یہودوں میں بھی نہ ہوں۔ مسلمانوں کا بڑا وصف یہ تھا کہ وہ ایک نظام کے پابند تھے۔ اب کفار اور مشرکین تو پابند نظام ہیں اور ہمارے پاس بحث اور جھگڑے کے سوا اور کوئی وصف باقی نہیں رہا۔ اے عزیزان اسلام! اگر آپ کو منزل پر پہنچنا ہے تو خدا کے لئے بحث، جھگڑے اور نکتہ چینی کی عادت چھوڑ دو اور غیر مشروط طور پر حکم خدا کے پابند بن جاؤ۔ جتنا وقت آپ جھگڑوں میں خراب کرتے ہیں، اگر اس وقت کا سوواں حصہ بھی آپ نیکی اور خدمت کے کاموں میں خرچ کرتے تو آج تک آپ کی بد نصیبی ختم ہو چکی ہوتی۔

عزیزان اسلام! مسلمانوں میں حد سے زیادہ نکتہ چینیاں بڑھ گئی ہیں۔ نماز میں رفع یدین اور آمین کا جھگڑا ہے۔ جماعت میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنے اور نہ پڑھنے کا جھگڑا ہے، جمعہ میں احتیاطی کا جھگڑا ہے۔ رمضان میں تراویح کے آٹھ اور بیس ہونے کا جھگڑا ہے۔ غرض یہ کہ ہم نے تمام شریعت کو جھگڑے کا گھر بنا لیا ہے۔ خدا کے لئے نکتہ چینیاں چھوڑ دو اور عمل کرو۔ صحابہ کرام کے نمونے کو دیکھو، ان کی ساری توجہ عمل کرنے پر خرچ ہوتی تھی۔ آپ دوسروں پر کیوں نکتہ چینی کرتے ہیں۔ خدا ان کے متعلق آپ سے جواب دہی نہیں کرے گا۔ نجات کی سچی راہ یہ ہے کہ حکم خدا کے پابند ہو جاؤ اور سب حجت بازیاں چھوڑ کر اپنی پوری توجہ عمل و اتفاق پر خرچ کر ڈالو۔

مسلمانوں کو تیاری کا حکم (۵۴۴) عداوت اکثریت  
۱۰۹. وَذَكَاتٍ كَثِيرٍ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِن بَعْدِ

چاہے اکثر اہل کتاب نے کسی طرح پھر بنا دیں تم کو بعد  
ایمان تمہارے کفار، حسد کے سبب جو ہے ان کے پاس بعد اسکے کہ  
تَبَيَّنَ لَهُمْ زَظَاهِرُ بُوْغِيَا انْ يَرِ الْخَقِ (حق)۔ آیت کا ساوہ مطلب یہ ہے کہ  
اہل کتاب کی اکثریت دل سے چاہتی ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد تمہیں پھر کافر بنا دیں،  
اگرچہ ان پر اسلام کی سچائی ظاہر ہو چکی ہے مگر وہ حسد کی وجہ سے مسلمانوں کے وجود کو  
گوارا نہیں کر سکتے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمن کے خطرناک ارادوں سے  
آگاہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ مسلمانوں کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کا اصل منصوبہ کیا ہے؟  
اگرچہ ان پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے اور اسلام ہی کی پیروی  
میں دنیا کی بھلائی ہو سکتی ہے لیکن چونکہ حسد و عناد کے جذبات ان کے علم و عقل پر غالب  
آئے ہوئے ہیں اس لئے ان کی اکثریت تر دل سے یہ چاہتی ہے کہ وہ آپ کو بھی کافر بنا دیں  
عزیزان اسلام! یہ کیوں کہا کہ اہل کتاب کی اکثریت مسلمانوں کو کافر بنانا چاہتی ہے؟  
یہ اس لئے کہا تاکہ آپ عیسائیوں یا یہودیوں کے بعض روادار، انصاف پسند یا روشن خیال  
لوگوں سے متاثر نہ ہوں۔ افسوس کہ آج عام لوگوں کو یہ غلطی لگ رہی ہے۔ جب وہ کسی  
روشن خیال انگریز یا ہندو کی تقریر مسلمانوں کے حق میں سن لیتے ہیں تو پھولے نہیں سماتے  
بلکہ وہ یہ امید لگا بیٹھتے ہیں کہ اب چند روز میں مسلمانوں کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔  
مسلمانوں کا یہ خیال نہایت غلط ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کو بنیادی بات صرف یہ سمجھنی

چاہیے کہ دشمنانِ اسلام کی اکثریت کا راہہ کیا ہے؟ مثلاً آپ یہ دیکھئے کہ ہندو قوم کی عام ذہنیت کیا ہے؟ یا یہ کہ انگریزوں اور یہودیوں کی عام ذہنیت کیا ہے؟ اگر کسی قوم کی عام ذہنیت مسلمانوں کے ساتھ ذرا بھی انصاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو پھر چند لوگوں کے اعلانوں یا تقریروں پر بھول جانا پرے درجے کی بے سمجھی ہے۔ خدا کہتا ہے: **وَدَكْشِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ عَلَىٰ تِلْكَ الْأَفْئِدَةِ كَفَّارًا**۔ ایمان کے بعد کافر بنانے کا مطالبہ کیا ہے یہی الحاد اور شذھی کی تحریک جس کے بے شمار نمونے آپ کے سامنے ہیں، کہیں دو یا مندراسکیم جاری ہو رہی ہے، کہیں اردو کو مٹایا اور ہندی کو پھیلایا جا رہا ہے۔ کہیں مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت اور تہذیب سے انکار کیا جا رہا ہے۔ کہیں ہندو سے ماترم کا گیت، قومی جھنڈا اور گاندھی کیپ ہے، کہیں یہ اعلان ہے کہ تم پہلے ہندو بنائی ہو اور پھر مسلمان۔ کہیں کانگریس کی زبان، رسوم اور تہذیب کو قدیم ویدک تہذیب کے رنگ میں رنگ دیا گیا ہے اور اب مسلمانوں کو اس میں جذب کیا جا رہا ہے۔ مختصر یہ کہ جس طرح عیسائی طاقت نے تعلیم اور تہذیب کے پردے میں آپ کو ملحد اور بے دین بنانے کی کوشش کی تھی، اسی طرح اب ہندو طاقت، قومیت اور وطنیت کی آڑ میں آپ کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ان دونوں طاقتوں کو یہ معلوم ہے کہ اسلام کے بغیر دنیا کی نجات نہیں ہو سکتی اور یہ دونوں قومیں خود بھی اپنی اندرونی مشکلات کو حل کرنے کے لئے اسلام کے بنیادی اصولوں کو اپنی قوم کے اندر جاری کر رہی ہیں، مگر اس کے باوجود ان کی عام قومی ذہنیت سو فیصدی اسلام کے خلاف تعصب برت رہی ہے اور مسلمانوں کی موجودگی انہیں دو چہرہ معلوم ہو رہی ہے۔ آیت یہ کہتی ہے کہ مسلمان اس صورت حال کو سمجھیں اور کسی بھی

قوم کی اکثریت کے غنا سے بے پروا نہ ہوں۔

مسلمانوں کو تیاری کا حکم (۱۳۵) مقابلہ اکثریت کیلئے پہلی ہدایت  
 فَاسْفُؤا وَاصْفُؤا حَتّٰی يَأْتِيَ اللّٰهَ بِاصْرِهِۦ ۗ اِنَّ اللّٰهَ  
 یبصُرُ کُلَّ شَیْءٍ ۗ قَدَائِدُ (ہر چیز پر قادر ہے) پہلی آیت میں یہ بتایا کہ اہل کتاب کی  
 اکثریت، اسلام کو حق سمجھنے کے باوجود، محض حسد و عناد سے مسلمانوں کو دوبارہ کافر بنا  
 لینا چاہتی ہے۔ آج اس صورت حال کا علاج یہ بتایا کہ مسلمان جو صلہ مندی سے کام  
 لیں، تنگ دل اور بے صبر نہ ہوں، جب تک اسلام میں مقابلہ کی طاقت پیدا نہیں ہوتی  
 اور جب تک اسلامی پروگرام جاری ہو کر مسلمانوں کا جھٹا تیار نہیں ہوتا، اس وقت  
 تک وہ کفار کے ظلم و ستم کو بھلا دیا کریں، تاہم یہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے  
 عزیزان اسلام! جب مسلمان بہت تھوڑے تھے، ہر لحاظ سے کمزور تھے، دشمنوں  
 کے زخے میں تھے اور کی زندگی کی کمزوریاں ان میں برابر موجود تھیں۔ اگر وہ اس وقت بے  
 حوصلگی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ شروع کر دیتے تو یہ مقابلہ ایسا ہی ہوتا جیسے کوئی ہسٹ  
 پر لیٹا ہوا بیمار کسی قوی ہیکل پہلوان سے ٹکر لگا دے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں  
 فرمایا کہ مسلمان جہاد کریں، بلکہ یہ فرمایا، فَاسْفُؤا وَاصْفُؤا۔ مسلمانو! تم اس وقت  
 درگزر سے کام لو اور کفار کے مظالم کو دل میں نہ لاؤ، اسلامی احکام کی اطاعت و اشاعت  
 کرتے چلے جاؤ اور اپنی تیاریاں مکمل کرو۔ اس کے بعد خود بخود فیصلے کا وقت آجائے گا۔ یہ آیت  
 موجودہ مسلمانوں کے نہایت موافق حال ہے۔ اگر حکومت یا اکثریت کی طرف سے مسلمانوں پر  
 کوئی ظلم ہوتا ہے تو ہمارے ناقبت اندیش جو شیخے نوجوان فوراً مقابلہ یا سول نافرمانی کے  
 لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور چونکہ تیاری اور تنظیم مکمل نہیں ہوتی، اس واسطے چند ہی دنوں  
 میں کچل دیئے جاتے ہیں۔ یہ غلط پالیسی ہے۔ صحیح راہ یہ ہے کہ پہلے تیاری کرو۔ جب تک تیاری

مکمل نہ ہو، درگزر سے کام لو، اس کے بعد مقابلہ اور فیصلہ۔

مسلمانوں کو تیاری کا حکم (۱۴۶) مقابلہ کفار کے لئے اصل پروگرام

۱۱۔ وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَصَالِقِدْ صُوا لِأَنْفُسِكُمْ

اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور جو تم آگے بھیجو گے واسطے اپنے نفسوں کے

مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

کوئی جھلائی پاؤ گے اسکو پاس اللہ کے، بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے

مطلب یہ ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ تم اپنے آپ کے لئے جو نیکی عمل میں لاؤ گے

ضرور اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

عزیزان اسلام! پچھلی آیت میں بتایا کہ آپ کے متعلق کفار کی رائے عامہ کا ناپاک

ارادہ یہ ہے کہ آپ سے اسلامی اصول چھڑا دیئے جائیں اور آپ کو پھر کفر کے اندر جذب

کر لیا جائے۔ خدا تعالیٰ نے کافروں کے اس ناپاک منصوبے سے آپ کو خبردار کرنے کے بعد پہلا

علاج یہ بتایا ہے کہ آپ بے حوصلگی نہ دکھائیں، ظلم سہتے رہیں مگر تیاری شروع کر دیں۔ آج

کی آیت نے وہ اصلی پروگرام بتایا جس پر عمل کر کے آپ مقابلہ دشمن کے قابل ہو سکتے

ہیں، وہ پروگرام صرف یہ ہے کہ آپ نماز اور زکوٰۃ کا نظام مکمل کر لیں۔

عزیزان اسلام! آپ یقین کیجئے کہ اسلام کی فتح کا راز نماز اور زکوٰۃ میں چھپا ہوا ہے

نماز کے متعلق کام یہ ہے کہ آپ ہر مسلمان کو صحیح معنوں میں نمازی بنائیں۔ جن لوگوں کو نماز

یاد نہیں، انہیں یاد کرائیں۔ ایسا انتظام کریں کہ ہر ایک مسلمان نماز کا مطلب اور نماز کی

حقیقت بھی سمجھ لے اور نماز کا پابند بھی ہو جائے۔ ہر مسجد کے نمازی ایک فوجی برادری بن

جائیں اور وہ ایک مشنت ہو کر ہر وقت خدمت اسلام کے لئے تیار رہیں۔ ہر شہر میں ایسا

ہو کہ جن طرح بگل بجنے پر تمام فوج صف بستہ ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک اسلامی آواز پر

اور ایک اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ کی صدا پر تمام نمازیوں کو جان و مال لے کر خدمت

اسلام کے لئے نکل آنا چاہئے۔ ہر نمازی کی پانچ وقت یہ دعا ہونی چاہئے، اے اللہ مجھے  
 اسلام کے لئے قربان ہونے کی توفیق عطا فرما اور ہر نمازی کو ہر وقت منتظر رہنا چاہئے  
 کہ مجھے خدمت اسلام کا موقع ملے۔ پس مقابلہ کفار کا پہلا کام یہ ہے آپ نماز کے ذریعہ سے  
 اپنے تمام مردوں اور عورتوں کو خدا تعالیٰ کے دین کا رضا کار بنا دیں۔ دوسرا کام یہ ہے کہ  
 آپ سال کے بعد اپنے تمام مال کا حساب کر کے زکوٰۃ نکالیں اور اسے بیت المال میں جمع  
 کر دیں۔ ہندوستان یا دنیائے اسلام کے ہر شہر میں اسلامی خزانہ ہونا چاہئے تاکہ آپ  
 بیت المال کی مدد سے اپنے یتیموں، فقیروں اور کمزوروں کو ترقی دیں، مسلمانوں کو کام لگائیں  
 اور ان کی بیکاری کا علاج کریں۔ مسلمان نوجوانوں کو فوجی تربیت دیں تاکہ وہ اپنی طاقت  
 کے مطابق کفار کا مقابلہ کر سکیں۔ آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ صرف زبانی باتوں سے  
 اسلام کو فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔ کامیابی کے لئے آدمی بھی ضروری ہیں اور روپیہ بھی ضروری  
 ہے۔ نماز اس لئے ہے کہ خدائی فوج کے لئے اچھے سپاہی پیدا ہوں اور زکوٰۃ اس لئے ہے تاکہ  
 قوم کی پشت پر ایک مضبوط مالی طاقت قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دینے  
 کے بعد یہ فرماتا ہے۔ مسلمانو! تم جتنی بھی نیکی عمل میں لاؤ گے، اسے خدا کے ہاں موجود پاؤ گے۔  
 یعنی تمہاری اس نیکی سے بہت ہی مستقل اور مضبوط نتائج ظاہر ہوں گے، اس سے تمہاری  
 طاقت قائم ہو جائے گی، تمہاری کمزوری اور غریبی دور ہو جائے گی اور تم پر کوئی قوم ظلم نہ  
 کر سکے گی۔ پس اسے عزیزان اسلام! اگر آپ اس دنیا میں جاپان، جرمنی یا امریکہ کی طرح طاقتور  
 آزاد، عظیم الشان، دولت مند اور شاندار قوم بننا چاہتے ہیں اور موت کے بعد بھی آخرت  
 کے درجوں پر فائز ہونا چاہتے ہیں تو آپ اپنے گھر، مسجد یا محلہ اور شہر میں نماز اور زکوٰۃ کا  
 پروگرام ضرور شروع کریں۔ آپ جس قدر زیادہ نماز اور زکوٰۃ کے پروگرام میں کامیابی حاصل  
 کریں گے، اسی قدر آپ کی عزت، دولت اور طاقت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

مسلمانوں کو تیاری کا حکم (۱۲۷) حصولِ جنت کا عظیم معیار

۱۱- وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِنْ كَانَهُمْ يَهُودًا

انہوں نے کہا ہرگز داخل نہیں ہونیکا جنت میں مگر جو ہو یہودی

أَوْ نَصْرًا ۚ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَ

یا نصرانی یہ تمنا میں ہیں ان کی کہو لے آؤ سند

کھو (اپنی) ان گنہگار (اگر ہو تم) صلحِ قاین (ہے) - عزیزانِ اسلام! آیت

کا ساوہ مطلب یہ ہے - اہل کتاب اپنی اپنی جگہ پر یہ کہتے ہیں کہ کوئی انسان جنت میں

داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ یہودی یا عیسائی نہ ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے، یہ ان

کی محض خوش اعتقادیاں ہیں۔ اسے پیغمبر! ان سے پوچھو، اگر تم لوگ اپنے دعویٰ میں

سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو۔ کیا تمہارے پاس کوئی خدائی سند ہے کہ یہودی یا عیسائی

ہوئے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

عزیزانِ اسلام! جن مردہ اور بے عمل قوموں کے پاس کیریکٹر اور سیرت نہ ہو،

بہتر و بیداری اور اخلاق و روحانیت نہ ہو، وہ اپنی دنیوی بزرگی کے متعلق تو کچھ دعویٰ

نہیں کر سکتیں، اور اگر کریں بھی تو جاننے والے لوگ اسی وقت انہیں جھوٹا کر دیتے ہیں

اور ان کی حق پرستی یا اخلاق و روحانیت کا پردہ کھول دیتے ہیں۔ اس واسطے ایسی

قومیں اپنی عظمت و شان کے ظاہر کرنے کے لئے ہمیشہ ایسی باتیں بیان کرتی ہیں جن کے

متعلق کچھ شہادت قائم نہ ہو سکے۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ ہم ضرور جنت میں جائیں گے۔ پیغمبر

اسلام کے زمانے میں یہودیوں اور عیسائیوں کا حال یہی تھا۔ جب مسلمانوں کے ساتھ ان

کی بات چیت ہوتی تھی وہ فوراً بول اٹھتے تھے کہ ہم جنتی ہیں۔ اب اس موقع پر قرآن پڑھنا

سہے، کیا تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی خدائی سند موجود ہے؟ مطلب یہ ہے کہ قرابت



اور انجیل کے بے شمار مقامات پر یہ صاف لکھا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ ان جنتی کون ہوگا؟ اور دوزخی کون ہوگا؟ اگر یہودی اور عیسائی ان احکام کے پابند ہوتے تو فوراً کہہ سکتے تھے کہ توریت یا انجیل کی فلاں آیت دیکھو، چونکہ ہم فلاں فلاں احکام کی تمہ ذل سے پابندی کر رہے ہیں، اس واسطے ہم جنتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو نہ تو یہودی یہ جواب دیتے اور نہ عیسائی۔ اس لئے کہ انہوں نے توریت اور انجیل کے احکام کو صاف جواب دے رکھا ہے۔ اب ان کا سارا زور فرقہ بندی پر تھا، وہ ایمان اور عمل کی باتوں کو بالکل بھول گئے تھے، ان کی ساری دلیل یہ تھی کہ ہمارا تعلق فلاں فرقے سے ہے اور ہم فلاں فرقہ کے نام لیوا ہیں، اس واسطے ضرور جنتی ہوں گے۔ یعنی ان کا دعویٰ جنت عمل پر نہیں بلکہ فرقہ بندی پر منحصر تھا۔ افسوس کہ یہی حال آج مسلمانوں کا ہے، وہ کہتے ہیں، حدیث کے مطابق ۳، میں سے ایک فرقہ جنتی ہوگا اور بس وہی ہمارا فرقہ ہے۔ مسلمانوں! یہ شخص خوش اعتقادی ہے، جب تک قرآن اور سیرت کے مطابق اعمال نہ ہوں گے، کوئی شخص جنتی نہیں ہو سکتا۔

عزیزان اسلام! جب کوئی قوم بالکل ناکارہ ہو جائے تو وہ دوزخ اور جنت کے جھاگڑوں کے سوا اور کسی قابل نہیں رہتی۔ افراد قوم پر انتظام ملے، سیاست و جہانداری، صنعت و حرفت، جنگ و جہاد وغیرہ وغیرہ زندگی کے عظیم الشان کاموں کی ذمہ داری تو کچھ نہیں ہوتی اس واسطے وہ ذلت و بے کاری میں ڈوبے ہوئے ہر وقت جنت و دوزخ کے جھاگڑوں میں پڑے رہتے ہیں۔ ایک کہتا ہے، ہم بہشتی ہیں، دوسرا کہتا ہے، ہم بہشتی۔ مطلب یہ کہ دنیا کا تو وہ کچھ کر نہیں سکتے، البتہ آسمان کے تپھے ہر وقت لڑاتے رہتے ہیں، کبھی یہود و نصاریٰ کا یہ حال تھا مگر اب مسلمان ملت اور دن بیکار پڑے ہوئے جنت و دوزخ کی بحث میں سرگرم رہتے ہیں، حالانکہ اس زندگی کا مقصد عمل ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری بیکاری کو دود فرمائے۔

مسلمانوں کو نیاری کا حکم (۱۴۸) حصول جنت کا صحیح مہیا

۱۱۲۔ بَلَىٰ ق مِّنْ أَسْمَاءٍ وَجِهَةٌ لِلَّهِ وَهُوَ فَحْسٌ مِّنْ

ہاں جو کوئی سو نہ چہرہ اپنا اللہ اور ہو وہ نیکو کار پس ہوگا

لَ ۙ أَجْرٌ ۙ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

واسطے اسکے بدلہ اس کا پاس رب کے اور نہ خوف ہے ان پر اور نہ وہ

يَحْزَنُونَ (غمناک ہوں گے)۔ یعنی جس کسی انسان نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا سر

جمکا دیا اور اس نے نیک عمل بھی کئے۔ وہ اپنے پروردگار سے ضرور بدلہ پائے گا اور اسے

کسی قسم کا خوف و غم نہ ہوگا۔

عزیزان اسلام! کل کی آیت میں بتایا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے محض اپنی فرقہ

بندی کو اپنے جنتی ہونے کا ذریعہ بنا لیا ہے اور وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم توحید یا

انجیل کی فلاں فلاں آیت پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے کی وجہ سے جنتی ہیں۔ آج کی آیت

میں بتایا کہ جنت حاصل کرنے کا اصل اصول کیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے: بَلَىٰ مِّنْ أَسْمَاءٍ

وَجِهَةٌ لِلَّهِ۔ بَلَىٰ کے معنی ہاں، بے شک۔ مِّنْ کے معنی کوئی بھی انسان ہو، گورا

ہو، کالا ہو، محمد بن ہو، نقورام ہو، کسی نام کا، کسی ذات کا اور کسی خاندان کا ممبر ہو۔

مِّنْ أَسْمَاءٍ وَجِهَةٌ لِلَّهِ۔ اگر وہ خدا پرست ہو۔ وَهُوَ فَحْسٌ۔ اور وہ نیک عمل

بھی کرے۔ فَلَهُ أَجْرٌ ۙ عِنْدَ رَبِّهِمْ، تب خدا کے ہاں اس کو ضرور اجر دیا جائیگا

اور اسے خوف نہ ہوگا اور نہ غم ہوگا۔ اسے عزیزان اسلام! سمجھا آپ نے۔ قرآن کہتا ہے

صرف زبانی دعویٰ کافی نہیں ہیں۔ قرآن کو سامنے رکھ کر ایک ایک آیت کے مطابق اپنا

عمل ثابت کیجئے، پھر آپ ضرور بہشتی ہوں گے۔ لکہ تو منافق بھی پڑھتے تھے، پھر وہ جنتی کیوں

نہ ہوئے، اس لئے کہ کہنے کے مطابق عمل نہ کرتے تھے، مسلمانوں! اچھی طرح سمجھو، نجات کی سند

ایمان اور عمل۔ صرف زبانی دعویٰ نہیں۔

# مسلمانوں کی تیاری کا حکم

۱۱۹۔ حصولِ جنت کا صحیح معیار۔

۱۱۹۔ یعنی: مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُدًى

بے شک جو ہوشیار سے چہرہ اپنا واسطے خدا کے اور وہ

مُحْسِنٌ، فَإِنَّ لَهُ أَجْرًا عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا

نیوکار ہو پس واسطے ان کے بدلہ اس کا پاس رب سے اس کے اور نہیں

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ، وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

خوف اور ان کے اور نہیں وہ غم کھائیں گے۔

آیت کا مطلب یہ ہے، بے شک، جس کسی انسان نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا سر جھکا دیا

اور اس نے نیک عمل بھی کئے، وہ اپنے پروردگار سے اس کا ضرور بدلہ پائے گا اور نہ اس کے لئے

کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ غم۔

عزیزانِ اسلام، یہودی لوگ طرح طرح کی چالوں سے مسلمان کو بہکا نا چاہتے تھے۔ ان

کی ایک چال یہ تھی کہ وہ بڑے یقین سے اپنا جنتی ہونے کے دعوے کیا کرتے تھے، اب مسلمانوں

سے کہا جا رہا ہے کہ وہ ان دعووں سے متاثر نہ ہوں۔

عزیزانِ اسلام، بات یہ ہے کہ جن مردہ اور بے عمل قوموں کے پاس کیر کمر اور سیرت نہ

ہو، یہی تیاری اور اسحاق روحانیت نہ ہو، وہ اپنی دنیاوی بزرگی کے شعلے تو کچھ دعویٰ کر

لیں سکتیں اور گمراہی تو دیکھنے والے لوگ اسی وقت ان کی حق پرستی برتری اور ان کے اعمال

اور حیثیت کا پر وہ دانش کر سکتے ہیں، اس واسطے اسی قومیں اپنی عظمت و شان کے اظہار

کے لئے ہمیشہ ایسی باتیں بیان کرتی ہیں جن کی کچھ بھی عملی تردید نہ ہو، یہی ہے اسلام

کے لئے ہمیشہ ایسی باتیں بیان کرتی ہیں جن کی کچھ بھی عملی تردید نہ ہو، یہی ہے اسلام

جیت نہوتی تھی۔ فوراً بول اٹھے تھے کہ ہم جنتی ہیں۔ اب اس واقعہ پر قرآن پڑھنا ہے کیا کرنا ہے  
 پاس اس دعویٰ کی کوئی تہذیبی سند موجود ہے۔ اگر یہودی اور عیسائی ایسے احکام پر عمل پیرا  
 ہوتے جن کی پابندی سے بہشت حاصل ہوتا ہے۔ تو وہ اس سوال کے جواب میں فوراً کہہ سکتے  
 تھے۔ کہ تو ریت یا پھیل کی فلاں آیت دیکھو۔ چونکہ ہم فلاں فلاں احکام کی تہذیب سے پابندی  
 کرتے ہیں۔ اس واسطے ہم جنتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو تو یہودی یہ جواب دیتے تھے اور نہ  
 عیسائی۔ اس لئے کہ انہوں نے تورات اور انجیل کے احکام کو صاف جواب دہ نہ رہا۔  
 اب ان کا سارا زور فرقہ بندی تقارہ و ایمان اور عمل کی باتوں کو بالکل بھول گئے تھے۔ ان  
 کا ساری ذہن یہ تھی کہ ہمارا تعلق فلاں فرقے سے ہے۔ اور ہم فلاں بزرگ کے نام سے پکارے  
 اور چونکہ وہ فرقہ آور و بزرگ جنتی ہیں۔ اس واسطے ہم بھی جنتی ہیں۔

آج کی آیت میں یہ اصول ثابت کیا گیا ہے۔ اور تہذیب ہوتی ہے۔ عجل  
 وَجِئِ اسْلَمًا وَجْهًا لِلّٰہِ مَعْنٰی یہ نیک عمل کے معنی کوئی بھی انسان جو کہ اس  
 کالا ہو، محمد دین ہو، معتقد یہ ہو کسی نام کا کسی ذات کا۔ اور کسی ممالک کا  
 ممبر ہو، مَعْنٰی اسْلَمًا وَجْهًا لِلّٰہِ اس کے معنی یہ ہے کہ خدا کے سامنے یہ کھڑے رہے اور  
 مَحْسِبًا اُرْدَنِیْکَ مَعْنٰی کہ ہے۔ فَلْہَا آجْہَا عِنْدَ رَبِّہٖ تَبٰہَا کے معنی یہ ہیں کہ اس  
 اجر دیا جائے گا۔ اور اسے خوف نہ ہوگا۔ اور ہم نہ ہوگا۔  
 اسے عزیزان اسلام سمجھا آپ نے قرآن کریم سے۔ قرآن و حدیث سے پوری پوری  
 ہیں۔ قرآن کو سامنے رکھ کر احکام خداوندی کو ماننے اور عمل کرنے۔ جو بھی عمل و احکام کا  
 وہ جنتی ہوگا۔ مَحْسِبًا مَعْنٰی کہ کسی خاص فرقہ و ممالک کے ممبر نہ ہو بلکہ  
 ہے کوئی شخص جنتی نہیں ہو سکتا۔ یہ قانون عدت انسانوں کے لئے ہے۔

# فرقہ بندی کا رخ نام

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَنَحْنُ عَلَى نَتَقِي بِرَبِّهِمْ وَكَرِهُوا  
 کہتے ہیں کہ یہودیوں نے ہمیں عیسائی کسی پیر پر پھرتے ہوئے  
 وَاَلَيْتُ الْيَهُودُ لَنَحْنُ عَلَى نَتَقِي بِرَبِّهِمْ وَكَرِهُوا  
 کہتے ہیں کہ یہودیوں نے ہمیں عیسائی کسی پیر پر پھرتے ہوئے  
 اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْتَعِيْنُكَ بِرَبِّهِمْ - اگر عیسائی یا یہودی تو ریت یا ابلتے  
 کتاب الہی | ہے پیر پر ہونے تو ایک اور ہمت کے دین کو چھوٹا نہ کہتے اس لئے  
 تو ریت کے حوالے سے ہی خدا کی کتاب ہے۔ عیسائی کو انجیل خدا کی کتاب ہے۔ جس پر یہودیوں  
 کو خلاف رنگ کی باتوں میں ڈھل دینے سے اس کا اصلی رنگ بدل سکتا ہے۔ اس لئے  
 خدا کی کتابت بیرونی کے تبدیل سے جھول نہیں سورتا۔ خدا کے کلام کو حضرت  
 پیش کر میں۔ یا حضرت ابراہیم علیہ السلام، وہ سرفاں ہیں خدا ہی بلا دین اور خدا  
 ہی کہ کتابت ہے۔ اور یہ کہا اس طرح جو طرح میں ہو سکتا کہ جو ہدایت عینت عین  
 سے کہ وہ تو ہدایت ہے۔ اور جو حضرت عیسیٰ نے پیش کی، وہ ہدایت نہیں ہے  
 اگرچہ لوگ ایسا نہیں سمجھتے اب کہا تو یہ نہیں ان کی دھڑلہ نہ کہ تو نہیں ہے  
 فرقہ ان تمام فریقوں کی بجایا یہ کہتے کہ انسان فرقہ بندی میں بنا کر کہیں فر  
 کہتا ہے۔ یہ یہودی فرقہ بندی نے انہی کتابوں کے لئے والے نے مگر وہ ہیں  
 فرقے کی فرقہ بندی خدا کی کتابوں کو روک کر ہے۔ فرقہ انہوں میں فرقہ بندی  
 ہے اگرچہ فرقہ بندی کا نام ہے والا فرقہ ہے قرآن کے ماننے والے یہ فرقہ  
 فرقہ بندی کے معنی میں کہ قرآن والے لوگ فرقہ قرآن کو روک کر ہے  
 فرقہ بندی میں کہ فرقہ بندی سے عیسائی یہودیوں کو روکنے کے

تم جہت یہودی عیسائیوں کو کہتے تھے، تم جوتے، اب حنفی وہابیوں کو کہتے  
 ہیں، تم کافر، بریلوی، دیوبندیوں کو کہتے ہیں۔ تم کافر، شیعہ، شیعوں کو کہتے  
 ہیں۔ تم کافر، اب فرما لیں، اگر حنفی، بریلوی، دیوبندی، شیعہ اور سنی سب  
 کے سب کافر ہیں، تو پھر اس دنیا میں مسلمان کون ہے۔ یہ سب فرقہ بندیوں کا  
 نتیجہ ہے اپنی پیٹ پر جا کے لٹے بنا رہے ہیں۔ اور عام مسلمان اس سے برباد ہو گئے ہیں  
 اگر مسلمان ہر اچھا فرقہ نہ ہوتے، اگر مسلمان صحابہ کرام کا طرح کا حنفی، وہابی، شیعہ  
 بریلوی اور دیوبندی کی بجائے اپنا نام صرف مسلمان رکھتے، تو پھر کبھی ایک  
 فرقہ بندیوں کو کافر بنانے کی جرأت نہ کرتا۔

تو ہمارا فرقہ بندیوں سے جو خدا کے کلام کو سمجھنے آئیں میں جانی بھائی  
 بن جائو اور سب کی مشین بن جاؤ کہ مسلمانوں کو کافر بناؤ۔

### ۱۵۔ فرقہ بندی میں خطرہ ایمان

تحدیث قال انی بینکم و انہم یعلمون من قول  
 اسی طرح تمہارا وہابیوں نے جو علم نہیں رکھتے انہ کو کہتے  
 ہر فرقہ قائم ہے چنانچہ ہر فرقہ اپنے فرقہ کے  
 ذریعے پس اللہ فیصلہ کرے گا اور ایمان ان کے دن قائم ہے  
 ایمان کا پیمانہ ہے۔ چنانچہ انہ کو کہتے  
 ان کو کہتے اس میں وہ اعلیٰ رکھتے۔

یہ فرقہ بندیوں کا نام ہے کہ آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ قال انہم یعلمون من قول  
 انہ کو کہتے اس میں چنانچہ انہ کو کہتے  
 انہ کو کہتے اس میں چنانچہ انہ کو کہتے

کہتے رہے ہیں، جس طرح کہ کفار اور مشرکین جو کتاب اللہ کا علم نہیں رکھتے، ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے ہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان گروہ بینوں کا ایک دوسرے کو جھوٹا کہنا ہے کارہ۔ یہ فیصلہ تو صرف خدا کے کرنے کا ہے، فَإِنَّهُ يَخْذَرُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا کہ اس جھگڑے میں سچا کون ہے؟ عزیزانِ اسلام! اس آیت میں ایک بہت ہی اونچی بات کہی گئی ہے۔ آیت کہتی ہے، فرقہ بندی ایک ایسی بُری لعنت ہے کہ اس میں پڑ کر اللہ کی کتابوں کا علم رکھنے والے اور نہ علم رکھنے والے دونوں ہم پتہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کس طرح؟ اس کی ایک مثال سن لیں۔ دو بھائی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا، کتنے کا بچہ چھوٹے بھائی نے کہا، تو کتنے کا بچہ۔ باپ نے کہا، تم دونوں آپس میں لڑے تھے مگر کتاب تم نے مجھ کو بنا دیا۔ یہی حال یہود و نصاریٰ کا ہوا۔ یہود نے کہا، نصاریٰ کا دین جھوٹا۔ نصاریٰ نے کہا، یہود کا دین جھوٹا۔ خدا نے فرمایا، فرقہ بندی تمہاری آپس میں بھی مگر جھوٹا تم نے مجھ کو یا میرے دین کو کہہ دیا۔ اس سے یہود کے دین کو جھوٹا کہا، اس نے بھی خدا کے دین کو جھٹلایا اور جس نے نصاریٰ کے دین کو جھوٹا کہا، اسی نے بھی خدا کے دین کو جھٹلایا۔ پھر اس میں اور کفار و مشرکین میں کیا فرق رہا؟ آج کی آیت یہی کہتی ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ایک دوسرے کے دین کو جھوٹا کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ان لوگوں کا کہنا تھا جو خدا کی کتاب کا علم نہیں رکھتے؟

ادعائے اسلام اور حج و عمرہ کی دعوتوں کی دوسری غلطی یہ تھی کہ وہ آج تک اس کا فیصلہ دے رہے ہیں، جس کا فیصلہ قیامت میں ہونا ہے۔ اور اس کے مطالبہ یہ ہے کہ چھوٹے اور بڑے کا فیصلہ اللہ ہی کا ہے۔ اور اس کے لئے تم زبان سے کہتے رہو میں سچا ہوں، لیکن

اگر قیامت کے دن تم ٹیل ہو گئے تو پھر آج کا زبانی دعویٰ کس کام آیا؟  
 عزیزان اسلام! ان آیات میں آپ سے خطاب بہرا ہے کہ آپ مقابلہ کفار کے لئے  
 اسی وقت تیار ہوں گے جب کہ آپ یہودیوں و نصاریٰ کی طرح فرقہ بندیوں اور دھڑے  
 بازیوں کا شکار نہ ہوں۔ فرقہ بندی کے خلاف دو باتیں کہیں گئیں ایک یہ کہ فرقہ بندی  
 ایک ایسی لعنت ہے جس میں پڑ کر ایمان لائے والے لوگ بھی ایسے ہی گم راہ ہو جاتے ہیں  
 جیسے کہ ایمان نہ لائے والے۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ اگر یہاں یہودیوں و نصاریٰ کی طرح  
 مسلمانوں کا ایک فرقہ دوسرے کو کافر کہتا ہے تو ایسا کہنا بے سند ہے۔ یہ فیصلہ قیامت  
 کے دن خدا کرے گا مسلمانوں! فرقہ بندی میں پڑ کر اسلام کی وصیت کو برباد نہ کرو۔ کیا یہ  
 اچھا نہیں کہ تم اپنی ساری توجہ ایک دوسرے کو برا بنانے کی بجائے خود کو بھلا بنانے میں صرف کرو۔

### ۱۵۲۔ خدا کی فرقہ واریتیں

۱۱۳۔ وَهَنَ أَظْلَمُ مِنْ مَنَعٍ هَسَّاجِدًا اللَّهُ أَنْ يُذَكَّرَ

اور کون ہے بڑا ظالم اُس سے جو اوروں سے مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے  
 فِيهَا اسْمُهُ، وَسَعَى فِي خَرَابِهَا، أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ  
 اُنہیں نام اُس کا، اور کوشش کیے بیچ خراب کرنے ان کے، یہی لوگ ہیں کہ نہیں ہے تو گئے  
 أَنْ يَدْخُلُوا هَاهَا إِلَّا خَائِفِينَ، لَهُمْ فِي الدُّنْيَا  
 کہ وہ داخل ہوں اُن میں مگر خوف کرتے ہوئے۔ اُن کے لئے دنیا میں  
 خِزْيٌ وَكَهْفٌ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ  
 سوائے اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

عزیزان اسلام! آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ اُس سے زیادہ ظالم انسان اور کون ہو سکتا  
 ، جو خدا کی عبادت گا ہوں میں خدا کے بندوں کو یا خدا سے منع کرے اور ان کی دینداری



کو نشان ہو، ایسے لوگ ہی قابل ہیں کہ یہ خود مسلمانوں سے ڈرتے ہوئے مسجدوں میں داخل ہوں اور ان میں اس ظلم و شرارت کی جرات ہی باقی نہ رہے۔ سن لو، ایسے ہی لوگوں کے لئے دنیا میں زلفت ہے اور آخرت میں عذاب۔

عزیزانِ اسلام! پہلی آیتوں میں یہ بتایا گیا کہ یہود اور نصاریٰ کی فرقہ بندیوں کا تعصب یہاں تک پہنچا ہے کہ وہ آسمان کی حمد میں خدا کے دین کو بھٹلا رہے ہیں۔ جو کام کفار اور مشرکین کرتے تھے وہی کام یہ لوگوں کی حمد میں کر رہے ہیں۔ یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ جنت میں نہیں جائیں گے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود جنت میں نہیں جائیں گے۔ آج کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہود اور نصاریٰ کے فرقہ وارانہ تعصب نے خدا کے دین اور خدا کی جنت ہی ہی کو فرقوں میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں کو بھی فرقہ وارانہ تعصب کی زد کر دیا ہے۔ حالانکہ خدا کا نام لینے میں فرقہ واری کی بات کیا ہے؟ خدا سب کا مالک ہے اور یہ تعصب کون کا حق ہے کہ وہ اپنے مالک کا نام لے، مگر فرقہ پرستی کی لعنت اسی ہے کہ فرقہ بندیوں سے خدا کے نام پر لڑنے کا بھی قبول نہیں کیا۔ ان کی جنت فرقہ وارانہ دین فرقہ وارانہ ہے۔ یہی فرقہ وارانہ اور یا خدا بھی فرقہ وارانہ یہود اور نصاریٰ کی اسی پالیسی کا نتیجہ تھا کہ جب عیسائیوں کو شام میں غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے بیت المقدس کو ویران کر دیا تو یہود کی مسجدیں اجاڑ دیں۔ اہل مکہ نے بھی اسی طرح کیا۔ انہوں نے پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام کو خانہ کعبہ میں عبادت کرنے سے روکا۔ فرقہ پرستوں کے اسی طرز عمل کو سامنے رکھ کر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ ظالم ہے جو خدا کی عبادت گاہوں میں خدا کے بندوں کو خدا کا نام لینے سے روکے۔ مسلمانوں کو یہ اس لئے کہا گیا کہ خدا کے بندوں کو خدا کی سجدوں سے روکنے والوں کی طاقتیں توڑ دیں تاکہ وہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ذلیل نہ رہیں۔

مکہ کے ہاتھ سے نکل گیا اور بیت المقدس سے یہود و نصاریٰ کی امامت ختم ہو گئی۔  
 عزیزان اسلام! آج مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کے تعصب کا کیا حال ہے؟ ہمارے  
 پاس بھی ہر فرقہ کی مسجد الگ ہے، آج بھی کئی مساجد میں لکھا ہوا ہے، یہ فلاں جماعت  
 کی مسجد ہے اور اس میں فلاں فلاں فرقہ کو نماز پڑھنے کا حق نہیں ہے۔ کئی حنفی مساجد  
 میں وہابیوں نے نازیں پڑھیں تو مسجدوں کے فرش دھلوائے گئے۔ کئی مساجد سے احنا  
 کو اور کئی مساجد سے شیعہ کو نماز اور امامت سے روکا گیا اور بذریعہ عدالت حکم حاصل  
 کیا گیا کہ ہماری مسجد میں فلاں فلاں اشخاص کو نماز پڑھنے سے روک دیا جائے۔ مسلمانو!  
 خدا کی عبادت گاہ میں، یاد خدا سے روکنا ایک شرعی جرم ہے، جس کی سزا فی الدنیا  
 خِزْيٌ اَوْ فِي الرَّسْمَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ہے۔ اہل مکہ نے یہ جرم کیا تو یہی سزا پائی، یہود  
 و نصاریٰ نے کیا تو یہی سزا پائی۔ اگر ہم اس جرم کے مرتکب ہوں گے تو ہم بھی سزا سے  
 نہیں بچ سکتے، بلکہ ہم کو سزا مل رہی ہے۔ اے اب تو بہ کر لیں تاکہ خدا تعالیٰ معاف کرے۔  
 ۱۵۳۔ معیار قبول عبادت

۱۱۵۔ وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا

اور اللہ کے لئے ہے مشرق اور مغرب جس جہاں کہیں تم رخ کرو

فَتَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَّاسِعٌ عَلِيمٌ

جس وہیں رخ ہے اللہ کا۔ بے شک اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

عزیزان اسلام! آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے، مشرق ہو یا مغرب، ساری کائنات

اللہ ہی کے لئے ہے۔ جہاں کہیں تم اللہ کی طرف رخ کرو، اللہ تمہارے سامنے ہے۔

اس کی قدرت کی سہاٹی بڑی ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ پہلی آیت میں یہ ذکر

تھا کہ یہود و نصاریٰ کی مذہبی گروہ بندی کا تعصب یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ خدا کی

عبادت گاہوں کو بھی انہوں نے فرقہ بندی کے رنگ میں رنگ دیا ہے اور وہ خدا پرستی کے مدعی ہونے کے باوجود اپنی عبادت گاہ میں دوسرے فرقے کے آدمی کو خدا کا نام لینے سے بھی روک دیتے ہیں۔ آج کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا کسی عبادت گاہ کی چار دیواری کے اندر قید نہیں ہے کہ وہیں عبادت کی جائے تو قبول ہوگی۔ قبول عبادت کا کسی خاص چار دیواری یا زمین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ساری زمین خدا کی ہے اور جہاں بھی اس کو بلایا جائے وہ بلائے والوں کی آواز سنتا ہے۔

لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ کا مطلب یہ ہے کہ تم مشرق میں عبادت کرو یا مغرب میں، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ فَاَيُّ مَنَّا تَتَوَلَّوْا فَنُجِدُ اللّٰهَ كَمَا مَطَّلَبُ یہ کہ تم خلوں کے ساتھ اپنے دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرو گے تو وہ تمہاری نیاز مندی کو ضرور قبول کرے گا۔ اس آیت میں مسلمانوں کے لیے سبق ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم عبادت الہی کے متعلق رفع یا کمین، آمین، سیدے یا ناف پر ہاتھ باندھنے اور اسی قسم کے دوسرے جھاگڑوں میں نہ الجھیں بلکہ دعا، پکار اور خلوں پر جو مشرک عبادت ہے، خدا ہی کو سنبھالیں۔ پھر ایسی عبادت کبھی روئے ہوگی۔ اسے اللہ ہم کو راہ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ ہماری نیاز مندی کو قبول کرنا کہ ہم تیرے فرماں بردار رہیں۔

### ۱۵۴۔ یہود میں شرک کی وبا

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ ؕ بَلْ لّٰہُ  
 ذُو الرَّحْمٰنِ الْکَرِیْمِ ؕ سُبْحٰنَہٗ ؕ ہُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَہٗ  
 مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کُلُّ شَیْءٍ لَّہٗ قٰنِیْنٌ ۝۵  
 اور یہ کہتے ہیں بھگتاری ہے اللہ نے اولاد وہ ایک ہے، بلکہ (ہے) اس کا  
 ہر شے اس کے سامنے اور زمین میں ہے سب اس کا حکم ماننے والے (ہیں)

پوری آیت کا مطلب یہ ہے، بنی اسرائیل یہ کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد ہے، حالانکہ وہ اس سے پاک ہے، وہ تو اس قدر باختیار ہے کہ زمین اور آسمان میں جو کچھ بھی ہے، وہ اسی کے اشارہ حکم کے اطاعت گزار ہیں۔

عزیزان اسلام! اس سے پہلی آیت میں یہ تھا کہ جو لوگ مسجدوں میں اللہ کی یاد کو روکیں، وہ بڑے ظالم ہیں مگر اسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کسی مسجد کی چار دیواری کے اندر قید ہے۔ مسجدوں یا عبادت گاہوں کی عزت صرف اس لیے ہے کہ وہ خلق خدا کی اصلاح اور ہدایت کا سرچشمہ ہیں، ورنہ خدا تعالیٰ کی ذات تو مشرق اور مغرب سب جگہ موجود ہے اور کوئی بندہ جہاں بھی نیاز مندی کا سر جھکاوے، وہ اسی جگہ خدا کی قبولیت حاصل کر سکتا ہے۔ اپنے یہ بتایا، یہودی لوگ مسجدوں کی کیا عزت کریں گے؟ وہ تو خود خدا تعالیٰ کے متعلق بھی اصل حقیقت کو بھولے ہوئے ہیں اور یہ بتا دیا کہ خدا اولاد رکھتا ہے۔ حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ اپنے کو بھی خود خدا کے بیٹے اور خدا کے پیارے سمجھ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ یہود کی ان تمام حماقتوں کو رد کر کے ارشاد فرماتا ہے، مستحبتہ: خدا تعالیٰ ان تمام اولادوں سے پاک ہے۔ غالباً یہودی لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ خدا کے لئے اولاد کا ہونا خوبی اور بڑائی کی بات ہے۔ حالانکہ اسی دنیا میں ہم لوگ روزانہ یہ دیکھتے ہیں کہ کوئی باپ یا پاپا ایسا نہیں جس کی خودداری اولاد کی وجہ سے کمزور نہ ہو گئی ہو اور اولاد کی محبت کے سامنے انہیں کبھی نہ کبھی جھکنا نہ پڑا ہو۔ آیت کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ وہ نہیں ہے جو اولاد کی محبت کا قیدی ہو بلکہ وہ تو ایسا بااقتدار ہے کہ زمین اور آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کے اشارہ حکم کے تابع ہے۔

یہاں مسلمانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ یہود قوم توحید کی نعمت سے محروم ہو چکی ہے۔  
اب وہ نیک اعمال کی بجائے صرف خدا کی اولاد میں کر دینا میں عزت حاصل کرنے  
کے درپے ہیں اور چوں کہ یہ ناممکن ہے، اس واسطے اب ان کی موت فیقینی ہے۔  
عزیزان اسلام! یاد رکھئے، اسلامی خلافت یہ ہے کہ انسان زمین پر خدا کا خلیفہ  
ہو، نہ کہ خدا کا بیٹا۔ خلیفہ خدا کی شان سے بطلب یہ ہے کہ وہ خدا کے رنگ میں رنگے جانے  
کی کوشش کرے۔ "خدا کا کوئی بیٹا نہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ سب انسان خدا کی  
نگاہ میں ایک جیسے ہیں۔ البتہ کوئی قوم جس قدر توحید میں کامل ہوگی، اسی قدر اس کا  
خلافت میں بھی خدائی صفات کا زیادہ جلوہ ہوگا اور اس کے برخلاف کوئی قوم جس قدر  
زیادہ مشرک ہوگی، اسی قدر اس کی حکومت زیادہ سے زیادہ فرعونی ہوگی اور اس کا  
ہوگی کہ اسے مٹا دیا جائے۔ چونکہ یہود خدا زادہ ہونے کا دعویٰ کر رہے تھے، اس واسطے  
مسلمانوں کو بتایا گیا کہ اب ان کا اقتدار نہیں رہنا چاہئے۔ اس آیت میں عجیب سبق ہے۔  
اسلام تو وہ ہے جس نے "خدا زادہ" کہلانے والوں کا اقتدار بھی قبول نہیں کیا اور ہم مسلمان  
وہ ہیں جو پیرزادوں کے سلطے تکبر سے ہیں۔ مسلمانوں! تمہارا اصل شہر خدا کا ہے۔  
کہ تم خدا پرست بن جاؤ۔

### ۱۵۵۔ غالب آؤ گے

۱۱۱۔ بِرَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَبِينَ وَالْمُتَّبِعِينَ ۝ وَإِذَا قَضَيْتَ أَمْرًا  
بجائے والا مسلمانوں اور زمین دگان اور جب کرنا چاہے کوئی کام  
فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝  
پس صرف وہ کہتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔  
اس آیت کے الفاظ میں ایک خاص راز ہے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے کُن کہا

اور چھو منتر کی طرح یہ سب دنیا بن گئی۔ یاد رکھئے کہ قرآن کے الفاظ کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ قرآن کا مفہوم یہ ہے کہ خدائے حکم فرمایا، اب اس حکم کے ماتحت درجہ بدرجہ ہر ایک کام ہوتا جاتا ہے۔ فصل چھ ماہ میں پختی ہے، پچھ نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح سلسلہ ارتقا جاری ہے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ عیسائی یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم خدا کے پیارے اور اس کی اولاد ہیں، یعنی ان دونوں قوموں نے اپنے اپنے نبیوں کی تعلیم کے برخلاف خدا کو اپنا قوی اور شخصی خدا بنا لیا تھا۔ اس کی شان کو گھٹا دیا تھا اور دنیا میں یہ بات پھیلا دی تھی کہ خدا بھی عام انسانوں ہی کی طرح ہمارے زیر اثر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب خدا کے متعلق بھی خلق خدا کو یہ باور کرا دیا جائے کہ وہ کسی شخص کو اپنا بیٹا سمجھتا ہے، بعض قوموں کا لحاظ کرتا ہے اور بعض دوسری قوموں کو برا سمجھتا ہے تو عام لوگ اس سے یہی نتیجہ نکالیں گے کہ جب خدا خود ایسا ہے تو ہم ایسے کیوں نہ ہوں؟ اسی نظریہ کے ماتحت عوام میں انصافی عدم مساوات، نسلی غرور اور ذات پات کے خیالات پھیل گئے تھے۔ بعض لوگ پیدا ہوتے ہی اعلیٰ سمجھے جاتے اور بعض بیچ اور ناپاک خیال کئے جلتے۔ بعض قوموں کو مقدس سمجھا جاتا اور بعض کو اچھوت اور بیچ خیال کیا جاتا۔ اوپر کی آیت میں ان تمام غلط اور بے بنیاد باتوں کو رد کر دیا گیا ہے۔

عزیزان اسلام! اوپر کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا کی اصل شان کیا ہے؟ آیت بتاتی ہے کہ خدا کسی قوم یا کسی نسل یا کسی شخص کے زیر اثر کس طرح ہو سکتا ہے؟ خدا کی شان تو یہ ہے کہ اس نے تمام آسمانوں اور زمین کو ایجاد کیا اور اس طرح بنا یا کہ صرف یہ کہہ دیا "ہو جا" اور یہ سب ہوتا جا رہا ہے۔ اس تمام نظام عالم کے بنانے میں خدا تعالیٰ کو نہ ملازموں کی ضرورت پیش آئی، نہ بددگاروں کی، نہ مزدوروں کی، نہ نگرانی کرنے والوں

کی ایز مشورہ دینے والوں کی اور نہ اسباب و ذرائع کی باب ظاہر ہے کہ وہ قادر عظیم جو صرف ایک اشارے سے اس تمام نظام عالم کو نیست سے نیست کر دے اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ کسی شخص کو اپنا بیٹا بنائے اور کسی قوم یا نسل کے زیر اثر ہو؟

عزیزان اسلام! اب اس آیت کا دوسرا اعلیٰ پہلو دیکھو کسی قوم کی قوت اور طاقت کا اصل سرچشمہ یہ ہے کہ اس کا دل کسی ایسی مضبوط بنیاد پر قائم ہو کہ دنیا بھر کی طاقتیں اس کا ایک جگہ جمع ہو کر اس کو لغزش نہ دے سکیں۔ ایک قوم وہ ہے جو اپنا تمام انحصار اس بات پر رکھتی ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں، وہ ہمیں بخشوا لیں گے۔ دوسری قوم وہ ہے جو اپنا تمام انحصار کسی رشی منی یا اوتار پر رکھتی ہے مگر تیسری قوم وہ ہے جس کے دل کا جماؤ صرف اس ذات پر ہے جس کے ایک اشارے نے یہ ساری کائنات بنا دی۔ پس کون ہے جو ایسی ذات پر بھروسہ رکھنے والی قوم کو مغلوب کر سکے؟ مسلمانوں کے اس اعتقاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات تمام کائنات کی خالق و مالک ہے، اسی طرح مسلمانوں کی جماعت خدا کے بعد اس روئے زمین پر خدا کی ذات تمام کائنات کی خالق و مالک ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی جماعت خدا کے بعد اس روئے زمین پر خدا کی خلیفہ اور جانشین قرار پا گئی۔ خدا نے کون کہا اور دنیا بنا دی۔ خدا کی نیابت کرنے والوں نے کون کہا اور مشرق و مغرب کے فساد و مٹا کر ساری مخلوق کو اللہ کے سامنے جھکا دیا۔ مسلمانو! آؤ، یہی قوت پھر پیدا کریں۔

(۱۵۶) مشرک نہ کرو اور علم سے طاقت نہ

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُبَلِّغُنَا اللَّهُ

اور کہا انہوں نے جو علم نہیں رکھتے کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے اللہ

اور یا کفار کیوں نہیں آتی ہم سے پاس | آیتہ اکوئی نشانی

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بے علم لوگ جو اعتراضات اور شبہات پیش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ قرآن خدا کا قانون ہے اور اس قانون پر چلنے والے ضرور غالب آئیں گے۔

عزیزان اسلام! عرب کے مشرک یہ کہتے تھے کہ اگر خدا کو اپنا کلام بھیجنا تھا تو وہ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا؟ یا وہ کوئی ایسی عجیب نشانی اور انوکھی شہادت کیوں نہیں بھیجتا جس سے ہم یہ سمجھ لیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے؟ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس طرح سے انکار کرنے والوں کو اصل ٹھوک کہاں لگتی ہے؟

عزیزان اسلام! آپ اس دنیا میں ہزار ہا قسم کے حیرت انگیز قدرتی نظارے دیکھتے ہیں لیکن ان پر کبھی تعجب نہیں کرتے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک بندھنڈے سے ایک زندہ بچہ نکل آتا ہے مگر آپ کو ذرا حیرانی نہیں ہوتی۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ایک سوکھی لکڑی سے آگ نکل آتی ہے مگر آپ کو اس پر بھی تعجب نہیں ہوتا۔ کہ یہ آگ کہاں سے آئی؟ پھر آپ یہ دیکھتے ہیں کہ ایک سوکھا ہوا درخت چند دنوں کے بعد ہرے ہرے پتوں اور میٹھے میٹھے پھولوں سے لہجاتا ہے۔ لیکن آپ کبھی یہ سوال نہیں کرتے کہ درخت کے اندر سے یہ میٹھا اور سرسبزی کہاں سے نکل آئی؟ لیکن نبوت کے دعویٰ پر بے شمار لوگ تعجب اور حیرانی ظاہر کرتے ہیں اس لئے کہ وہ سوچ یا پانی کو تو نظام قدرت کا ایک حصہ سمجھتے ہیں مگر خدا کی ہدایت اور نبی کے وجود کو ایسا نہیں سمجھتے، اس لئے وہ اس بے دو اعتراضات کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا؟ اور دوسرے یہ کہ نبی کے ساتھ کوئی ایسی عجیب اور انوکھی نشانی کیوں نہیں آتی کہ ہم خود بخود اس کی سچائی تسلیم کر لیں؟ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے الفاظ میں ان دونوں اعتراضات کا جواب دے دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جوں کہ انہیں آسمانی کتابوں کا قدرت کا



اور زندگی کا کوئی علم نہیں ہے، اس لئے وہ یہ اعتراضات کر رہے ہیں۔  
 عزیزانِ اسلام! آئیے، اب خود نظامِ قدرت سے خدا کی ہدایت اور نبوت کی  
 ضرورت سمجھیں۔ آپ دیکھئے، خدا تعالیٰ نے انسانی وجود کے اندر جس قدر بھی قوتیں اور  
 ضرورتیں پیدا کی ہیں، انسانی وجود کے باہر ان سب کو راستہ دکھانے کا سامان بھی پیدا  
 کر دیا ہے، خدانے انسان کے اندر پیاس پیدا کی ہے اور باہر پانی پیدا کیا ہے۔ خدانے  
 انسان کی آنکھیں دیکھنے کی قوت پیدا کی ہے اور آنکھ کو دکھانے کے لئے باہر سورج  
 پیدا کر دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسانی دماغ اور عقل کی راہ نمائی  
 کے لئے کیا بیرونی سامان پیدا کیا ہے؟ یہ بیرونی سامان صرف اللہ کا کلام ہے اور  
 جن شخصوں پر یہ کلام اترتا ہے، انہیں نبی کہتے ہیں اور دنیا میں کوئی قوم اور کوئی ملک  
 ایسا نہیں گذرا، جس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی نہ آئے ہوں۔ پھر ان نبیوں کی  
 تشریف آوری سے دنیا کو جو فوائد سے بھرپور اور اقوامِ عالم کو دنیا اور آخرت کی جو جو  
 بھلائیاں حاصل ہوئیں، ان کی پوری پوری کیفیتِ علم ہی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی  
 ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ خدا کی ہدایت اور نبی کا وجود اس زندگی کو مکمل  
 کرنے کے لئے ہوا، پانی اور سورج سے کسی طرح بھی کم ضروری نہیں ہے۔  
 عزیزانِ اسلام! اس آیت سے سبق ملتا ہے کہ بے علم رہنا کتنی بُری بات  
 ہے۔ اگر عرب کے مشرکوں نے بھی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کیا تو  
 اس کی اصل وجہ بھی ان کی بے علمی (الذین لا یعلمون) تھی۔ ہمارے زمانے  
 کے مسلمان جو اس وقت تمام دنیا کی قوموں سے پیچھے ہیں تو اس کی اصل وجہ بھی ان  
 کی بے علمی ہے۔

## ۱۵۵) تمام کفار کا ایک انجام

۱۵۵) كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ  
 اسی طرح کہا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے مانند ان کے قول کے  
 تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ | عزیزان اسلام! عرب کے مشرک یہ کہا کرتے  
 ملتے ہیں | دل ان کے | تھے کہ خدا خود ہم سے کیوں بات نہیں کرتا،

یا وہ کوئی ایسی اٹوھی نشانی کیوں نہیں بھیج دیتا، جس سے ہم نبی کو پہچان لیں۔ اب  
 آیت یہ کہتی ہے، پہلے مشرکین بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے۔ ان پہلے اور پچھلے گم راہوں  
 کے دل بالکل ایک جیسے ہیں۔ وہ بھی نشانیاں مانگا کرتے تھے یہ بھی نشانیاں مانگتے  
 ہیں، حالانکہ نشانیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اصل کمی علم اور پہچان کی ہے۔ اگر یہ  
 اپنے اندر صحیح علم پیدا کر لیں تو دنیا کے ذرے ذرے اور پتے پتے سے انہیں یہ معلوم ہو  
 جائے کہ انسان کو نبیوں کی تعلیم کی ضرورت کس قدر ہے؟

عزیزان اسلام! یہ قاعدے کی بات ہے کہ جب ہزاروں یا لاکھوں آدمی کسی آیت  
 کا انکار کریں تو اقرار کرنے والوں کی طبیعت بھی ضرور ڈالاں ڈول ہو جاتی ہے۔  
 ابتداء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ایمان لائے والے لوگ بہت ہی تھوڑے  
 تھے، لہذا یہ ہر وقت ممکن تھا کہ اس عام انکار اور مخالفت سے یہ تھوڑے سے  
 مسلمان متاثر ہوں، اس لئے اوپر کی آیت میں خدا تعالیٰ نے پہلے تو مشرکوں کو یہ  
 ہدایت کی کہ تمہیں علم حاصل کرنا چاہیے۔ اب مسلمانوں سے ارشاد فرمایا گیا ہے  
 کہ یہ مشرک لوگ جس قسم کی بے ہودہ باتیں کر رہے ہیں، یہ باتیں کچھ نئی نہیں ہیں، پہلے  
 زمانہ کے منکر اور مشرک بھی اسی قسم کی یہ ہودہ باتیں کیا کرتے تھے۔ اس لئے تم ان کا  
 کچھ خیال نہ کرو جس طرح وہ ناکام ہوئے، اسی طرح یہ بھی ناکام ہوں گے۔

عزیزانِ اسلام! آیت بتاتی ہے کہ ہمیشہ سے ایمان کی اور کفر کی عادت اپنی جگہ پر ایک جیسی رہی ہے۔ ایمان داروں کی مستقل عادت یہ ہے کہ وہ جب بھی سچائی کے ساتھ اللہ اور رسول پر ایمان لے آتے ہیں تو پھر کبھی پیٹھ نہیں دکھاتے۔ اسی طرح کفر راہوں اور منافقوں کی مستقل عادت یہ ہے کہ اگر ذرا سی مصیبت آجائے تو وہ ہمت ہار دیتے ہیں۔ وہ ابھی ایک بات کہہ رہے ہوتے ہیں، لیکن امتحان آنے پر دوسری بات کہنے لگتے ہیں۔ آیت کا مختصر مطلب یہ ہوا کہ پہلے اور پچھلے زمانے کے کافروں اور مشرکوں کے دل ایک جیسے ہیں، اس لئے ان کی عادتیں اور عمل بھی ایک جیسے ہوں گے۔ اور ان عملوں کا نتیجہ بھی ایک ہی جیسا ہوگا پس مسلمانوں کو نہ ان کے اعتراضوں سے گھبرانا چاہئے اور نہ ان کی سختیوں سے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ پہلے زمانے کے کافروں کا انجام کیا ہوا ہے؟ جو کچھ انجام ان کا ہوا، وہی انجام اب ان کا ہوگا۔

عزیزانِ اسلام! آپ سمجھیں کہ شرک اور کفر کی طبیعت جیسی پہلے تھی ویسی ہی اب ہے۔ اگر وہ اسلام کے دوست نہیں تھے تو یہ بھی اسلام کے دوست نہیں ہو سکتے۔ آج بہت سے مسلمان کفار اور مشرکین کی منہی زبان سے دھوکہ کھا رہے ہیں اور ان کے منہ نیک گمان رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا جان و مال اور عزت ان کے ہاتھوں میں محفوظ رہے گا۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ قرآن کی آیت یہ بتاتی ہے کہ کفار جب تک کفار ہیں، ان کی ذہنیت یکساں رہے گی، یعنی وہ اسلام کے دشمن رہیں گے اور مسلمانوں کو ہمیشہ نقصان پہنچائیں گے۔ زبان سے وہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ کہیں، ان کا دل کبھی اسلام کے موافق نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کا فرض یہی ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ کے سبق سیکھیں۔ اور جس طرح پہلے کفار کا مقابلہ کیا گیا، اسی طرح موجودہ کفار کا مقابلہ کریں۔ گراؤ نہیں ہے کہ مسلمان آج اس فرض سے بہت غافل ہو گئے ہیں۔ اگرچہ وہ یہ بات

جانتے ہیں کہ آج بھی کفار اور مشرکین کی وہی حالت ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے  
زمانے کے کفار اور مشرکین کی حالت تھی مگر اس کے باوجود وہ ان طریقوں پر عمل نہیں کرتے  
جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا۔

۱۵۸۔ ایمان کے بغیر آیات بے نتیجہ

قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ه

تحقیق ہم نے بیان کی نشانیاں واسطے قوم کے جو یقین رکھتے ہیں۔

عزیزان اسلام! عرب کے مشرک کبھی یہ کہتے تھے کہ خدا ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا  
کبھی یہ کہتے تھے کہ خدا کوئی ایسی انوکھی نشانی کیوں نہیں بھیجتا جس سے شخص نبی کی  
سچائی کو پہچان لے؛ قرآن پاک نے اس کا ایک جواب یہ دیا کہ مشرکین کو علم حاصل کرنا چاہیے  
آج کی آیت میں دوسرا جواب یہ دیا کہ منکرین کو ضرورت معجزات اور نشانات کی نہیں ہے  
بلکہ ایمان کی ضرورت ہے۔ اس دنیا میں جو شخص جہالت کے ساتھ یہ فیصلہ کرے کہ میں  
کبھی تسلیم ہی نہیں کروں گا تو اس کے لئے جس طرح قدرت الہی کی موجودہ نشانیاں بیکار  
ہیں، اسی طرح نئی نشانیاں بھی بالکل بے کار ہوں گی۔

عزیزان اسلام! مشرکین عرب نے پیغمبر اسلام سے کہا تھا، آپ ہمارے سامنے خشک  
زمین سے ایک چشمہ جاری کر دیجئے، یا شام و فلسطین کی طرح اس ملک میں کھجور اور انگور کا  
ایک ایسا باغ اگائیے جس میں نہریں بہتی ہوں یا آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیجئے،  
یا خدا اور فرشتوں کو حجامن بنا کر اپنے ساتھ لے آئیے یا اپنے لئے ایک سونے کا گھر بنا کر  
دکھائیے یا ابھی آسمان پر چڑھ کر دکھائیے اور وہاں سے اپنے ساتھ ایک کتاب لائیے اگر  
آپ کوئی ایسا کام کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ ان فرمائشوں کے جواب میں  
پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں یا

میں نصیب کی باتیں جانتا ہوں یا میں فرشتہ ہوں بلکہ میں تو صرف خدا کا نبی ہوں، ڈر  
سنانے والا اور خوش خبری دینے والا حضور نے یہ جواب اس لئے دیا کہ ایمان کے بغیر  
نشانات کسی شخص کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ مثال اس کی یہ ہے کہ آپ لاکھ سوچ پیدا  
پیدا کر دیجئے، انہی کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

عزیزان اسلام! آپ غور کیجئے حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ نے کتنے کتنے معجزے  
دیکھے مگر کفار پھر بھی آپ پر ایمان نہ لائے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایمان معجزات کے تابع نہیں  
ہے۔ آپ روزمرہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں طبیعت طبیعت میں فرق ہوتا ہے اور یہ فرق کبھی معجزات  
سے، دلائل اور بحث و مباحث سے دور نہیں ہو سکتا۔ آپ نے سینکڑوں بار دیکھا ہو گا کہ  
زیادہ کھانے کو بہت اچھا کہتا ہے مگر عمر اس کو نہایت بدمزہ بتلا دیتا ہے۔ اسی طرح عمر  
ایک عورت کو نہایت خوبصورت سمجھتا ہے اور جان دیتا ہے مگر خالد اس سے سخت دلچ  
کی نفرت کرتا ہے۔ اب آپ خواہ کتنی ہی دلچسپی یا معجزات دیکھائیں جس چیز کو زیادہ خوبصورت  
سمجھتا ہے، وہ اسے کبھی خوبصورت تسلیم نہیں کرے گا۔ نبوت اور قرآن کے منکرین کی حالت  
یہی ہے۔ وہ ہزاروں نشانات دیکھنے کے بعد انکا ہی پر قائم رہیں گے۔ کیوں؟  
قرآن کہتا ہے، تَشَابَهتُمْ قُلُوبُ بَعْضُهُمْ اِنَّ لَوُكُوفٍ كَے دل ہی اس قسم کے بن گئے  
ہیں، وہ بیماری کی طرح کھانے کو بدمزہ کہتے ہیں حالانکہ خود ان کی قوت ذائقہ خراب  
سے حضرت موسیٰ نے فرعون کو کبھی معجزات دیکھائے مگر وہ سارے معجزات دیکھ لینے  
کے بعد یہی کہتا رہا، هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ۔ تو کتنا جاؤ ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ معجزات  
سے بھی ایمان والے ہی فائدے اٹھاتے ہیں، کیوں کہ ان میں قوت تمیز موجود ہوتی ہے۔  
اسلام کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے مگر افسوس کہ اب ہم سب ہی معجزے سے غافل ہو گئے  
ہیں۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایمان نصیب کرے تاکہ ہم اس کے نشانات کو دیکھ سکیں۔

## ۱۵۹۔ نبوت کی ضرورت

۱۱۹۔ اِنَّا ارْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا

بے شک ہم نے بھیجا تجھ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرسانے والا  
وَلَا تَسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيمِ | اس آیت میں بتایا گیا ہے

اور تو نہ پوچھا جائے گا متعلق اہل دوزخ کے۔ کہ اس دنیا کے نظام میں

نبی کی صحیح پوزیشن اور حیثیت کیا ہوتی ہے؟ منکروں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

کہا تھا کہ آپ نبی ہیں تو ہمیں معجزہ اور نشان دکھائیں خدا تعالیٰ نے اس فرمائش کے دو

جواب دیئے۔ ایک یہ کہ یہ منکرین کی محض بے علمی ہے، اور نہ نبی کی ضرورت اور صداقت

کے نشان پہلے ہی کچھ کم نہیں ہیں۔ دوم یہ کہ منکرین کا دل بیمار ہے اور کبھی ایسا نہیں

ہوا کہ دل کے اندھوں نے معجزات کو دیکھ کر صند چھوڑ دی ہو اور وہ ایمان لے آئے ہوں۔

اب آج کی آیت میں منکرین کو تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ نبی کی صحیح حیثیت سمجھیں۔

نبی نوع انسان کے لئے نبی کا وجود اس لئے ضروری نہیں کہ وہ معجزات دکھائے یا ایک

آدم ہو بلکہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبری دے اور آگے

بڑھنے اور بڑے عمل کرنے والوں کو ڈرائے اور پیچھے ہٹائے۔ باقی رہا معجزات دکھانا،

تو نبی اس چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا، لَا تَسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيمِ اس سے یہ کوئی

نہیں پوچھے گا کہ فلاں شخص دوزخ میں کیوں گیا؟ اگر یہ پوچھا جاتا تو پھر ممکن تھا کہ نبی منکرین

کی ہمت کرتا یا معجزات دکھاتا تاکہ وہ کسی طرح ایمان لے آئیں۔ اور یہ باز پرس سچ جائے۔

عزیزان اسلام! اب یہ دیکھئے کہ قرآن پاک نے نبی کی ضرورت پر جو دلیل پیش کی ہے

اس کے مطابق نوع انسان کو نبی کی ضرورت ہے یا نہیں؟ قرآن کہتا ہے، صلح انسانی

کے لئے ایک ایسی قوت کی ضرورت ہے جو بشیر ہو، تاکہ وہ سب لوگوں کو دنیا اور آخرت کی

خوش خبری سنا کر انہیں انیک عمل کرنے کی ترغیب دے۔ وہ مذہب ہوتا کہ سب لوگوں کو دنیا اور آخرت میں ناکام ہونے سے ڈرائے اور انہیں بڑے عملوں سے غنیحہ رکھے۔ اس کے علاوہ وہ غیر مسئول ہو یعنی وہ غرض کے بغیر ہدایت پہنچائے۔ اس کی ترقی اور منزل یا کوئی دوسری غرض اس پر موقوف نہ ہو کہ فلاں شخص دوزخ میں کیوں گیا؟

مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں بھی اس آیت کا مطلب سن لیجئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: اے پیغمبر! یہ ایک حقیقت ہے کہ تمہیں (خلق اللہ کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے کہ ایمان و عمل کی برکتوں کی بشارت دو اور) انکار حق کے نتائج سے ڈراؤ۔ یعنی تمہاری دعوت تمام تر اسی حقیقت کی دعوت ہے۔ تم خدا پرستی اور نیک عملی کی طرف بلا تے ہو۔ انکار حق اور بد عملی کے نتائج سے ڈراتے ہو، پھر جو لوگ نشانیاں مانگ رہے ہیں، اگر فی الحقیقت ان میں سچائی کی طلب ہے تو غور کرو، ایک طالب صاوق کے لئے تمہاری دعوت سے بڑھ کر اور کونسی نشانی ہو سکتی ہے؟ کیا کسی انسان کے سچے ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ اس کی تمام باتیں صرف سچائی ہی کے لئے ہوں؟ لیکن اگر اس پر بھی یہ لوگ انکار و سرکشی سے باز نہیں آتے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، اور اپنا کام کئے جاؤ، جو لوگ اپنی محرومی و شقاوت سے (دوزخی گروہ ہو چکے ہیں، تم ان کے لئے خدا کے حضور جوابدہ نہیں ہو گے) تمہارا کام صرف پیام حق پہنچا دینا ہے۔

یہی خدا نے خوش خبریاں سنا کر نیک عمل کی ترغیب دی، ڈرنا کر بُرائی سے روکا اور حق کے بغیر حق کی ہدایت کی۔ پھر کیا ضرورت کہ وہ شخص کی فرمائش پر معجزات دکھائیں؟

مشرکین حق سے عدم تعاون

۱۲۰۔ وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ  
اور ہرگز راضی نہ ہونگے تجھ سے یہودی اور نہ نصرانی

حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّةَ مَسْمُومٍ | پچھلی آیت میں پیغمبر اسلام سے خطاب  
 جب تک پیروی نہ کرے تو ان کی ملت کی | کیا گیا تھا کہ منکرین حق، آپ کو معجزات  
 دکھانے کا آلہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ نظام دنیا میں آپ کی اصل پوزیشن یہ ہے کہ آپ اہل  
 یقین کو ایمان و عمل کی خوش خبریاں سنا کر میدان میں نکالیں اور منکرین حق کو  
 انکار حق کے نتائج سے ڈرا کر بھیجے سٹا دیں۔ اب آج کی آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ کفار  
 کا آپ کے ساتھ جو جھگڑا اور فساد شروع ہے، وہ معجزات کے دکھانے سے حل نہیں  
 ہو سکتا۔ معجزات کی فرمائش صرف ایک کٹ جتنی ہے۔ منکرین کا اصل مطالبہ یہ ہے  
 کہ آپ ان کی ملت میں جذب ہو جائیں۔ اس کے بغیر یہود اور نصاریٰ ہرگز ہرگز آپ  
 سے رہنی نہیں ہوں گے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ کون مسلمان ہوں گے جن  
 سے یہودی، عیسائی، مشرکین اور کفار اصولی طور پر خوش رہیں گے؟ یہ وہ مسلمان  
 ہوں گے جو ان کی ملت، یا قومیت، یا سوسائٹی یا ان کی جھٹھ بندی میں شامل ہو جائیں گے  
 یہ ایک ایسا مستقل اصول ہے جو آج تک نہیں بدلا۔ منکرین اسلام نے خود پیغمبر اسلام  
 سے بھی یہی مطالبہ کیا تھا اور آج پیغمبر اسلام کی امت سے بھی اصل مطالبہ یہی ہے،  
 یعنی یہ کہ تم اسلام کی ملت سے تعلق نہ رکھو اور ہندو یا انگریزی کی ملی، قومی یا سیاسی جھٹھ  
 بندی میں جذب ہو جاؤ۔ ”جو مسلمان“ ایسا کرتے ہیں وہ غیر مسلموں کی سرکار سے وزارتیں  
 عہدے، جاگیریں اور خطابات حاصل کر سکتے ہیں۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں قرآن پاک نے یہود و نصاریٰ یا کفار و مشرکین  
 کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک مستقل اصول پیش کر دیا ہے۔ آپ اپنے موجودہ حالات  
 کو سامنے رکھ کر اس اصولی سچائی کا امتحان کریں۔ آج انگریزی قوم پتھر ہی ہے۔



”ہندو قوم کے مفاد کے تابع ہو جاؤ، پھر ہم تمہیں سب کچھ دیں گے۔“ ہندو قوم بھی یہی پکار رہی ہے۔ ہندو قومیت میں جذبہ ہو جاؤ، پھر ہندوستانی اور پھر مسلمان ہونے کا اعلان کرو، جداگانہ انتخاب اڑا دو، مسلم لیگ کو توڑ دو، اپنے علیحدہ حقوق مت مانگو، ملت اسلامیہ کی جدگانہ تنظیم کا خیال ترک کر دو، کانگریس کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرو، مذہب کے ساتھ صرف تم اپنی پرائیویٹ زندگی میں تعلق رکھو اور اس کے بعد جماعتی کاموں، سیاسی معاملات اور پبلک زندگی کے تمام دائروں میں ہندو جماعت اور قومیت کے غلام بن جاؤ۔ جو ”مسلمان“ ہندو یا انگریز کے ان مطالبات کو مان لیتے ہیں، وہ ان پر خوش ہو جاتے ہیں یا آج جن لوگوں کو ہندو اور انگریز کی خوشنودی حاصل ہے، وہ صرف وہی لوگ ہیں جنہوں نے ملت اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کامل طور پر ملت اسلامیہ کے تابع ہو اور پھر اسے غیر مسلم کی سرکار میں عہدے اور عزتیں حاصل ہو جائیں۔

عزیزان اسلام! فیصلہ کن سوال صرف ایک ہے۔ آپ کو کسی ملت کے تابع رہنا چاہتے ہیں؟ اس لئے کہ آپ کسی حال میں بھی دو ملتوں کے وفادار نہیں رہ سکتے یہاں صحابہ کرام کو سبق دیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی خوشنودی سے قطع تعلق کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، کیوں کہ صرف اسی ایک بنیاد پر ملت اسلامیہ کو عروج حاصل ہونے والا ہے۔

صلہ ہدایت کی پیروی پر زور

قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى

کہہ دو بے شک اللہ کی ہدایت وہی ہدایت ہے۔

عزیزان اسلام! پچھلی آیت میں یہ کہا گیا، یہودی اور عیسائی پیغمبر اسلام

مسلمانوں سے یہ کہتے تھے، تم ہماری قومیت کے تابع ہو جاؤ پھر ہم خوش ہو جائیں گے اور امن و امان سے وقت گزرے گا۔ آج کی آیت میں خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہدایت کا یہودیوں اور عیسائیوں کی قومیت سے کیا تعلق؟ خدا کی ہدایت کسی گروہ یا جماعت کی خانہ ساز فرقہ بندی میں مبتلا نہیں ہو سکتی۔ خدا کی ہدایت تو خدا کا ایک قانون ہے، وہ فرقہ بندی سے بالاتر ہے اور وہ جہاں بھی ہے خدا کی طرف سے ہے، اس پر عمل کرنا چاہئے۔

عزیزانِ اسلام! دین، ہدایت اور شہادت کے متعلق اسلام کی خاص تعلیم اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ عدالتوں میں کہا جاتا ہے، یہ مدعی کے گواہ ہیں اور یہ مدعا علیہ کے گواہ ہیں مگر اسلام یہ نہیں کہتا ہے، اسلام کے نزدیک گواہ نہ مدعی کے لئے ہونے چاہئیں اور نہ مدعا علیہ کے لئے۔ بلکہ گواہ صرف اللہ کے لئے ہونے چاہئیں۔ دین اور ہدایت کی بات بھی شہادت کی طرح ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کی ہدایت ہے یہ یہودیوں کا دین ہے، یہ ہندوؤں کا مذہب ہے، مگر اسلام یہ نہیں کہتا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ دین اور ہدایت کا قوموں، نسلوں، شخصوں اور فرقوں کی قید سے کچھ تعلق نہیں ہے، بلکہ ہدایت اور سچائی کے اصول، سورج، چاند اور دوسری قدرتی نعمتوں کی طرح اس دنیا میں پیدے دن سے موجود ہیں، وہ ایک ہی ہیں۔ ایک خدا کی طرف سے ہیں اور سب انسانوں کے لئے یکساں ہیں۔ پس قرآن کے نزدیک ہدایت کی تعریف یہی ہے، اِنَّا هُدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى۔ ایک خدا نے سب انسانوں کے لئے جو ایک مشترک تعلیم ہدایت بھیجی ہے۔ اصل ہدایت وہی ہے اور اسی کا نام الدین یا الاسلام ہے۔ اس ہدایت کی ٹھیک اور صحیح ضد فرقہ بندی ہے۔ اب عام لوگ اس بات پر زور نہیں دیتے کہ دنیا اور آخرت کی اقبال مندی کے

لئے خدا تعالیٰ کے پیچھے ہوئے اصولوں پر عمل کرنا چاہیے، بلکہ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ زید کو جو فلاں فرقے میں شامل ہے، ہمارے فرقے میں شامل ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر وہ نجات نہیں پائے گا۔ تعلیم تو یہ تھی کہ لوگ خدا کی ہدایت پر عمل کر کے کامیاب ہوں گے، مگر یہ کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ ہمارے فرقے میں شامل ہوں گے وہی کامیاب ہوں گے۔ عزیزانِ اسلام! آپ تو کئی بات سمجھیں۔ خدائی اصول کے مطابق راہِ نجات یہ ہے کہ ایمان اور عمل کے معاملہ میں خدا تعالیٰ کے بتلائے ہوئے ایک ایک اصول کی پیروی کی جائے مگر افسوس کہ ہم اس چیز کی بات بھوکو بالکل بھول گئے ہیں جس طرح یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے یہ کہتے تھے، آپ ہمارے فرقے میں شامل ہو جائیں، پھر آپ کی نجات ہوگی۔ اسی طرح ہم مسلمانوں کے فرقے بھی ایک دوسرے کو یہی کہہ رہے ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں سب لوگ شیعہ ہو جائیں پھر نجات ہوگی۔ اہل حدیث کہتے ہیں سب لوگ اہل حدیث ہو جائیں پھر نجات ہوگی۔ یعنی یہ کہتے ہیں، سب لوگ حنفی ہو جائیں پھر نجات ہوگی۔ حالانکہ کوئی مسلمان کسی بھی فرقے میں رہے اور پر شامل ہونے سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ ازی اور ابدی سچائی یہ ہے کہ خدا کی ہدایت اور خدا کے بتلائے ہوئے اصول و واضح طور پر سب انسانوں کے سامنے موجود ہیں، خدا کا قول یہ ہے کہ جو بھی شخص ان اصولوں پر عمل کرے گا، وہ کامیاب ہو جائے گا، قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ هُوَ الْخَيْرُ - اسے نبیؐ! کہہ دو، اصل ہدایت، اللہ کی ہدایت ہے، جس پر سب انسانوں کو عمل کرنا چاہیے۔

۱۶۲۔ ممانعتِ پیروی اختیار

وَلٰئِنْ اَتَّبَعْتُمْ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكُمْ  
اور اگر پیروی کی تو انہیں خواہشوں کی ان کے بعد اس کے کہ آیا تیرے پاس

مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيْرٍ

کچھ علم نہیں ہوگا واسطے تیرے اللہ کی طرف سے کوئی دوست اور نہ مددگار۔ یہود اور نصاریٰ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان ان کی بنائی ہوئی ملتوں کے پیرو بن جائیں۔ اس کا ایک جواب یہ دیا کہ اسلام جو عالم گیر خدائی سچائیوں پر عمل کرانے آیا ہے وہ فرقہ بندی کی غلاظتوں میں کیوں کھنس سکتا ہے؟ اب آج کی آیت میں اسی معاملے کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔ اے نبی! اگر آپ نے علم و روشنی کے بل جانے کے باوجود ان لوگوں کی خواہشات پر عمل کر لیا تو تمہارا تعلق خدا کی دوستی اور مددگاری سے بالکل کٹ جائے گا۔ اس آیت میں جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ سے مراد خدا کی ہدایت اور قرآن ہے اور أَهْوَاءَهُمْ سے مراد یہود و نصاریٰ کا قومی اور ملی مفاد اور گروہ بندی ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی شان یہ ہے کہ خدا کی عالم گیر سچائیوں پر جو سب انسانوں کے لئے ہیں، عمل کریں، نہ کہ شخصی اور قومی خواہشات پر۔ خدائی دین کی بنیاد یہ ہے، اللہ سب کا مالک، انسان آپس میں بھائی بھائی، نوع انسان کی بہتری، بھلائی اور ترقی سب انسانوں کا مشترکہ دین ایک وقت تمام معروف دین انسانی دین تھے، بہتر وقت حالات اور قومی تجربات کے مطابق شریعتیں الگ الگ ہو گئیں۔ اس کا وحدت انسانی کا اصل اصول ہر قوم نے بھلا دیا اور رسوم، شریعت اور تہبیدی قوانین کو اپنا قومی دین بنا لیا۔ اس طرح انسانی دین ختم ہو گئے اور قومی دین بن گئے۔ یہاں تک کہ اب ہر فرد یہ دعوائے کر رہا ہے کہ صرف میں حق پر ہوں اور باقی سب لوگ کافر اور گمراہ ہیں۔ خواہشات کی تابعداری یہی ہے اور اسی مقام پر اَنْ بِنِ الْفِئَقِ میں پتلا ہو کر ماد الہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔

## (۱۶۳) صحیح تلاوت کا نتیجہ ایمان

۱۳۱۔ الَّذِينَ اتَّيْتَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ

وہ لوگ کہ وہ تم نے ان کو کتاب وہ پڑھتے ہیں اس کو حق

تِلَاوَتِهِمْ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ | عزیزانِ اسلام! اس  
پڑھنے کا یہی لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر۔ آیت میں یہ ظاہر کیا

گیلے ہے کہ ہر ایک شخص جو اہل کتاب کی مردم شماری میں شامل ہو، اہل ایمان نہیں

ہو سکتا۔ اہل ایمان ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خدا کی کتاب کو ایسا پڑھے،

جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ سچے دل سے پڑھے۔ سبق حاصل کرنے کے لئے پڑھے۔

عمل کرنے کی نیت سے پڑھا جائے اور معنی اور مطلب پر غور کرے۔ آیت کہتی ہے

کہ ایسی ہی تلاوت سے ایمان پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر پیغمبر اسلام کے زمانہ میں یہود

و نصاریٰ کی یہ حالت نہیں تھی۔ وہ اپنی آسمانی کتابوں کا صحیح مطالعہ تو کرتے تھے

تھے، البتہ تورات اور انجیل کے نام کو اپنے قومی فخر کے لئے ضرور استعمال کر لیتے تھے

مثلاً جب کسی مجلس میں بیٹھتے تو اس پر فخر کرتے کہ ہم اہل کتاب ہیں۔ ہم پر تورات

نازل ہوئی ہے، ہم پر انجیل اتری ہے اور ہم سے زیادہ کوئی سچائی کا حامل نہیں۔

یہ تو تھا ان کا زبانی دعویٰ اور عمل کی حالت یہ تھی کہ ان کے پیشوا کھلے بندوں پر آ

اور انجیل کے حکموں اور آیتوں کے مضمون تک میں رد و بدل کر دیتے تھے، مگر ان

دعویٰ کتاب کو اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ کہ خدا کی کتاب الٹ پلٹ کی جارہی

ہے۔ اس بے خبری کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ تورات اور انجیل کے صرف نام سے

واقف تھے، انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کتابوں میں لکھا کیا ہے؟ اگر وہ کبھی

توریت و انجیل کی تلاوت کرتے بھی تھے تو طوطے کی طرح صرف لفظوں کی رٹ

لگاتے تھے، نہ معنی سمجھتے تھے اور نہ مطلب۔ پھر جب معنی ہی معلوم نہ ہوں تو عمل کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جو شخص نہ کتاب کے معنی سمجھے اور نہ عمل کرے، اس پر ایمان کی راہ کیسے کھل سکتی ہے؟ اسی واسطے ارشاد ہوا، الَّذِينَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ حِينَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، يَتْلُوْنَهُ حَقَّ تِلَاوَاتِهِ، اور وہ کتاب کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح کہ پڑھنے کا حق ہے، اُولَٰئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ، انہی کے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جو شخص اللہ کی کتاب کی تلاوت کا صحیح حق ادا نہیں کرتا، وہ ایسا ہے کہ گویا وہ اس پر ایمان ہی نہیں لایا۔

عزیزانِ اسلام! آپ اس آیت کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس میں صاف طور پر یہ کہہ دیا گیا ہے کہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کا دعویٰ صرف اسی شخص کو زیبائے جو اس کتاب کی تلاوت کا حق ادا کرے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ طوطے کی طرح سمجھے بغیر ٹیچے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اگر تلاوت کا حق ادا کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اس کتاب پر ایمان لایا۔ — برادرانِ اسلام! غور کیجئے، ہماری آج کی تلاوت کیسی ہے؟ ہم قرآن پڑھتے ہیں تو معنی معلوم نہیں۔ معنی معلوم ہے تو عمل معلوم نہیں اور عقیدہ یہ ہے کہ ہر طرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، دس بدیاں دُور ہوتی ہیں اور دس درجے بلند ہوتے ہیں۔ حالاں کہ یہ عمل کرنے والوں کی باتیں ہیں۔ اس طرف طوطے کی طرح تو ایک مشرک اور کافر بھی قرآن پڑھ سکتا ہے۔ بھائیو! اصل چیز عمل ہے۔ عمل کی طرف توجہ کریں۔ باعمل قومیں ہی اس دنیا میں کامیاب ہو رہی ہیں اور باعمل قومیں ہی وہاں کامیاب ہونگی۔ وہ عقیدہ اور علم اور ایمان جس کے ساتھ عمل نہیں ہے کبھی قبول نہیں کیا جائیگا۔ عمل کیجئے، عمل میں بڑی برکت ہے۔

## ۱۶۴۔ انکارِ تلاوتِ اصلِ خسارہ

وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ

اور جو کفر کریں اس کا پس وہ ہیں نقصان اٹھانے والے

عزیزانِ اسلام! اس آیت کے پہلے حصے میں کہا گیا ہے کہ اہل کتاب میں جو لوگ

کتابِ الہی کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، دراصل وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ آج

کہا گیا ہے، مگر جو انکار کرتے ہیں وہ نقصان اٹھائیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ کفر اور ایمان

ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ چوں کہ اس آیت میں "يُؤْمِنُونَ بِهِ" ان لوگوں کے

متعلق کہا گیا ہے جو "حَقِّ تِلَاوَتِهِ" کے مصداق ہیں۔ اس واسطے "يَكْفُرُ بِهِ" کے

مصداق بھی لازمی طور پر وہی لوگ ہوں گے جو حَقِّ تِلَاوَتِهِ کے اُلٹ چلتے

ہیں۔ اگر آیت کے الفاظ میں اُلٹ پھیر نہ کیا جائے تو اس کے صاف معنی یہ

ہو گئے، اہل کتاب میں جو لوگ کلامِ اللہ کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہ ایماندار

ہیں، لیکن وہ لوگ جنہوں نے تلاوت کا فرض ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے

وہ کافر ہیں۔ ایسے لوگوں کو ایمان کا زبانی دعویٰ کچھ مفید نہ ہو گا۔ اور ان کا شمار

ضروری طور پر نقصان اٹھانے والی جماعت میں ہے۔ اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا

ہوں کہ جو قوم کسی کتاب پر ایمان لائے، اُس پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ کتاب کی

ٹھیک ٹھیک تلاوت بھی کرے لیکن اگر وہ یہ فرض ادا نہیں کرتی تو صرف زبانی ایمان

کا دعویٰ اس کو دنیا یا آخرت کے نقصانات سے کبھی نہیں بچا سکے گا۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی غلطی اور

گمراہی کا پردہ کھول دیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ "ہم قرآن پر ایمان لائے"

میں پوچھتا ہوں کہ آپ کے اس دعویٰ کی کچھ حقیقت بھی ہے یا آپ کا یہ دعویٰ

نہرے لفظ ہی لفظ ہیں؛ اگر ایمان لائے کی آواز طوطے اور مینا کی طرح صرف  
الفاظ کی ایک رٹ ہے تو یاد رکھئے کہ چند زبانی الفاظ کے بول دینے سے آپ کو  
کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اگر "قرآن پر ایمان لائے" کے الفاظ کی کچھ حقیقت ہے تو  
ضروری ہے کہ آپ اس حقیقت کو ظاہر کریں اور اس کا ثبوت بھی بہم پہنچائیں۔  
عزیزانِ اسلام! "قرآن پر ایمان لانے" کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو قرآن کے ہر حکم  
اور ہر آیت کا علم ہو اور آپ جب بھی کوئی کام کریں، اُس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ حکم  
قرآن کی تعمیل کر رہے ہیں۔ پس "قرآن پر ایمان لانے" کی سب سے پہلی نشانی یہی  
ہے کہ آپ قرآن کریم کی با معنی تلاوت کر کے اس کے تمام احکام سے واقف ہو جائیں  
لیکن افسوس کہ ہمارا یہ حال نہیں ہے۔ ہم روزانہ قرآن پڑھتے ہیں مگر اس کا ایک  
حرف بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم جیسے تلاوت قرآن سے پہلے ہوتے ہیں،  
ویسے ہی تلاوت قرآن کے بعد رہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ہم قرآن  
پڑھ کر ہماروں کو دم کر دیتے ہیں۔ آیتوں کا تعویذ بنا کر گلے سے لٹکا لیتے ہیں۔ قرآن  
پڑھ پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں، قرآن کو قسموں اور شہادتوں میں استعمال کرتے  
ہیں۔ حالانکہ قرآن میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کو تعویذوں، قسموں  
یا جھاڑ پھونک کے لئے اتارا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عمل و  
اطاعت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ قرآن انسانی زندگی کا قانون ہے۔ کسی قوم یا  
شخص کو زندگی سے موت تک جتنی بھی ضرورتیں پیش آ سکتی ہیں، قرآن میں  
ان سب کے متعلق سچی اور مکمل ہدایتیں درج ہیں۔ قرآن پر ایمان لانے والوں  
کا پہلا فرض ہے کہ وہ ایک دفعہ اطمینان کے ساتھ قرآن کا مطالعہ کریں اور قرآنی  
حکموں سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ دوسرا فرض یہ ہے کہ اس چند روزہ



زندگی کی ہر ہریات اور ہر ہر کام میں قرآنی حکموں کی تعمیل کریں۔ جو لوگ ان دونوں باتوں میں پورے اترینگے، انہی کے متعلق خدائی فیصلہ ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لانے والے ہیں اور وہی لوگ دنیا اور آخرت کے نقصانات سے بچے رہیں گے۔

## بنی اسرائیل سے آخری خطاب

۱۲۵۔ خلافت کے حق دار بنو!

۱۲۲۔ یٰبَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت جو بخششیں نے تم کو

وَ أَيْتِي فَصَلَّيْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۗ | عزیزانِ اسلام! ۲۲ ویں

اور یہ کہ بڑائی بخشش تم کو تمام جہانوں پر | آیت سے بنی اسرائیل کا ذکر

شروع ہوا تھا اور اب ۱۲۶ ویں اور ۱۲۳ ویں آیت پر یہ ذکر ختم ہوتا ہے جب

قرآن پاک نے بنی اسرائیل کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی

دعوت دی تو فرمایا، اے بنی اسرائیل! میری نعمتیں یاد کرو جو میں نے تمہیں انعام

کیں اور تم کو دنیا کی قوموں پر بزرگی دی، اب تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

ایمان لا کر اس دن کی پلڑے سے بچ جاؤ، جب کہ نہ تو کوئی انسان کسی دوسرے

انسان کے کام آئے گا، نہ کسی کی دُور بھاگ اور سفارش سنی جائے گی، نہ کسی

طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی دوسری امداد کام دے سکے گی۔ بنی اسرائیل

کا ذکر انہی دو آیتوں سے شروع ہوا اور اب انہی دو آیتوں پر ختم کیا گیا۔ قرآن

پاک کی اگلی سورتوں میں بھی جہاں بنی اسرائیل کا ذکر ہے، اسی آیت کو بار بار

دہرایا گیا ہے۔ اس لئے دہرایا گیا ہے؟ کیوں کہ یہ دونوں آیتیں بنی اسرائیل

کی دنیوی سرداری اور آخری بھلائی پر حاوی ہیں۔ ۱۲۲ ویں یعنی آج کی آیت

میں یہ کہا گیا ہے، اے بنی اسرائیل! تم میری دنیوی نعمتوں کو یاد کرو اور خاص طور پر اس نعمت کو یاد کرو کہ میں نے تمہیں دنیا کی تمام قوموں پر بزرگی دی۔ اور اپنی اس شاندار تاریخ کو یاد کر کے پھر ایمانی تعلیم پر قائم ہو جاؤ اور پہلے کی طرح اپنی قومی بزرگی کے وارث بن جاؤ۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں کسی قوم یا جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اسے دوسرے لوگوں پر بزرگی اور برتری حاصل ہو۔ بنی اسرائیل کی اس جماعتی برتری اور بزرگی کے بار بار دہرانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مردہ دل قوم کو جگانے اور اٹھانے کا خدائی قانون یہی ہے کہ اس کے سامنے اس کے سیاسی غلبہ اور قومی برتری کی تاریخ بار بار دہرائی جائے۔

عزیزان اسلام! بنی اسرائیل کو قبولیت کے زمانہ میں جو آخری درجہ ملا، وہ "حکومت علی العالمین" نہیں بلکہ "فضیلت علی العالمین" ہے یعنی "جہان والوں پر حکومت" نہیں بلکہ "جہانوں پر فضیلت"۔ جہان والوں پر حکومت کے یہ معنی ہیں کہ ایک جماعت حاکم ہو اور باقی جہان والے اس کے غلام ہوں بلکہ "جہانوں پر فضیلت" کے یہ معنی ہیں کہ ایک جماعت بزرگ بن کر زمین، پانی، آگ، بجلی، چاند، سورج، حیوانات، نباتات اور نوع انسان کے اصل مقصد حیات کو سمجھے اور ان سب کو خدائی قانون کے مطابق کام میں لگائے۔ اور یہی درجہ خلافت ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ مسلمان حاکم ہوں اور دوسرے انسان ان کے غلام ہوں۔ بلکہ اسلام کے نزدیک حکومت صرف خدا کا حق ہے اور خدا کی باقی ساری مخلوق پر خدا کی غلامی کا حق یکساں طور پر عائد ہوتا ہے۔ اس میں مسلم و غیر مسلم یا انسان و حیوان کے اندر کچھ بھی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ ہر مخلوق کو حکم خدا کے

مطابق زندگی بسر کرنا چاہئے اور درجہ خلافت سے مراد یہ ہے کہ انسان خدائی اخلاق سے آراستہ ہو کر حکیم خدا کے مطابق مخلوق کا نظم و نسق کرے۔ یہی درجہ اس دنیوی زندگی میں انسانی کمال کی انتہا ہے۔ یہ فضیلت علی العالمین ہے اور یہی وہ قرآنی نعمت ہے جسے مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہئے۔ یہ اس وقت ہو گا جب مسلمان تفرقہ چھوڑ دیں، ایک جسم بن جائیں، ایک امیر کے ماتحت بیک وقت حرکت کریں، بیک وقت قربانی دیں۔ جب تک کسی جماعت کا اجتماعی نظام درست نہ ہو، وہ کبھی برتری حاصل نہیں کر سکتی اور یہ جو مسلمانوں کی برتری کے وعظ کہے جاتے ہیں، یہ برے الفاظ ہیں۔ عملی حالت خود وعظ کرنے والوں سے چھپی ہوئی نہیں۔

### ۱۶۶۔ آخرت کے لئے عمل لاؤ

۱۲۳۔ وَاللَّعْنَةُ يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ

اور سچو اس دن سے کہ کام نہیں آئیگا کوئی کسی کے کچھ اور نہ قبول ہوگا

مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ

اسکی طرف سے کوئی بدلہ اور نہ نفع دیگی اسکو کوئی شفاعت اور نہ وہ مردوئے جانے

عزیزان اسلام! پہلی آیت میں یہودیوں کی عظمت اور بڑائی کا ذکر کیا گیا، تاکہ ان

کے دلوں میں پھر امید پیدا ہو، وہ ناامیدی اور ذلت کے ماتم سے نکلیں اور پھر اپنی قدیم

عزت اور شرافت کا خیال کر کے مردوں کی طرح میدان میں نکل آئیں۔ آج کی آیت میں

یہودیوں کے ان عقیدوں کو رد کیا گیا ہے جنہوں نے ان کو بزدل، پست، تہمت اور بیکار

بناد رکھا تھا۔ یہودیوں کے دلوں میں یہ غلط خیال بیٹھ چکا تھا کہ اگر ہم دنیا میں ذلیل اور

غلام ہو گئے ہیں تو کچھ غم نہیں۔ یہ چند روزہ زندگی تو کسی نہ کسی طرح جوں توں کر کے گزری

جائے گی، لیکن اس کے بعد جب آخرت آئے گی تو بہشت کے مزے صرف ہمیں لوگ

ٹوٹتے رہیں گے۔ یہودی کی یہ غلطی زندگی کے نظام کو نہ سمجھنے کا نتیجہ بھی۔ آپ دیکھیں، اگر اس دنیا کا نظام ایسا ہوتا کہ ایک شخص گریہوں فوتا اور گھاس اُگ آتی۔ دوسرا شخص ساگ فوتا اور سیب لگ پڑتے تو انسانی زندگی کس قدر اتر ہو جاتی۔ کسی بھی انسان کو اپنی محنت اور کمائی پر پھر دوسرے باقی نہ رہتا۔ سب انسان حیران و پریشان ہو کر رہ جاتے۔ اس دنیا میں نہ کوئی عدل ہوتا نہ نظام ہوتا اور کسی شخص کو بھی اپنے کاموں کا کوئی فکر باقی نہ رہتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ایسا نہیں۔ یہاں کے تمام کام ایک قانون فطرت کے مطابق چل رہے ہیں۔ اب فرمائیے کہ جب فنیوی نظام کا یہ حال ہے تو آخرت کا نظام کس قدر اعلیٰ اور زبردست ہو گا؟ وہاں کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص تو صرف زبان ہلا کر یا چند الفاظ پڑھ کر باغ و بہشت کا مالک بن جائے اور دوسرا شخص ہزار ہا محنت اور نیکی کے باوجود بھی کچھ حاصل نہ کر سکے۔ دنیا ہو یا آخرت، خدا تعالیٰ کا قانون یہ ہے، فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ  
وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ جو شخص ذرہ بھر نیکی کرے گا، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

عزیزانِ اسلام! یہودی یا عیسائی یہ کہتے تھے، ہم رسول اللہ پر کیوں ایمان لائیں؟ ہمیں اپنے گناہوں کا کیا غم ہے، حضرت عیسیٰؑ یا حضرت موسیٰؑ یا ہمارے پیر اور ولی ہمیں خود بخشوا لیں گے۔ فرمایا، لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ۔ اے یہود! تم غلطی کرتے ہو۔ وہاں کوئی شخص کسی شخص کا بدلہ نہیں دے سکے گا۔ ہر شخص کا اپنا عمل ہو گا اور اپنا بدلہ پھر عیسائی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ خدا کا اکلوتا بیٹا، ہمارے گناہوں کے بدلے سولی چڑھ گیا ہے اور وہ اپنی جان کا فدیہ دے کر گنہ گاروں کو عذاب سے چھڑا لے گا۔ اس کا جواب یہ دیا ہے، لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ، اے

نصاری! تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ وہاں کوئی فدیہ یا نذرانہ قبول نہ کیا جائے گا۔ اپنا عمل لاؤ گے تو نجات ہوگی۔ پھر یہودی اور عیسائی یہ بھی کہتے تھے کہ ہمارے نبی خدا کے دربار میں لے جائیں گے اور سفارش کر کے دوزخ کی بجائے جنت میں بھیجا دیں گے فرمایا، وَلَا تَفْتَحْهَا شَفَاعَةٌ، وہاں کوئی سفارش اور شفاعت کام نہیں دے گی۔ اور آخر میں فرمایا، وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ، وہاں کسی اور قسم کی امداد بھی نہیں ملے گی۔ اہل کتاب کو سفارش، شفاعت، فدیہ اور صلیب وغیرہ کے عقیدوں نے عمل و ایمان کی راہ سے بالکل محروم کر رکھا تھا، اس لئے اس آیت میں ان کے تمام غلط عقیدوں کو بالکل رد کر دیا گیا ہے۔ قرآن کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے قدموں پر کھڑے ہوں اور اپنی کوشش اور محنت ہی سے اپنی دنیا اور آخرت کا محل بنائیں۔ صرف نفعی دعووں سے کوئی شخص کسی نبی کی شفاعت کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

مسلمانو! تم بھی ایسے غلط خیالات میں اچھ کر عمل سے محروم نہ رہو۔

### ابراہیمی امامت کا قیام

۱۶۔ حضرت ابراہیمؑ اور وعدہ امامت

۱۲۴- وَرَآءِ ابْنِ اِبْرٰهٖمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّوْنَهَا

اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو اسکے رب نے کچھ باتوں میں تو اس نے پورا کر دیا انکو

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا | عزیزان اسلام! یہود

فرمایا بیشک میں تمکو بنانے والا ہوں لوگوں کے لئے ایک امام۔ اور نصاریٰ خانہ ساز

گمراہیوں، فسادوں، فرقہ بندیوں اور بے دینیوں میں گھر چکے ہیں خدا کے احکام کی

اطاعت سے بے پروا ہیں۔ اب وہ اس قابل نہیں رہے کہ احکام خدا کی اطاعت

کر کے خدا کے رنگ میں رنگے جائیں اور نشانے الہی کے مطابق دنیا کا انتظام کریں۔ اس لئے

ضروری ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ایک نئی جماعت ظہور میں آئے، وہ حکیم خدا کی پابند ہو اور اخلاق الہی کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو، وہ دنیا میں قانون الہی کی پابندی کا نمونہ ہوتا کہ دوسرے لوگ بھی اس کے اثر سے اطاعت کی راہ پر چل پڑیں۔ — عزیزان اسلام! ظاہری طور پر یہ کہا گیا ہے کہ اب ایک نئی جماعت کو خلافت الہی کا تاج پہنایا جائے گا مگر دراصل کوئی نئی جماعت پیدا ہونے والی نہیں تھی۔ خدا تعالیٰ کے ازلی اور ابدی دین کے ذریعہ سے کوئی ایسی نئی جماعت ظاہر نہیں ہو سکتی، جس کا پہلی سچائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ خدا کا دین دراصل وہی ایک دین ہے جس کا وعدہ حضرت آدم علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسانی زندگی کو شروع کیا تو اسی وقت یہ فرمایا تھا، میری طرف سے وقت وقت پر ہدایت نامے آتے رہیں گے، جو لوگ ان پر عمل کریں گے، ان کے لئے کوئی غم اور خوف باقی نہیں رہے گا۔ اس وعدہ اولین کے مطابق ہر قوم میں نبی بھیجے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھے۔ آپ کی مختصر زندگی یہ ہے، آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے آپ شام میں پیدا ہوئے۔ باپ کا نام آذر تھا جو بت بنا کر روٹی کھاتا تھا۔ وقت کا بادشاہ نمرود تھا۔ اس نے سلطنت کے بڑے بڑے مندروں میں بت رکھوا دیئے تھے اور عام رعایا ان بتوں کی پوجا کرتی تھی حضرت ابراہیم نے خدا کی توحید کے متعلق اپنے باپ، قوم اور بادشاہ کے ساتھ کئی مقابلے کئے اور فتح پائی۔ آج کی آیت میں حضرت ابراہیم کے انہی آزمائشوں میں کامیاب رہنے کا ذکر ہے۔

عزیزان اسلام! وہ خلافت جو یہود اور نصاریٰ کی بجائے، قرآن والوں کو دی جا رہی ہے، اس کے بانی حضرت ابراہیم ہیں۔ آیت بتاتی ہے کہ اس ابراہیمی خلافت

وامامت کی اصل بنیاد کیا تھی، یہ بھی کہ خدائی نے حضرت ابراہیمؑ کو چند باقران میں آزمایا  
 آپ یورپ سے اترے۔ اس پر آپ حکم خداوندی انسانوں کے امام بنا دیے گئے۔ قرآن  
 امامت کے قیام کے وقت ہی یہ بنیادی بات سنائی گئی تھی تاکہ یہ معاہدہ عوام  
 ہو جائے کہ ابراہیمؑ کی خلافت پھر لوں گا لیس نہیں ہے۔ بلکہ وہ خدا کے امتحانوں میں پہنچنے  
 آنے کا قدرتی پل ہے پہلے امتحان ہے اور اس کے بعد خلافت ہے۔ خلافت کے  
 امیدواران کو امتحان کے لئے تیار ہو کر آنا چاہیے۔

عزیزان اسلام! امام اس کو کہتے ہیں۔ بڑی جماعت کے آگے ہو اور دوسرے  
 لوگ اس کے نماز کی پیروی کریں۔ حضرت ابراہیمؑ انہی معنوں میں ایمان رکھنے والے  
 ہیں یہود و نصاریٰ جب تک ان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ وہ بھی لوگوں کے آگے  
 لیکن جب آج کے مسلمانوں کی طرح وہ حضرت ابراہیمؑ والے میدانوں میں کھڑے  
 ہونے کے قابل نہ رہے۔ تو ان کی امامت ختم ہو گئی۔ اور ان دنیا میں مسلمانوں کا پیروی  
 کرنے والے لیکن آج مسلمان پھر عربوں کا پیروی کر رہے ہیں۔ اسی سے اہل یورپ  
 امام اور ہم غلام ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ اب پھر اس امت میں ابراہیمؑ کی اصولوں کو  
 زندہ کیا جائے۔

### ۱۲۔ وعدہ امامت اور اولاد ابراہیمؑ

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَمُنُّ عَهْدِي الْعَالَمِينَ

کہا اور میری اولاد سے کہنا نہیں بیچیا عہد میرا ظالموں تک کو

عزیزان اسلام! جب حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام، خدا تعالیٰ کے امتحان میں

آئے تو آپ نے ان کے امام بننے کے لئے اس وقت آپ سے کہا کہ

میں نے تم سے عہد نہیں لیا کہ تم میری امت بنو گے۔

کے ساتھ کائناتِ محمدی (ص) میں سے ابراہیم (ع) تیری امامت ایسی نہیں ہے جسے  
 ایک قوم دوسری قوم کو قتل کر کے اس پر غالب آجائی ہے بلکہ تیری خلافت اللہ کا  
 وعدہ ہے۔ لہذا ظلم کرنے والوں کے سوا یہ تیرے بعد بھی جاری رہے گا۔  
 عزیزانِ اسلام! آج کی آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کی امامت اور خلافت  
 ایک خدائی وعدہ ہے۔ اور قانونِ الہی پر چلنے کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔ یہ امامت  
 کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اسی لئے صاف کہہ دیا گیا۔ جو لوگ ظلم و گناہی راہ اختیار  
 کریں گے۔ ان کا میرے اس وعدہ میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

عزیزانِ اسلام! جب اسلام ظاہر ہوا، عرب میں یہودی، انصاری اور مشرکین  
 میں گروہ موجود تھے۔ اور سب کے سب حضرت ابراہیم کے نام لیوا تھے۔ اور ان محروم  
 رہے اور اس لئے محروم رہے کہ حضرت ابراہیم کی حفاظت کوئی نئی چیز نہیں تھی کہ  
 ان کی اولاد یا ان کے چھوٹے اور بے عمل نام لیواؤں کو بھی شامل رہتی۔ حضرت ابراہیم  
 کی امامت کا ابتدائی واقعہ پیش کر کے قرآن یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کہ یہودی، انصاری اور  
 مشرکین عرب حضرت ابراہیم کا طریقہ چھوڑ چکے ہیں۔ اس لئے وہ ابراہیم کی وراثت  
 سے محروم کر دئے گئے۔ اور خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے  
 ابراہیم کی خلافت کا تاج مسلمانوں کی پیشانی پر رکھ دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کا  
 تاج آپ کی پیشانی پر ہے یا آپ کہیں گئے کہ نہیں ہے۔ لیکن یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے  
 آپ کو سوچنا یہ چاہئے کہ کیوں ابراہیم کی وراثت سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا سبب  
 وہی ہو سکتا ہے جو یہود اور انصاری کی محرومی کا سبب تھا۔ جب انہوں نے ابراہیم  
 طریقے کو چھوڑ دیا تو خدا نے ان کا کچھ لگاؤ نہ کیا۔ اور زبان سے حضرت ابراہیم کا نام



دیکھتے دیکھتے مگر خدا نے زبان کو نہ دیکھا اس لئے یہ دیکھا کہ ان کا عمل بھی حضرت ابراہیم  
 کے مطابق ہے یا نہیں، آجیو کہ عمل مطابق نہ تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم کے نام لیوا ہونے  
 کے باوجود انہیں حضرت ابراہیم کی سند سے انوار یا گیا۔ یہی تاریخ اب مسلمانوں پر  
 وبراہی جا رہی ہے۔ یہ کافی کہیں ہے کہ آپ صرف زبان سے حضرت ابراہیم کا نام لیتے  
 رہیں۔ درود پڑھتے رہیں۔ عید گاہ میں گھرے ہو کر کہانیاں سننے رہیں۔ اور ان کی یاد  
 میں جو چیزیں ہیں ان کی قربانیاں کرتے رہیں۔ حضرت ابراہیم کی یہ ظاہری یادگار ہیں  
 صرف اسکی صورت میں کوئی اسلوب نتیجہ پیدا کر سکتی ہیں۔ جب کہ آپ کے اندر حضرت  
 ابراہیم کی توحید، ایمان، قربانی، محبت، ترک و لکھنا اور کا جذبہ بھی موجود ہو  
 آپ ترک سے بچیں، فرقہ بندی سے بچیں، خدا کی ذات پر قانع ہو جائیں، خدا کے  
 لئے بے جان و مال کو قربان کرنا سیکھیں، اور خدا کی نصیحتوں کو راحت سمجھیں  
 اور کسی وقت بھی حکم خدا سے نابل نہ ہوں، آپ اس کے بعد ہی وعدہ الہی کے وعدہ  
 دار بن سکتے ہیں۔

باب ثلث ابراہیم اور اس کا مرکز

وَأَمَّا إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِلرَّبِّ رَبِّ الْعَالَمِينَ  
 ابراہیم نے کہا کہ اے خدا کے رب عالموں کا  
 رَبِّ الْعَالَمِينَ ابراہیم نے کہا کہ اے خدا کے رب عالموں کا  
 رَبِّ الْعَالَمِينَ ابراہیم نے کہا کہ اے خدا کے رب عالموں کا  
 رَبِّ الْعَالَمِينَ ابراہیم نے کہا کہ اے خدا کے رب عالموں کا  
 رَبِّ الْعَالَمِينَ ابراہیم نے کہا کہ اے خدا کے رب عالموں کا  
 رَبِّ الْعَالَمِينَ ابراہیم نے کہا کہ اے خدا کے رب عالموں کا  
 رَبِّ الْعَالَمِينَ ابراہیم نے کہا کہ اے خدا کے رب عالموں کا



من اور عبادت بنائی۔ آج کی آیت میں نہیں تین نبیادیں کا ذکر موجود ہے۔ وَإِذْ خَطَبْنَا  
 الْعَمَلِ مَثَابَةَ لَنَا كَمَا خَدَانَا اس مرکز کو لوگوں کے جمع ہونے کا گھر بنایا۔ قائمہ آنا اور  
 من کا گھر بنایا۔ وَإِذْ خَطَبْنَا مَثَابَةَ لَنَا كَمَا خَدَانَا اور یہ بھی حکم دیا کہ ابراہیم کے ہونے  
 ہونے کی جگہ کو نماز کا مرکز بنایا جائے۔ اس سے ثابت ہے کہ تین چیزیں خانہ کعبہ کی تقدیر میں  
 طیم، امن اور عبادت، خانہ کعبہ نہیں بلکہ خود اسلام اور انسانیت کی تقدیر کے ستون  
 بھی ہیں۔ اسی کے لئے یہ قرار دیا گیا۔ کہ خانہ کعبہ، اسلامی جماعت کی تنظیم کا محل ہوا  
 من کا مرکز ہوا اور عبادت کا صدر مقام ہو گیا۔ مسلمانوں نے خانہ کعبہ کی اس تقدیر  
 کو قائم رکھا۔ ابراہیم، محمد کی خلافت اور امامت سے چھیننا داپ تھے۔ لیکن جب زمانہ  
 کی تقدیر سو گئی تو اسلامی خلافت کی کھیتیاں بھی ساتھ چلی گئیں۔ آج اپنی زندگی  
 کے ہر وقت سرے سے درست کریں۔ جب خدا کا گھر بادل ہو گیا تو چاہیں گے کہ وہ مسلمان  
 کے گھر خود بخود آ رہے ہوں گے۔

## ۱۲۔ خدایپرستی پر تنظیم کی بنیاد

وَعَهْدُ نَا رَا لِي اِبْرَاهِيمَ وَاسْمٰعِيلَ اَنْ طَهِّرَا  
 اور وعدہ لیا ہم نے ابراہیم اور اسمعیل سے کہ وہ پاک رکھا  
 نَبِيَّيْ لِلطَّاهِرِيْنَ وَالْعَاقِبِيْنَ وَالْمُرَكَّبِ السَّجْدِ ه  
 میرا گھر واسطے طواف الہی اور اعتکاف والوں اور رکوع و سجود والوں کے۔

سزیران اسلام ابراہیم کی خلافت کو جاری کرنے کا ان کیا جا۔ ہاں پہلے  
 حضرت ابراہیم کی آرزو تھی کہ خلافت الہی کی پہلی ضرورت یہی تھی کہ  
 اس کے بعد ہرگز نہ ہو جائے۔ آپ کو اس خدمت کے لئے وقت کرے، پھر حضرت ابراہیم  
 کا اس کے بعد ان کا گھر بن گیا کہ یہ خلافت ظالموں میں جاری نہیں ہوگی۔

ان تین بنیادوں کے بعد حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے ذریعے سے خلافت کا عہدہ قائم  
تعمیر کر دیا گیا تاکہ اس جماعت کو ایک مرکز مل جائے اور کام جاری ہو جائے۔ پھر اسی مرکز  
کو قائم کرنے کے لئے جماعت بندی، امن اور عبادت، تین اصول طے پائے۔ اب یہ تینوں  
درجے ہیں جماعت بندی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کو حکم  
دیا کہ وہ اس گھر کو خدا کا گھر سمجھیں اور اسے طواف کرتے والوں اور عبادت کے لئے گھر  
والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے یا کن و صاف رکھیں تاکہ عام لوگ یہاں آئیں اور  
خدا کی عبادت کریں۔ اور اپنے دلوں کو پاک و صاف کر کے راہ خدا کی قربانیاں کرنے کے لئے  
تیار ہو جائیں۔ پھر اسی زندگی کو نمونہ بنا کر نوع انسان میں خدا کے قانون کو جاری کر دیا۔  
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کی خلافت کی اصل بنیاد اور عہدہ خدا پرستی پر قائم کی گئی  
تھی۔ اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کے پروردگار کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ وہ  
عبادت کرنے والوں کا راستہ صاف کریں تاکہ خدا پرست لوگ آسانی سے جمع ہو جائیں اور  
ایک پاک آب و ہوا میں طواف کرتے ہوئے گھر چھو سکیں اور زمین پر سر رکھتے ہوئے توحید الہی  
اور وحدت انسانی کے رنگ میں رنگے جائیں اور پھر خدا کے صادق اور خالص رشتہ داروں  
بن کر دنیا میں خدا کے قانون کی حکومت قائم کریں۔

عزیزانِ اسلام! خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اسمعیل اور اسماعیل کے لئے  
خانہ کعبہ کو پاک و صاف رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس سے پہلے یا بعد اس کے کہ وہ  
خدا کے صحابہ میں خانہ کعبہ کی اس اعلیٰ حیثیت کو بھرتے بھرتے سے بھانج کر کے اور پھر  
ہوجاتے ہیں وقت خانہ کعبہ کفر کا مندرجہ نامہ بن گیا۔ اور اس سے پہلے  
اور جابل سرد و سرد میں باطل باد و زور سے لوگوں کو گمراہ کر کے اور ان کے  
طواف کیا کرتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ

خلافت سے پاک کرنا چاہئے، اس کے بعد ہی ابراہیمی خلافت کی تقدیر زندہ ہوگی۔

سزیزان اسلام، خانہ کعبہ کے متعلق جو قرظ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل پر  
نازل کیا گیا ہے۔ وہی قرظ خدا کی مسجدوں کے متعلق ہم سب پر عائد ہوتا ہے۔ اگر آپ  
ابراہیمی خلافت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو ابراہیمی طریقوں کی پیروی کرنا ہوگی اور  
اس طرح حضرت ابراہیم نے خانہ کعبہ کو تنظیم، امن اور عبادت کا مرکز بنایا، اسی طرح آپ  
آپ کا قرظ یہ ہوگا کہ آپ اپنی محلہ دار مسجدوں کو مسلمانوں کی جماعت بندی کا  
امن و مزاج کا اور عبادت و اطاعت الہی کا مرکز بنا دیں۔ پھر ابراہیمی مسجدوں کے اسلام کی  
وقت کا حیرت بخورنے والا اور مسلمانوں کی غلامیاں ختم ہو جائیں گی۔

### ۱۷۔ ابراہیمی جماعت کی ضرورتیں

۱۷۔ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَدَاً اٰمِنًا

اور جب کہ ابراہیم نے اسے رب بنا لیا تو شہر امن والا  
اور ہر ایک کے لئے امن سے بھرا ہوا بن گیا۔  
اور ہر ایک کے لئے امن سے بھرا ہوا بن گیا۔

۱۸۔ اٰمِنًا وَاٰمِنًا وَاٰمِنًا  
اور ہر ایک کے لئے امن سے بھرا ہوا بن گیا۔

۱۹۔ اٰمِنًا وَاٰمِنًا وَاٰمِنًا  
اور ہر ایک کے لئے امن سے بھرا ہوا بن گیا۔

۲۰۔ اٰمِنًا وَاٰمِنًا وَاٰمِنًا  
اور ہر ایک کے لئے امن سے بھرا ہوا بن گیا۔

۲۱۔ اٰمِنًا وَاٰمِنًا وَاٰمِنًا  
اور ہر ایک کے لئے امن سے بھرا ہوا بن گیا۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کو حکم دیا کہ آپ پہلا کام یہ کریں کہ میرے اس گھر کو عبادت کرنے والوں کے لئے جلیقہ پالیں و صاف رکھیں تاکہ دنیا کے ہر گوشے سے نیک لوگ یہاں آئیں۔ اور وہ عبادت الہی کے ذریعے اپنے دلوں کو پاک و صاف کر کے ایک خدائی جماعت بننے چلے جائیں۔ اب آج کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم حکم خداوندی کے مطابق خانہ کعبہ کی آبادی اور صفائی کی کوشش کر رہے تھے۔ تو ساتھ ہی ساتھ خدا تعالیٰ نے یہ دعائیں بھی مانگے جاتے تھے۔ اسے پروردگار، الہیاً کہہ کر یہ شہرا من و امان کی آبادی بن جائے اور اس کے حدود جو تکہ یہ تمام دنیا کی آبادیوں سے دور اور سرسبز کی محروم ہے اس واسطے یہاں کے باشندوں میں جو لوگ تجھ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ ان کو بچوں کی روزی عطا فرما۔

عزیزان اسلام! قرآن مجید قدم قدم پر آپ کو بتایا ہے کہ اسلام کی نعمت اور رحمت میں ظالموں اور سرکشوں کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ بنے خدا تعالیٰ نے لغوی نعمت کے وقت فرمایا تھا۔ لَا يَنْالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ظلم کرنے والوں کو میرے وعدے میں کچھ حصہ نہیں ملیگا۔ اس کا جواب حضرت ابراہیم نے دیا بتا اچھا۔ اسے پروردگار عالم اور پھر اس شہر کے جو آباد کار۔ تجھ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ انہیں کو بچوں کی روزی عطا فرمائے اور برکت دینا۔ حضرت ابراہیم کی یہ دعا امت مسلمہ کی اقتصادی ضروریات کے لئے تھی کہ ان کا تمدن بلند ہو، اور سودہ سال ہوں اور بچوں کی روزی لگائیں۔

نبی حضرت محمد علی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مکہ مکرمہ کی لوگوں کے قبضہ میں تھا۔ جو دعائے ابراہیم کے خلاف خدا کی نعمتیں کھا رہے تھے۔ اور کفر کی آگ بھڑکاتے تھے۔ قرآن نے دعائے ابراہیم کا ذکر اس لئے کیا تاکہ جماعت رسول کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ منظر کی نعمتیں اور جس ایمان داروں کا ورثہ ہیں۔ جس میں یہ ایمان خلد سے ملے گا اور ان کی

پہنچا جائے۔ اس کے علاوہ دعائے ابراہیم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام کی سب سے پہلی نوآبادی بشارت سے تھی تو ان کا احساس یہ تھا کہ اسلام  
 کے پیروؤں کے لئے دو چیزوں کا انتظام ہونا چاہئے۔ ایک بالکل پر امن اور آزاد فضا  
 کا اور دوسرے باعزت اور فراغت روزی کا۔ تاکہ اسلام کی تحریک تمام کائنات میں پھیل  
 سکے۔ عربوں نے اسلام آپ بھی حضرت ابراہیم کی زبان سے اسلام کی ضرورتوں کو سمجھیں، آپ  
 تبلیغ اسلام کا مرکز قائم کریں۔ عبادت الہی پر اس کا بنیاد قائم رکھیں۔ اس کے لئے پر امن  
 اور آزاد فضا بہم پہنچائیں۔ وہاں کے ایمان دار باشندوں کے لئے باعزت روزی کی صورت  
 پیدا کریں۔ اسلام کا بیج، امتحان، قربانی، اتحاد، تنظیم، امن و عبادت، آزادی  
 اور باعزت روزی کے میدانوں میں سرسبز ہو سکتا ہے۔

### مخالفین کے لئے قانون

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاَنْتَ اَمْتِعْهُ قَالِيْلًا ثُمَّ

فرمایا اور جو کوئی انکار کریگا سو فائدہ دونا اسکو تھوڑا پھر  
 اضطرر۔ عذاب النار و بئس المصيرہ  
 ناجار کرونگا اسکو طرف عذاب دوزخ کی اور بد ہے وہ ٹھکانا۔

عربوں نے اسلام حضرت ابراہیم سے دعا کی تھی، اسے اللہ! کہہ لو اس کا گھر بنا  
 ہے اور اس کے ایمان دار باشندوں کو بھلوں کی روزی عطا فرما۔ حضرت ابراہیم  
 کی اس دعا کا جواب یہ ملا کہ اے ابراہیم تمہاری دعا قبول ہے مگر اس میں ایک استثناء  
 ہے جو لوگ کفر کا طریقہ اختیار کریں گے۔  
 ان کے لئے ایمان کے سامان رزق سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے گا، لیکن تھوڑے  
 دنوں کے بعد وہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے جو بیٹھی ہی بڑی جگہ ہے۔

عزیزان اسلام! اس آیت سے قرآن کریم کی سچائی کا حال سونچنے کی طرف توجہ دینی  
 ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا صرف یہ تھی کہ اہل ایمان کو عیالوں کی روزی عطا ہو  
 لیکن جو اب یہ بلا۔ یہاں کفار کو بھی تھوڑے دن فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا رہے گا اس  
 سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ دنیوی رزق کا تعلق دنیوی اسباب کے ساتھ  
 وابستہ ہے نہ کہ کفر اور ایمان کے ساتھ۔ دوسرا یہ کہ ایک کافر کو اسباب حاصل ہوں  
 اور وہ دنیا میں آرام و راحت کا بادشاہ بن جائے۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک  
 مومن کو اسباب حاصل نہ ہوں۔ اور نہ وہ دنیا میں ایک دن بھی سیر نہ ہو۔ پس یہی بات یہ  
 کہی گئی کہ ایمانداروں کے لئے جس دنیوی آسائش اور فراغت کی دعا کی گئی ہے۔ یہ ناممکن  
 ہے کہ کفار پر اس کا دوزخہ بالکل بند ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ مومن اور کافر میں اصل  
 فرق کثیر اور قلیل کا ہوگا۔ کفار کو دنیوی خوشیوں اور اسباب کی مدد سے جو کچھ مل سکتا  
 ہے۔ وہ ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اس طرح ایمان دار اگر تکلیف بھی اٹھائیں گے  
 تو ان کی یہ ساری تکلیف ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ کیوں کہ آخرت کے مقابلے  
 میں دنیا کی حیثیت ایسی ہے جیسی سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ۔ **فَاَسْحَبُ فَلْيَلَا**  
 کے معنی یہ ہیں کہ کفار کو دنیوی آرام تو حاصل ہوگا۔ لیکن یہ آرام ایسا ہے جو آخرت کے  
 مقابلے میں بالکل بیچ سے ہے یہ لوگ اگر بس بسیں یا سارے ستر سال تک آرام ہائیں گے  
 تو اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نقصان میں دیئے جائیں گے۔ اسی طرح اہل ایمان  
 کے دنیوی نقصانات کا حال ہے اگر انہیں اس دنیا میں چند دیکر روز تکلیف بھی  
 پہنچے گی۔ تو موت کے بعد ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرام کا دوزخہ جاری ہوگی۔ اہل ایمان  
 لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو لوگ آج تک دنیا میں ہرگز آرام اور راحت  
 اور لذت میں مبتلا ہیں۔ وہ ضرور مومن ہیں۔ بلکہ جو لوگ آرام اور راحت اور لذت



کے لئے لڑتے رہے ہیں۔ وہ ضرور کافر ہیں، جیسا کہ عام مسلمان یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اس دنیا میں مسلمانوں کے لئے لڑی ہے اور کافروں کے لئے اسیری۔ اور موسیٰ وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آخرت میں ہم مسلمانوں کو امیری حاصل ہوگی۔ اور کافروں کو غریبی، حالانکہ آخرت کی امیری موجود زمانے کی غریبی کا بدلہ نہیں ہوگی بلکہ وہ تو صرف ایمان اور عمل صالح کا بدلہ ہوگی۔ لہذا ان لوگوں سے کہ دنیوی دولت ان لوگوں کو ملے گی جو قانون خداوندی کے مطابق علم و حکمت حاصل کرنا چاہیں، اسباب و ذرائع اور محنت و کوشش سے فائدہ اٹھائیں، لیکن ان کی یہ حد و حدود خدا کی حدود کے مطابق ہو تو پھر نہیں آخرت بھی مل جائے گی۔ لیکن اگر خدا کی حدود کے مطابق نہ ہو تو ان کی دنیوی نعمتیں ایک وقت کے لئے تو برقرار رہیں گی۔ لیکن آخرت کی نعمتیں میسر نہ ہوں گی۔ اسلام کی راہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں جہازوں کی صلاح حاصل کی جائے۔

## سہارا ان کعبہ کا نصب العین

وَأَذِّنْ صَوْرَةَ ابْنِ أَبِي حَبِيبٍ أَلْفَرَّاحِ بْنِ الْقُرَّامِ مِنْ الْبَيْتِ وَ

اور بت بھائی ابن ابی حبیب کعبہ کی اور

سید علیؑ کو سنا بھائی منا و انتك أنت السميع العليم

میں نے سنا ہے کہ تیرے ہاں ہر شے سے ہے نیک تو سننے والا جاننے والا

میں نے ان کو سلام کیا اور بت میں بیٹا ہر کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابی اہیم اور حضرت

سید علیؑ کی عمارت بنانے کے لئے ان کے دل کا حال کیا تھا۔ آیت بتاتی ہے کہ دونوں

کے دل میں یہ دعا جاری رہی ہے اختیار جاری تھی اور بتانے کے لئے

میں نے ان کو سلام کیا اور بت میں بیٹا ہر کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابی اہیم اور حضرت

سید علیؑ کی عمارت بنانے کے لئے ان کے دل کا حال کیا تھا۔ آیت بتاتی ہے کہ دونوں

سے دلی مقصد یہ تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قبولیت اور رضا حاصل ہو مگر افسوس کہ آج مسلمان  
 مسلمان رضائے حق والی بات بھولتے جاتے ہیں۔ آج ہمارا کوئی بھی کام دکھاوے سے خالی  
 نہیں ہے۔ ہمارے عمل تھوڑے نہیں مگر زبانی دعوت بہت ہیں۔ ہمیں یہ سبق یاد ہی نہیں رہا  
 کہ ہمارا تمام خدمت گزار یاں اللہ کے لئے ہونی چاہئیں۔ ہمارا دماغ کسی وقت بھی خدا کی  
 طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ہم کام کرنے سے پہلے صرف یہ سوچتے ہیں۔ اس سے ہم کو کیا حاصل  
 ہوگا۔ کیا اس سے ہمارے دنیوی عزت بڑھے گی۔ کیا اخباروں میں ہمارا نام چھپے گا۔ کیا ہماری  
 عزت اور شہرت کو نقصان تو نہیں پہنچے گا۔ اگر کسی کام سے اسلام اور مسلمانوں کو ہزار  
 فائدہ پہنچے لیکن ہماری عزت اور شہرت میں اضافہ نہ ہو تو ہم کبھی اس کام کو نہیں کرتے  
 نے ہر ایک منٹوں میں اپنے نفس کو سامنے رکھا ہوا ہے۔

عزیزان اسلام! آپ اپنے قومی جلسوں میں تشریف لے جائیے آپ دیکھیں گے کہ  
 وہاں جو بی لیڈر کھڑا ہو وہ یہی کہے گا کہ میں سب سے بڑا ہوں میری خدمتیں سب سے بڑی  
 ہیں اور وہ قزلباش جو میں نے دی ہیں۔ آج تک کسی نے نہیں دیں۔ آپ اسلامی اخبارات  
 کو اٹھائیے، آپ وہاں دیکھیں گے کہ ہر اسلامی پارٹی اپنی تعریف اور دوستی کی سرائی کے لئے  
 مصروف ہو گی۔ یہی حال مولویوں کا ہے۔ اور یہی ہمیشہ اسلامی کیلیٹیوں کا ہے۔ آج ہر  
 ایک مسلمان کے دل و دماغ میں یہ سما یا ہوا ہے کہ میرا کام سب سے بڑا ہے میری عزت سب  
 سے بڑی ہے۔ اس لئے ساری قوم کو میرے جیسے گناہیلے۔ اس لئے ساری قوم  
 کو حیران کر رکھا ہے۔ ایک لیڈر ہمیں مشرق کی طرف چلا رہا ہے۔ اور دوسرا مغرب کی طرف  
 رہا ہے۔ اور مسلمان چاروں طرف بٹھکے بھرے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس کا دوسرا سبب یہ ہے  
 کہ مسلمانوں کے لیڈر۔ عالم اور اخبار نویس دنیا کی عقلی سمتوں کا سبق بھول گئے ہیں۔  
 ہم میں سے ہر ایک آدمی خدا کے لئے کام کرنے اور ہمارے قوم میں کسی کوئی نقصان نہ پہنچانے

نکاح اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل سے کام کرنے کا سبق سیکھیں اور  
 ان دنوں کو سامنے رکھ کر اپنا قومی کعبہ تعمیر کریں۔ اے عزیزانِ اسلام! آپ اللہ  
 کے لئے کام کرتا سیکھیں۔ اور اللہ ہی سے اپنے کام کا بدلہ چاہیں، پھر آپ کی نیکیوں  
 کو کبھی نقصان نہیں پہنچے گا۔

### معمارِ کعبہ کی مستقل حیثیت

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ | عزیزانِ اسلام! یہ  
 اے رب ہمارا اور شاہم کو | غلام اپنا | ہے جتنی آپ کو بتانی  
 میں کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کا ذہنیت کس طرح کام  
 کر رہی تھی۔ انہوں نے پہلی بات یہ کہی۔ رَبَّنَا اقْبَلْ مِنَّا اے اللہ۔ ہمارے عمل  
 کو قبول فرما اور اب دوسری بات یہ کہی۔ رَبَّنَا مَا اے رب ہمارے | واجْعَلْنَا بِنَاہِمِمْ  
 کَمُسْلِمِينَ لَكَ | اپنا غلام اور حکم بردار۔ حضرت ابراہیم نے اس دنیا کی زندگی میں جو جو  
 کیا یا کیا۔ اس کو آپ نے مسلم کے لفظ سے ظاہر کر دیا ہے۔ اسلام کے معنی ہیں گروہن کار کو  
 دینا اور اس شخص کو کہتے ہیں جو حکم کے سامنے گروہن رکوڑے۔ لیکن ابراہیم کی زبان میں  
 اس سے اس چیز کو کہتے ہیں۔ جس کی گروہن۔ وقت اللہ کے سامنے جھکی ہوئی ہو اور جو اس کے  
 فرمان پر چلتا ہو۔ اس سے لیا تو سے چاند اور سورج بھی ہم ہیں۔ کیوں کہ وہ خدا کے  
 فرمان پر چلتے ہیں۔ آگ اور ریاحی بھی مسلم ہیں۔ کیوں کہ وہ حکم خدا سے کبھی نہیں بھرتے  
 جو حکم ہے۔ کیوں کہ وہ سب اسی آواز پر چل رہے ہیں۔ اللہ کے حکم کی ساری  
 چیزیں اور ان کے عقائد یہ ہیں۔ لیکن اس کا یہ اسلام، اختیار کا  
 ہے۔ یعنی جس دن وہ نظر سے ہر چیز کو اللہ تعالیٰ سے غائب ہوا۔ وہ اس  
 کے لئے خدا کا دین ہے۔ کہ وہ لیسٹ کا طریقہ ہے۔ سورج کے لئے

خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ ہر روز انسانوں کے لئے گرمی اور روشنی ہم پہنچائے۔ چونکہ چاند  
تار سے، ہوا، پانی، یہ سب اپنے فطری اسلام پر قائم ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سب  
بچے اور بچے مسلمان ہیں۔

عزیزان اسلام! حبیب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل نے یہ دیکھا کہ یہ یہی بتا  
مسلمان ہے تو ان کی زبان سے بے اختیار یہ نکلا کہ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ اے اللہ!  
تو ہم کو بھی مسلمان بنا دے۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ انسان اور چاند سورج کے اسلام  
میں ایک فرق ہے۔ چاند اور سورج کا اسلام فطری ہے کیوں کہ وہ بے اختیار میں گرائے  
کا اسلام اختیاری ہے۔ کیوں کہ انہیں کسی حد تک اختیار دیا گیا ہے۔ انسانی اسلام کی  
صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو انسان کو عقل اور اختیار دیا ہے اور دوسری  
طرف اس کے سامنے اپنا ہدایت نامہ رکھ دیا ہے کہ وہ اس پر چلے۔ اب جو انسان اس  
ہدایت نامہ الہی پر چلتا ہے تو وہ مسلم ہے اور اگر نہیں چلتا تو کافر ہے۔ حضرت ابراہیم کا  
پیغام یہ تھا کہ ہر انسان کو اس ہدایت نامہ پر چلنا چاہئے۔

عزیزان اسلام! اسلام کے متعلق موجودہ مسلمانوں کو ایک بہت بڑا سوال ہے کہ  
آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جو مسلمانوں کے گھر پیدا ہوتا ہے وہ مسلمان ہے لیکن قرآن کیسے  
کہتا۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ مسلمان وہ ہے جو اللہ کے قانون پر چلے۔ اسلام کا کسی گھر میں  
پیدا ہونے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ مثال اس کی یہ ہے کہ اسلام کسی وقت یا کسی  
نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایمان اور عمل کا نام ہے۔ آپ کو اللہ کے حکم پر چلنے سے گھر  
نہیں پیدا ہوتا۔ ضرور سید ہے لیکن آپ یہ نہیں کہتے کہ جو مسلمان کسی وقت یا کسی  
گھر پیدا ہوتا ہے ضرور سید ہے۔ اسے یا ایمان سے پیدا ہوا ہے یا عمل سے۔ گھر اور  
اللہ کی کتاب پر عمل کرنے تو وہ مسلمان ہو گا لیکن اگر کوئی مسلمان ہے گھر پیدا ہوا اور

اس کتاب میں ملنے لگے تو وہ کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔  
یہ عزیز زبان اسلام آپ قرآن کا سورہ پر اپنے مغل اور ایمان کو پرکھیں اور اس  
کا مطابقت کر کے صحیح معنوں میں سمجھیں

### حضرت ابراہیمؑ اور تعمیر جماعت

وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُّسْلِمَةٌ لَّن نَّعْبُدَكَ

اور اولاد میں سے ہماری جماعت فرماں بردار تمہارے (ہو)

میں یہاں اسلام ترجمہ آیت سے پہلے دو اصول بیان کرنا ضروری ہیں۔ آپ اولاً یہ  
تعمیر کر کے اس آیت سے پہلے فرمادے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جو وہ ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کی  
حضرت کو سمجھا جائے تو اس کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کو سمجھے۔ حضرت  
ابراہیمؑ علیہ السلام اور حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف جمال اور تفصیل کا فرق تھا  
جو کہ اصل عبادت بنا کر جو تو پہلا کام یہ ہے تاکہ کہ غلط فہمی کو دور کیا جائے۔ اور اس کے مطابق  
ان دونوں میں بیحد ملحدی اور منحل عبادت و غیر بنا کر عبادت کو مکمل کر دیا جائے۔ حضرت  
ابراہیمؑ علیہ السلام کا وقت اور اسلام کی بنیاد میں یہ دور حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم  
اور اس کی بنیاد میں اسلام کا من تین عبادت ہیں۔ اگر اسلام کا نقشہ اور بنیادیں سمجھی  
جائیں تو اس میں حضرت ابراہیمؑ کا مطالعہ کریں گے۔ لیکن اگر اسلامی عبادت کا سیر کرنا ہو تو  
اسے حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

میں یہاں اسلام باب آیت دوسری اصولی بات سمجھیے حضرت ابراہیمؑ کو سمجھنے

کے لیے اس کتاب کے مطالعہ ضروری ہے۔ ایک اور ایسی ذہنیت اور دوسرے ابراہیمؑ  
تعمیر کے لیے اس میں بتا رہے ہیں اس پر غور کیجئے کہ ابراہیمؑ کی ذہنیت  
حضرت ابراہیمؑ کے لیے یہ سب کچھ ہے کہ ان دونوں کا مطالعہ کرنا چاہئے جو

وقتاً وقتاً حضرت ابراہیم کی نہ بان پر جاری ہوئیں۔ ان دعاؤں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا دماغی باطن کیا تھا۔ اور وہاں امید و آرزو کی کیسی کیسی بستیاں آباد تھیں۔ کیونکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ایک شخص صرف انہی چیزوں کی دعا کرتا ہے جو کہ اس کے دماغ میں بہت ہی زیادہ نمایاں ہوں۔ آپ اس قانون کو سامنے رکھ کر یہ دیکھئے کہ ابراہیم کی ذہنیت کس حقیقت کا نام ہے۔

عزیزان اسلام! جب حضرت ابراہیم امام بنائے گئے۔ تو آپ نے پہلی بات یہ فرمائی  
 وَمِنْ ذُرِّيَّتِي كَيْفَ يُرَىٰ اَوْلَاكَوَيْفَ اِيَامَتِي لَمْ يَكُنْ اَبِي لَمْ يَكُنْ اَبِي  
 وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ اے اللہ! ہم کو مسلمان بنا دے اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرما دیا  
 وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةٌ مُّسْلِمَةٌ لَكَ اے اللہ! ہماری اولاد میں سے اُمتِ مسلمہ پیدا ہو۔  
 اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مستقبل کا سچا خیال اور نسل اولاد کے لئے بہتری اور جلالی کو  
 طلبکار رہنا ابراہیم کی ذہنیت کا ایک خاص وصف اور امتیاز ہے۔ یہ اس لئے کہ اس  
 دنیا کی کوئی زندگی اور ترقی اس کے بغیر قائم آدہ باقی نہیں رہ سکتی۔ ہم مسلمانوں پر افسوس  
 ہے کہ آج ہم لوگ زندگی کے اس جوہرِ عظیم سے بھی بالکل غافل ہو گئے ہیں۔

عزیزان اسلام! اگلے سبق میں حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل نے دعا کی تھی کہ  
 وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ اے اللہ! ہم کو اپنے قانونِ کائنات کا اور علامتِ نبوت کے ذریعے  
 ذاتی اور شخصی اصلاح کے لئے بھی۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر مسلمان کو اللہ کے نام سے کہو اور  
 ذاتی اصلاح کا فکر کرے اور اپنے آپ کو پورا مسلمان بنائے۔ ان کے بعد فرمایا  
 وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةٌ مُّسْلِمَةٌ لَكَ اے اللہ! ہماری نسل اور اولاد میں سے بھی اُمتِ مسلمہ  
 سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم کی دین کی ذرا سی اصلاح اس لئے ہوئی تھی کہ وہ اپنے  
 ایک اصلاحی واقعہ سے پیدا ہو کر اپنے جہانِ عظیم میں پورے مسلمانوں کو

زندگی اور معاشرت کا محور ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھئے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے ہر لڑکے کے لئے مسکن کا لقب تجویز کیا ہے۔ لہذا ہم کو ہر حال میں ایک لفظ پر قناعت کرنی چاہئے اور ماضی کو باہمی اور شہ سستی سے جھگڑوں سے ابراہیمی دعوت کو نصیاب نہیں بنانا چاہئے۔

## ملت ابراہیم کے لئے قانون حیات

وَ اٰمِرًا اٰمَنًا صِلٰتٌ نَّارٌ وَ تَبَّتْ عَلَيْهِمُ اٰتَاتُكَ

اور دکھاؤ ہم کو سید و گرام زندگی بہارا اور سناٹ کو ہم پر بے شک تو  
 ایتک التواتر الخ جلد ۴۰ عزیران اسلام میں عام طور پر جب اس آیت کو  
 صحیح معنی میں سمجھا گیا ہے۔ تو یہی اطمینان پیدا ہوتی تھی کہ یہ آیت صحیح  
 معنی میں آئی ہے۔ اور اس کے ساتھ اس آیت کا جو کس طرح ٹھیکہ ٹھیکہ  
 کے ذریعہ آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم جب خانہ کعبہ بنا رہے تو  
 اس کے لیے یہ فرمایا: اے اللہ! ہماری پسندیت کو قبول فرما یہ میرا پاپ ہے اللہ! ہم کو  
 یہاں سے بھڑکایا اے اللہ! ہماری اولاد میں سے امت مسلمہ پیدا کرے پھر  
 اسے اللہ! ہم کو حج کے قاعدے سکھا اور ہماری توبہ قبول کر اس لیے کہ تو ہر پاپ  
 کو اور توبہ قبول کرے والا ہے۔ یہ آیت پڑھ کر خیال پیدا ہوتا تھا کہ یہاں تو یہ  
 آیت ہے اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر میں جو تو اب الرحیم کا لفظ  
 آتا ہے اس کے ساتھ معلوم ہوتی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ایک لفظ  
 اس لیے کہ وہی تھا کہ وہ خدا نے تو اب ابراہیم کو دامن کرتے یہ حضرت  
 کو کہیں کوئی بات ایسی نہیں آتی۔ جن سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت ابراہیم کو  
 یہ دعوت تھی کہ ابراہیم بن حضرت ابراہیم ہوئے یہ کیوں فرمایا اور تبت

عَلَيْنَا۔ اے اللہ! ہم کو خوف کرو۔ اِنَّكَ اَنْتَ اَنْتَوَابُ الرَّحْمٰنِ كَيْفَ تَقْبَلُ  
 كَابِقُولِ كَرْنِ وَاِلَا هِيَ۔ پہلی آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے قربانیاں دیں اور  
 اور ان میں پورے اترے۔ پھر امام بنائے گئے۔ پھر آپ نے خانہ کعبہ بنایا۔ پھر آپ نے خانہ  
 کی قربانیاں برداری کا اعلان کیا۔ ان ساری باتوں میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس سے  
 ظاہر ہو کہ حضرت ابراہیم کے لئے توبہ کرنا ضروری تھا۔ سوال یہ ہے کہ پھر آپ کے توبہ کی وجہ  
 کیوں کی۔ عزت ابن سلام! یہ آیت بھی قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ اس آیت  
 کے تمام الفاظ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ گویا یہ بھی انسانی  
 کے مختلف اعضاء ہیں۔ آیت کی ترتیب دیکھئے حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ خانہ کعبہ کی  
 بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ اس وقت آپ نے صرف یہ آرزو کی کہ اے اللہ! ہماری  
 قبول فرما۔ دوسری آرزو یہ کی کہ ہمیں مسلمان بنا کر اپنی غلامی کے مقام پر کھڑے کر  
 تعمیری بات یہ کہ اپنی ذاتی اصلاح سے ہماری مقصود یہ ہے کہ ہمارے توبہ سے  
 ایک اصلاح یافتہ جماعت پیدا ہو اور وہ بھی کائنات عام میں اللہ تعالیٰ کی غلامی  
 مقام پر کھڑی رہے۔ یہاں آپ ابراہیمی کمال درجہ کے مختلف قدروں کو گنے گنے  
 اصلاح کی تعمیر پھر سجا غلام بننے کے لئے اصلاح ذات بہرہ کی اطا عت کی اور  
 کو قائم کرنا۔ جماعت بنانے کے بعد ضرورت یہ بھی کہ خدا کی طرف سے جاننے والے  
 اور خدا کے غلاموں کی جماعت اس پر طے ہو جس لئے یہ قائم جماعت کی دعا کے ساتھ  
 فرمایا۔ قَدْ دَنَا سَعْدًا۔ اے اللہ! ہم کو عبادت کے طریقے اور ذمہ کی کار کھڑے  
 عطا فرما۔ پروگرام بننے کے بعد یہ ظاہر ہے کہ جماعت ابراہیمی اس طریقے کی اور  
 میں غلطیاں بھی ہوں گی۔ اس لئے فرمایا اَوْقِنْتَ عَلَيْنَا۔ اے اللہ! میرے غلاموں  
 میں ہم سے در غلطیاں ہوں۔ اس میں سزا دینے کے لئے دعا فرماتا۔ اِنَّكَ اَنْتَ اَنْتَوَابُ  
 کیوں کہ تو معاف کرنے والا اور دربان ہے۔





پاک کر دے۔ اَنْتَ اَنْتَ الْغَرِيزُ الْحَكِيمُ وہی حکمت والا اور پاک  
حضرت ابراہیم کا اس دعا سے مقصد یہ تھا۔ کہ طبت ابراہیم کی تکمیل کا آخری  
سامان بھی پیدا ہو۔ چونکہ طبت ابراہیم کی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات  
پاک سے وابستہ تھی۔ اس لئے اس دعا کی اصل مصداق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ذات پاک ہے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں یورپی تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے طبت ابراہیم کی تکمیل کس طرح ہو گئی تھی۔  
آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عقل و فکر کا بیجا مرنہ تھا کہ یا  
بائیں ظاہر ہوں۔ اول یہ کہ پیدا ہونے والا رسول خود انہی قوم میں سے ہرگز آتا ہے  
اس چیز کو سرسری نہ سمجھیں۔ اگر مقصود قوم کی تکمیل ہو تو اس کی صحیح راہ یہ ہے کہ قوم کا  
رہنا خود اسی قوم کا اثر ہو۔ دوسری قوم کا ایسا علاج کر سکتا ہے۔ لیکن تکمیل کے  
صحیح مقصد کو یوں نہیں کر سکتا، دوم یہ کہ وہ رسول قوم کو خدا کا قانون بتائے اور  
قوم میں قانون خدا کی تبلیغ کرے۔ سوم یہ کہ ہر لوگ رسول کی تبلیغ سے غافل نہ رہیں  
ہو جائیں۔ انہیں وہ کتاب الہی کی تعلیم دے اور عمل کرنے و یاد رکھنے کا وہ عملی  
نمونہ دیکھ کر اور خود عمل کر کے اس کے قوانین و احکامات اور عقائد کو اپنی زندگی میں  
لیں۔ (ایک شخص کو کسی طبی کتاب میں کوئی کلمہ پڑھا اور اس نے یہ کلام الہی سے  
اس کے بعد ہی کلمے کو بتایا جانتا ہے اور استعمال میں آتا ہے اس کے عملی نمونہ  
مشاہدہ کر کے جانتے ہیں۔ یہ تعلیم حکمت ہے، ابراہیم یہ کہ وہ حکمت کی  
طرح پاک کر دے۔ کہ اس میں کوئی نقص نہ ہو اور اسے اپنی زندگی میں  
یوں کہتے ہیں کہ اس سے مراد دو جہت تکمیل ہے

### ملت ابراہیمی سے تعلق

قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ ظُلُمَاتٍ إِلَى نُورٍ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ بَدِيعٌ رَحِيمٌ

پھر کون بھرے گا ملت ابراہیمی سے جو اس کے جابل اور

سے وہ اور کفر اصفیٰ فی الدنیا و ان

میں ایسے اور دنیا میں اور بیگ

فی الاخریٰ لی من الصالحین ہ عزیزان اسلام اور ابراہیم کے

آزیت میں (سوکا) ضرور نکلیں میں اپنی نام اور اصل و حقیقت

یہ کہنے کے بعد تاج کی آیت میں یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب کے کہیں

اسے حضرت ابراہیم کا نام لےنے والے اب تم خود ہی منسلک کرو کیا جابل و نادان

کے ہوا کوئی اور بھی ہیں ابراہیمی سے روگردان ہو سکتا ہے پھر جب تم سب جانتے

ہو کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو دنیا میں بھی اپنی قبولیتوں کے لئے فرمایا ہے۔

اور وہ آخرت میں بھی خدا کے نیک بندوں کی صف میں شامل ہوں گے۔ تو پھر تم

ابراہیمی فرقے سے علیحدہ ہو کر الگ الگ فرقے کیوں بنا رہے ہو؟ تم کو تو صرف

اس کا نام ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اہل دنیا کے لئے جراثیم بنا دی وہ کیا تھی؟

یہ کہ یہودیت یا عیسائیت کی راہ تھی یا مشرکین عرب کی راہ تھی۔ کیا جب حضرت ابراہیم

نے اپنا نام بتایا تو اس وقت یہ الگ الگ فرقہ بن دیاں ہو جو وہ تھیں؟ ظاہر ہے کہ

اس وقت تک کہ حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تھے اور نہ حضرت عیسیٰ پھر اس کے علاوہ

کوئی اور نبی نہیں آیا تھا۔ یہ اعلان کر دیا تھا کہ میرا دین صرف اسلام

ہے اور میں اس کی راہوں سے اور میں اپنی نسل و اولاد کیلئے بھی یہی چاہتا ہوں۔

یہ کہ اس میں حضرت ابراہیم کے نام جو ان کی بنا گیا ہے کہ وہ الگ الگ گروہ

بندیوں پر قائم رہیں ؟

عزیزان اسلام ! آپ اجمعی مجاہدین کہ اصل دین میں صرف ایک ہی دین ہے جو خدا کا دین ہے، قُلْ اِنَّ هُدٰى لَدُنّٰى اَللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى۔ صحیح دین کے علیحدہ وجود کے نتیجے میں کہ اب دین بھی علیحدہ علیحدہ ہو گئے ہیں۔ اصل مذہب کی سب سے بڑی اور سب سے ہلک فطلی ہے۔ اس دنیا میں ایک کے بعد دوسرا ہی اس سے آتا ہے کہ وہاں دین کو قائم کرے، اس لئے نہیں آتا کہ وہ خدا کے ایک دین میں تفریق ڈال کر اپنے پیروں کو ایک علیحدہ گروہ بندی کا سبق سکھائے۔ اصل حذائی دین حکم خدا کے مطابق ایمان اور عمل صالح کی زندگی بسر کرنا ہے۔ کسی شخص کو کسی گروہ بندی میں محض شامل ہو جانے سے نجات نہیں مل سکتی۔

عزیزان اسلام ! اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی ملت اور مسلک کا ذکر کرتے تمام مذہبی لوگوں کی فرقہ بندی کی الجھن سے نکالنا چاہتا ہے۔ ہمیں اقبال یہ سوچنا چاہئے کہ حضرت ابراہیمؑ کو امامت کس طرح ملی؟ قرآن کہتا ہے کہ خدا کے ایمان سے لوگ اترنے سے نہ کہ کسی گروہ بندی کے شامل ہونے سے۔ وہم یہ سوچنا چاہئے کہ

اس امامت کے کیوں کر شوق ہو سکتے ہیں؟ قرآن کہتا ہے کہ ہم ظلم نہ کریں اور ان کے ظلم کی اصل بنیاد وہی تفریق اور فرقہ بندی ہے، یہ ہم سے زیادہ پائیدار ہے کہ حضرت ابراہیمؑ

نے جو شہر آباد کیا اور خانہ کعبہ بنایا، وہ خدا پرستوں کے لئے تھا، ان کی قوم، نسل اور فرقے کے لئے؟ قرآن کہتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ شہر آباد کیا کہ

وہ تمام خدا پرستوں کے لئے اس گھر کی خدمت کریں اور ان کا حق نہ لو، یہ شہر آباد ہوتا ہے کہ وہ صرف اللہ اور آخرت پر ایمان لائے، ان کو اور ان کے

آخری اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایمان کے اعلان کرنا

کا قیام آپ نے فرمایا۔ اے اللہ مجھے مسلمان بنا دے اور میری نسل سے امت مسلمہ  
 پیدا کر اور میری امت مسلمانوں سے ایک رسول بھیج۔ جو میری جماعت کو نزع انسانیت  
 کے لئے ایک لڑنے کی جماعت بنا دے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ  
 کا مذہب ہی گروہ مندوں سے کچھ تعلق نہ تھا۔ آپ صرف یہ چاہتے تھے کہ سڑک کی نسبتوں  
 اور گروہ مندوں سے الگ ہو کر نزع انسان کو قانونِ الہی کی اطاعت کا سبق سکھائیں  
 اور یہی مژدہ اسلام ہے۔

### ۹۔ ابراہیمؑ اسلام

اِذْ قَالَ لَوْ رَبِّهِ اَسْلَمْتُ

عرب کہا واسطے اسکے اسکے بے زمان بڑا بن کہا میں خرم بن بردار بن گیا  
 اِذْ رَدَّتْ الْعَالَمِيْنَ | عزیزانِ اسلام! اس آیت سے یہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام  
 واسطے یہ روزگارِ عالم کے | کی صحیح حیثیت کا بیان شروع ہوا ہے۔ آیت کا مطلب ہے  
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابراہیم! مسلمان بن جا۔ آپ نے جواب دیا۔ میں پورے دنیا کا  
 کے لئے مسلمان بن گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ کی زندگی کی صحیح حیثیت ایک طرف  
 ان سے یعنی یہ کہ آپ صرف اللہ کے غلام تھے اور اس کے بعد اور کچھ نہ تھے۔ آپ نے زندگی  
 کی تمام سوسوں کو ختم کر دیا تھا۔ آپ عربی نہ تھے کہ عرب کا حق ادا کریں۔ آپ ہندی اور  
 نہ تھے کہ کسی فرقہ بندی کا حق ادا کریں۔ آپ کسی نسلی یا قباذانی اٹھن کے پابند نہ تھے۔  
 کہ آپ نے اس نسل یا اہل قباذان کی حمایت کے پابند ہوں۔ آپ نے دنیا کے سامنے ایک ایسی  
 کا قانون پیش فرمایا جو حکمِ خدا کے سوا کسی اور نسبت کی قابل نہ تھی۔ کسی اور قانون کی تابع نہ  
 تھی۔ اور اس گروہ مندی کے ساتھ اپنا جڑ نہ رکھتی تھی۔ آپ کا تعلق صرف خدا تھا  
 اور انسان کو اس سے الگ رکھنے کے لئے قانونِ الہی کی پابندی میں غلام یا مکر اور پھون

قبول نہیں کرنا چاہیے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

سننا اور تسلیم کرنا۔ یہ اصولِ اسلام کا اصل جوہر ہے۔ یہ اصول مسلمانوں کی تمام تاریخی

ترقیوں کی جڑ ہے۔ جب پہلے دن مسلمان کا وجود قائم ہوا تو اسی خیال پر اس کی بنیاد رکھی

گئی کہ وہ خدا کا حکم سنے اور اسی وقت عمل کرے۔ آج ہم مسلمانوں کی غروی اور سستی کا

سبب یہ ہے کہ ہم مسلمان نہیں رہے۔ آپ کی زندگی کی بنیاد و تسلیمِ حکم پر رکھی گئی تھی

لیکن اب یہی خاصہ حیات اب آپ کی زندگی سے دور ہو گیا ہے۔ آپ کو ایک خدا کے حکم کا

پابند ہونا چاہئے تھا مگر اول تو آپ خدا کا حکم سننے ہی نہیں اور اگر سننے میں تو اس پر اعتراض کرتے ہیں۔

پھر محسوس نہ کاتے ہیں۔ لیکن اگر تسلیم ہی ہو جائے تو زبان سے کہتے ہیں کہ مانق یا لیکن حکم پر

بھی نہیں مانتے۔ پھر اس سے بڑی خرابی یہ ہے کہ خدا کے سوا اور سب سے بہتر سے جتنی بھی

حکم آپ کر رہے ہیں۔ آپ ان کی پابندی میں ڈرا بھی کتنا ہی نہیں کرتے۔ آپ اپنی موجودہ حالت

کو دیکھ لیجئے۔ آپ مولویوں اور پیروں کا حکم مان رہے ہیں تاکہ آپ سارے لوگوں کی اطاعت نہ

انگریزوں اور دیگران دینے کے لئے کہیں تو آپ پھر بھی دریغ نہیں کرتے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے عار

اور جائز تھے حکموں کی غلامی کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کی بڑھتی اور کمزوری کا اصل سبب

یہ ہے۔ جو حق خدا کا تھا۔ وہ ہم نے غور کوٹے دیا۔ اس لئے اب ہماری زندگی کی تمام نعمتوں کے

خالی ہے۔ عزیزانِ اسلام! زمانہ اقبال میں مسلمانوں کی سب سے بڑی نعمت تھی جو کہ مسلمان

تھے، یعنی ایک خدا کے غلام۔ آپ یہ سمجھئے کہ ایک مرد کو اگر کسی طرح آپ کی تمام نعمتوں کے

اپنی کے ذریعے میں بندھی ہوئی تھی۔ ان کے ہاتھ اور زبان اور ان کی آنکھ اور سنان اور ان کے

دلی و دماغ اور ان کے جسم کا ایک ایک ذرہ اور ان کے ہر ایک ایک عضو اور ان کے ہر ایک

عضو۔ پھر یہ حال کسی ایک مسلمان کا نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی تمام نعمتوں اور ان کے

کھڑی تھیں، ہزاروں حکم لیا تھا تو سب جھک جاتے تھے، ہوا کا حکم لیا تھا تو سب لٹک کر رہتے تھے، حیرت کا حکم لیا تھا تو سب زرد والی ٹٹانے لگتے تھے، برک خواہشات کا حکم لیا تھا۔  
 بہت سے سب، شراب، زانا، زبردی، جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو جاتے تھے اگر موجودہ  
 زمانے کے مسلمان اس صحیح معنی میں مسلمان بن جائیں۔ یعنی ایک خدا کے غلام اور ایک حکم کے  
 بندے، اور دوسرے ہی دن تمام دنیا کے تحت و تاج ان کے قبضے میں ہوں گے۔

### ۱۸۔ ابراہیمی وصیت

وَأَوْصَىٰ بَعَا إِخْرَاجَهُمْ بَقِيَّةٍ وَ يُحَقِّقُونَ بَيْتِي  
 اور وصیت کی اس کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو  
 إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لِنُوحٍ الْأَبْرَارَ إِنَّ فِي سُلْطَانٍ لِّكَ  
 ایک اللہ نے جن کے واسطے تمہارے دین میں تمہارا گمراہ اور  
 مُسْلِمُونَ | عزیزان اسلام! حضرت ابراہیم نے صرف اپنے مشعلق ہی پر حکم  
 نہیں کیا کہ میں پروردگار عالم کا فرمان بردار بن گیا بلکہ اپنے  
 اپنے بیٹوں اور حضرت یعقوب نے اپنی اولاد کو بھی یہ وصیت کی، اے میرے بیٹو! خدا نے تمہارے  
 دین اسلام کو پسند کر لیا ہے، میں تمہارے ساتھ اس دین کی پیروی کرنا اور ایسی حالت  
 میں رہنا کہ تم مسلمان ہو، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی پہلی شان یہ ہے کہ  
 وہ کسی بزرگ حکم خدا کی پابندی کرے، اور آخری شان یہ ہے کہ وہ مقام اطاعت پر  
 خراج کر جائے، اس کے بعد ہی کو سر جانا چاہئے۔ کیا آج ہم مسلمانوں کو بھی ایسی زندگی اور

عزیزان اسلام! آیت ایسی موجودہ زندگی کو دیکھئے، خدا کی زندگی کا خلافت تو یہ تھا کہ ہم  
 اس کے اور یہ ہیں، اس سے بڑھ کر اس پر کار بند ہو جاتے، کریم

نے یہ راہ اختیار نہیں کی، کج ہم خدا کے قانون سے اپنی مشکلات کا حل نہیں کر سکتے  
 بلکہ ہر وقت فیروں کے چھے بھنگ رہے ہیں۔ کبھی ہم کانگریس کی طرف دوڑتے ہیں۔ کبھی  
 کبھی گاندھی جی کی طرف، کبھی ہم سوشلسٹ بنتے ہیں، کبھی انگریزوں کے سامنے جھکتے ہیں  
 اور حقوق کی خیرات مانگتے ہیں۔ ہماری اس حیرانی کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم نے خدا تعالیٰ  
 کی ذات کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں۔ نہ قانون خدا کو نہ اپنے آپ کو۔ کسی قوم کے چھپے چھپے بزرگ  
 اور گدہ نگری کرنے سے طاقت نہیں مل سکتی۔ طاقت صرف اللہ کے قانون پر چلنے سے مل  
 سکتی ہے۔ زمین، پانی، ہوا، سورج، چاند، مندر، ستارے، پہاڑ اور جنگل، خدائی  
 برکتوں اور رحمتوں کے قانونوں سے لبریز ہیں۔ پانی سے بجلی، پہاڑ سے سونا اور سندر سے  
 زندگی حاصل ہو سکتی ہے مگر اس کے لئے قانون قدرت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ صرف  
 حفظ اسلام پر فخر کر لینا کافی نہیں۔ مسلمان بننے کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ کے ان تمام قوانین  
 کا علم ہونا چاہئے جن پر اس کائنات کی زندگی موقوف ہے، اور ان قوانین سے ناپردہ ہونا  
 چاہئے۔ ہماری یہ سخت درجہ نادانی ہے کہ ہم نے اسلام کو صرف پانچ وقتوں کی رسمی نمازوں  
 اور روزوں میں قید کر دیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو شخص پانچ وقت مسجد میں جا کر رکھی نماز اور کھڑے  
 اور سال کے بعد تیس روزے پورے کر لیا کرے، اس نے اسلام کا حق ادا کر دیا۔ حالانکہ  
 اصل حقیقت یہ نہیں ہے۔ صحیح معنوں میں مسلمان صرف وہ ہے جو حکم خدا کے سرکاری احکام  
 کے عین شری اور فطری اور قدرتی قوانین سے پورا پورا اطاعت اور ان کے اور اللہ تعالیٰ کے سرکار  
 انبیا و ذرائع سے کام لے کر خلافت الہی کا حق دار بن جائے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ  
 اسلام کے وسیع معنوں کو سمجھیں اور ہر پہلو سے اپنی اسلامی زندگی کو پورا پورا سمجھیں۔ یہاں تک  
 حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو بھی یہی وصیت کی تھی کہ تم میرے لئے اللہ کے بند بنو اور  
 اپنی اولاد کے بھی ذمہ دار بنو۔ کیا آج ہم مسلمان ہیں؟ اپنی اولاد کے لئے اللہ کے بند بننے



میں آج ہماری آنکھوں کی نظروں کا کیا حال ہے یہ صرف اسی لئے کہ ہم ان کو صحیح اسلامی  
 تربیت دینے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ ہر مسلمان کو آئینہ نظروں کی اہمیت کا  
 احساس کرنا چاہیے۔

## تمام انبیاء کی ایک ملت

اَمْ كُنْتُمْ شُرَكَاءَ آدَا حَضَرَ يَعْقُوبَ الْعَمَوْتَ لَا اِذْ قَالَ

کہا تم میرے شریک تھے جب آئی یعقوب کی موت جب اس نے کہا

لَعْنَةُ مَا لَعْنُوتُ مَنْ لَعْنُ عِيْرًا قَالُوا لَعْنُ مَا لَعْنُ

اپنے بیٹوں سے تم کس کی عبادت کرتے میرے بعد انہوں نے کہا ہم عبادت کرتے تھے اسی کی

وَاللّٰهُ اَبَاؤُكُمْ اِبْرٰهِيْمَ وَاسْمٰعِيْلَ وَاسْحٰقَ الْهٰؤُلَاءِ اَحْدَاثُ وَمَنْ

اور میرے بعد ابراہیم، اسمعیل اور اسحق کے خدا کی ایک خدا کی تارہم

لَعْنَةُ مَسْلُوْتٍ ۝۱۵۰ عزیزان اطہام | اس آیت میں حضرت یعقوب کی موت کا واقعہ

ان کے فرماں بردار ہیں | بیان کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہو وہ انصاف دہی اور مشرکین عرب سے

برخلاف ہے | کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب نے انتقال فرمایا اور جب کہ

انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کر رہے؟ بیٹوں نے جواب دیا

اے ابا! اسی خدا کی جو تیرا خدا ہے اور حضرت ابراہیم، اسمعیل اور حضرت

اسحاق کے اولاد یعقوب کے الفاظ سے شہید ہو سکتا تھا کہ شاید وہ اپنے آباؤی خدا

کے ہی اولاد میں سے ہیں | اس لئے انہوں نے ساتھ ہی اَلْهٰؤُلَاءِ اَحْدَاثُ کا لفظ بھی استعمال کر دیا کہ

ان میں سے ہر ایک کے خدا الگ الگ تھے بلکہ سب کا خدا ایک تھا اور ہم میں

فرق نہیں ہے | یہاں اس لئے کہ ان کے پاس ایک ہی خدا تھا اور فرمایا۔

ہاں آیت کے الفاظ ظاہر ہے کہ تمام نبیوں کا وہی ایک تھا اور یہ کہ خدا کے قانون

کی پابندی کی جائے۔

عزیزانِ اسلام! اولادِ معقوب نے فرمایا تھا: "تَعْبُدُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ" اسے باپِ باخیر نے

حُذَا کی عبادت کریں گے، مسلمانوں کو عبادت کے لفظ سے بڑا دعویٰ گوارا ہے، وہ وہ

کھتے ہیں کہ ایک دعا کے میں سو ڈیڑھ سو ٹکے پڑتے جاؤ اور پھر ایک ٹکے

پر اللہ کا لفظ ادا کیا جائے تو عبادت کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ یہی کہنا چاہتا ہوں کہ عبادت

کی مدد صرف اسی قدر نہیں ہے۔ آپ نے عید کا لفظ سنا ہوگا۔ عید سے کہتے ہیں اور

عبادت اس حق کو کہتے ہیں جو حُذَا کی طرف سے بندے پر واجب ہے، یعنی عبادت کے

معنی ہیں بندہ ہونے کا حق۔ عبادت کی اس تعریف سے ظاہر ہے کہ عید حُذَا ہونے کا

حق صرف یہی نہیں ہے کہ آپ حُذَا کا نام یاد کر لیں بلکہ اصل حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے

آپ کے لئے زندگی کے جتنے بھی رشتے پیدا کئے ہیں حکمِ حُذَا کے مطابق آپ ان رشتوں

کی حفاظت اور دعائیت رکھیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے والدین کے ساتھ آپ کا تعلق پیدا

کیا ہے، آپ والدین کا حق ادا کریں، یہ عبادت ہے۔ اسی طرح خرد خدا تعالیٰ نے والدین

کے ساتھ آپ کا رشتہ اور تعلق بنا دیا ہے، آپ باپ کے کام لیں، بیٹوں کو پالیں اور

پانی سے جلّی پیدا کریں۔ یہ سب کچھ عبادت ہے۔ اسی طرح خرد تعالیٰ نے بیٹوں اور

کتابوں کے ساتھ آپ کا تعلق بنا دیا ہے۔ آپ بیٹوں سے محبت کریں، بیٹوں کو پالیں اور

کریں۔ بیٹوں کے طریقے پر چلیں۔ یہ سب کچھ بھی عبادت ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جہاں جہاں بھی آپ کی زندگی کا رشتہ برپا رہا ہے، مثلاً باپ کے ساتھ، بیٹوں کے ساتھ،

باپ کے ساتھ، بیٹوں کے ساتھ، بیٹوں کے ساتھ، بیٹوں کے ساتھ، بیٹوں کے ساتھ،

مطابق حفاظت اور دعائیت رکھنا عبادت ہے۔ اسی طرح خرد تعالیٰ نے والدین کے

اسی طرح حکمِ حُذَا کے مطابق تعلق برپا کرنا بھی عبادت ہے۔ اور

سے قریب اور مردانی نما اور سادہ نما بھی عبادت ہے۔ مسلمانوں! آپ ہر رنگ میں حق عبادت  
 اور کریں اور مسلمان ہیں پھر آپ براہِ اسلامی رکات کا دروازہ ضرور کھل جائے گا۔

### دوسرا دین الہی میں قانونِ فلاح

بَلِّغُوا النُّبُوَّةَ الَّتِي جَاءَتْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

دہانت دہنی جو۔ گزر گئی اس کیلئے جو کیا اس نے اور تمہارے ہے

بَلِّغُوا النُّبُوَّةَ الَّتِي جَاءَتْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

کتاب ہم سے اور تم سوال نہ کئے جاؤ گے اس جو تم سے وہ کرتے۔

مزید انی اسلام ایہ آیت پھیلی آیتوں کا سبق اور نتیجہ ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ

دین اور جہادوں کے لئے خدا کا قانون ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ

کی امت ایک امت تھی جو آپ اس دنیا میں بانی نہیں اس امت کے نیک کام تمہارے

کے کاموں کا بدلہ نہیں بن سکتے اور نہ اس کی خطا میں تم پر پوچھ سکتی ہیں۔ جان کے لئے

خدا تمہارا ہونا نے خود کیا اور تمہارے لئے وہ ہو گا جو تم کو دکھاؤ گے اللہ تعالیٰ تمہیں

دیکھے گا کہ ان لوگوں کے عمل کیسے تھے؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں ایک

امت ایک جماعت کو بنی دوسرے کو نہیں بنا سکتی اور نہ ایک کی بد عملی دوسروں کے

لئے رات دہی کا باعث ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس آیت سے قدریہ کھاتا اور جانہ

ساز

ساز کے تمام عقائد جو ہر دور و ہر مقام کے کو ایمان و عمل سے بے خوف بنائے

سے اور کلمہ اور دین کے دین میں کوئی ایسی چیز نہیں

ہے جو اسلام کے اصول بنی ہو ہے کہ شخص اپنا خود فکر کرے۔ اگر اولاد یہ ہوگی

الذین انزلنا علیہم الذکر لعلہم یذکرون اور لا اولادنا لیس ہو جائے گی۔ اگر تمہارا گریہ ہو

گراں اور تمہاری ہمتان میں نامی کر دے گا۔ تو وہ علم سے محروم رہ جائے گا۔ اگر

مرید یہ سمجھیں کہ ہمارا پیر میں دنیا اور آخرت کی معیتوں سے بچانے کا تو وہ کبھی عمل دایا  
 کا فکر نہ کریں گے۔ اسی طرح اگر کسی نبی کی امت یہ سمجھ لے کہ ہمارا نبی ہمارے علیحدگی کو  
 معاف کھاوے گا۔ ہمارے گناہوں کو بخڑا لے گا اور ہمیں دوزخ سے نکال کر بہشت میں آگے  
 تو ایسی اُمت ضرور ایمان و عمل کی کسوٹی سے کرجائے گی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 زمانے میں عیسائی دنیا بابت پرستی، فکر، زنا اور غفلت و غرور میں مبتلا تھی اور جب کبھی ان  
 لوگوں کو خدا پرستی اور نیک اعمال کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ ہمیں کہتے تھے کہ تمہاری  
 کچھ ضرورت نہیں ہے، ہم بے شک گنہگار ہیں مگر خدا کا بیجاہ معصوم تھا وہ ہمارے  
 گناہوں سے بڑے سولی پا چکا ہے، اب ہم سے ان گناہوں کا بدلہ نہیں لیا جائیگا اس بارے میں  
 یہودیوں کا حال بھی عیسائیوں سے اچھا نہ تھا۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم عمل کریں یا نہ کریں  
 ہماری بخشش یقینی ہے اور ہم جماعتی حدیث سے عینی قرار پانچے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی  
 قوم صرف یہودی، عیسائی یا مسلمان کا نام رکھنے کی وجہ سے آخرت میں کامیاب ہو جائے اور  
 اس نام کی وجہ سے وہ دنیا میں کیوں کامیاب نہیں ہوتی؟ یہودیوں نے کیوں شکست  
 عیسائی اقام کو کیوں سیکڑوں شکستیں ہوتی؟ اب آخر میں مسلمانوں کو کیوں ہرگز شہ دنیا میں  
 غلامی نصیب ہوئی؟ اس سے صداقت ثابت ہے کہ اسلام و عیسائیت باہریت کے انکار  
 پر نہ مبنی کا میابی کا انحصار ہے اور نہ یہودی کا میابی کا اگر ایسا ہوتا تو یہودیوں کو  
 نہ فرماتے، اسے ہی کہہ، اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اور اپنے جان بچانے کے لیے  
 کیوں کہ میں خدا کے دباہ میں تمہارے لیے گناہ کی اقدار ڈھنڈا نہیں رکھا اور تمہارے  
 میرے بھی تعلقات ضرور ہے۔ دوسری روایت ہے کہ اللہ نے اپنے خاص و عزیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 مٹانے میں خدا کے ہاتھ بچاؤ اختیار نہیں کیا۔ اللہ نے اسے دوزخ سے بچاؤ اور اپنے جان بچانے کے لیے  
 ہو۔ اسے عزیزان ان ظلام ان بدترین سے بچاؤ اور اپنے جان بچانے کے لیے دوزخ سے بچاؤ اور اپنے جان بچانے کے لیے  
 میں دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کریں۔

# دعوتِ اسلام کے اجزائے نزدیک

سید فرقہ بندی سے نکلو

قَالَ كُونُوا كَوْنَكُمْ هُودًا أَوْ نَصْرًا يَتَّخِذُوا أَهْلَ بَيْتِ يَسُوعَ

ہود کہنے میں ہو جاؤ یہودی یا نصرانی یہ ایت پاجاؤ گے کہہ

تِلْكَ أُمَّةٌ رَجَتْ بَعْدَ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ مِمَّا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَكْفُرُونَ

بلکہ ملت ابراہیم جو ایک فرقہ تھا اور نہ تھا مشرکین سے

عزیزانِ اسلام یہود اور نصاریٰ اپنے آپ کو یہ ایت اور نجات کا ٹھکانہ سمجھتے

اور یہ کہتے تھے کہ یہودی ہو جاؤ تو بدعت پائو گے نصرانی یہ کہتے تھے کہ نصرانی ہو جاؤ

تو ایت پائو گے۔ اس سے ان کا یہ مطلب نہ تھا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی اول

ادب سے یہودی ہو جاؤ۔ اس سے ان کا اصل مطلب یہ تھا کہ دوست تمام مذاہب

میں سے جو ایت پائیں وہ سب ایت پائیں اور ان کی تعلیمات کا استخراج ایا جائے اور ان

کے اصول کا اسلوب تشریح کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب یہ دیا ہے۔ اے خدا

میں جو فرقہ بندی اور بدعتوں میں شہادت ہے اور نہ نجات ہے اور نہ

کسی چیز کی تائید ہے۔ میں یہ حضرت ابراہیم قاسم سے یعنی یہ کہ تمام انسانی طریقوں سے مراد

کہ صرف ایک خدا کے نصرانی تہاؤں پر کاربند ہو جانا یہ ایک ہی طریقہ ہے جس کی پیروی

کرنی انسان کو مہلک کر سکتا ہے۔

عزیزانِ اسلام! ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کھلے طور پر شرک اور بت

پرستی کے اقرار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ تو بدعت پائو گے

اور یہ کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ تو بدعت پائو گے۔ کیا حضرت ابراہیم

کی پیروی کرنے والے یہود اور نصاریٰ شرک ہو کر اپنے آپ کو یہ ایت پاجاؤ گے

کہتے ہیں ؟

غزیز ابن اسلام! مطیف کے معنی ہیں یک رنگ، مخلص سیدھے ہونے پر اور وہی کے  
 پاک، نفاق سے دور اعدا ایک دروازے کا غلام، حضرت ابراہیم کے اعلانِ عالی میں انہیں  
 بڑا وصف یہ تھا کہ آپ دورنگی سے پاک تھے، راستہ سزا دہنے کو، توجید کا دار استہجاب سے  
 قبول کر لیا تھا، اسی پر ملتے تھے۔ دنیوی عزیز من مدنی، قومی معاویہ یا قومی مصلحت کے لئے  
 اپنے اصول میں ذرہ برابر تبدیلی بھی گزارا نہیں کرتے تھے اور اس لئے ان کے کاموں میں  
 استقلال تھا، ان کے قدموں میں مضبوطی بھی اولاد ان کے ایمان میں عمل کی سے جاہ داشت  
 تھی۔ اگرچہ مزودگی ساری بادشاہت ان کے خلاف تھی، باب خلافت تھا، خاندانِ خلافت  
 تھا۔ لیکن وہ سب مل کر بھی انہیں اپنی طرف مائل نہ کر سکے اور کسی ایک موقف پر بھی ان کی  
 یک رنگی میں تفرق نہ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت کی تمام دنیا حضرت ابراہیم کی پیری پر  
 مجبور ہو گئی۔ آپ کے دو بیٹے تھے، ساتھی اور آجیل، حضرت ابراہیم نے حضرت یعقوب کو وصیت  
 کی تھی کہ تم طہیت ابراہیمی کا اتباع کرنا۔ یہ ملت ابراہیمی کی ہے، حضرت ابراہیم کی اسلام اور  
 دوسرا نام ہے جن کا مطلب یہ ہے کہ نوع انسان کے لئے صرف اللہ کا قانون حکم ہوا اور وہی  
 سب قانون بنیامیٹ کر دینے جائیں۔ یہی معنی میں لیتے ہیں، علی الدن میں کلام کے  
 مسلمان اطاعت قانون الہی کی راہ میں کھڑے ہو جائیں اور ان کی اللہ کا قانون کہتا ہے  
 کروں تاکہ خدا کا دین تمام دینوں پر غالب آجائے۔ حضرت ابراہیم کے پیروں میں  
 بھی اسی سیدہ برقی اور اب مسلمان کا آخری فرسوں میں حضرت ابراہیم کے پیروں میں  
 خدا کے گھاٹے آثار میں، مسلمان نہ ہو کر انوں کے پیروں میں  
 نہ کسی اور انسان کے، قوم مسلم میں یا غیر مسلم  
 جو خدا اور انسان کے درمیان جاگرتا ہے اور ان کے

مسلمان کا فرض ہے کہ وہ توحید کی اس حقیقت کو سمجھے اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظوں کو سمجھ کر عمل کرے ہر نبوی امانت کے خوف و طمع سے بے نیاز  
ہو جائے اور اس کی زندگی بھی اللہ کے لئے ہو اور موت بھی اللہ کے لئے ہو۔

ہم سب بیبیوں پر ایمان لائے

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا

کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو آتا رہا گیا طرف ہمارا اور جو آتا رہا گیا طرف  
اِحْرَاحَهُ وَاسْمِعِينَ وَاسْمِعِينَ وَاسْمِعِينَ وَاسْمِعِينَ  
راہم اور اسمعیل اسمعیل اسمعیل اور انکی اولاد کی اور جو

اَوْحِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوحِيَ  
واکھ موصی اور عیسیٰ کو اور جو دیا گیا بیبیوں کو ان کے رب سے

عزیزان اسلام یہودی کہتے تھے یہودی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ نصاریٰ  
کے تھے نصاریٰ ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ ان دونوں گروہوں کے یہ اختلاف تھا

جائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا یہ بھی سلام کا طریقہ بیان کر  
دیکھے اس پر آپ نے فرمایا ہم یہودی گروہ ہندی میں متھا ہیں اور یہ نصاریٰ گروہ

ہندی میں ہمارا طریقہ ہے یہی حقیقت جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے فرماں بردار سے

رسول کے پاس ہے یہی حقیقت ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور  
ان پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہم ان تعلیموں کو سمجھتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ

حضرت اسمعیلؑ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ کو دی گئیں۔ ہم حضرت  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں کو بھی سمجھتے ہیں ہمارا یہ طریقہ ہے کہ ہم

کتابوں کو سمجھیں اور رسول کو سمجھیں ہاں ایک اسمانی کتاب بھی ہے اور  
اور

دوسری آسمانی کتابوں کو غلط قرار دیں ہم تمام ایسے بیوقوف کو بھی سچا مانے نہیں۔ یہ حضرت علی کو بھی سچا مانتے ہیں۔ ہم تمام پہلی کتابوں پر بھی ایمان لائے ہیں اور قرآن پر بھی ایمان لائے ہیں لیکن جھٹلاتے کسی کو نہیں ہیں۔ اس لئے کہ سب بیوقوف کا دین دراصل ایک ہی دین تھا۔ اگر کسی ایک نبی کو جھٹلایا جائے تو اس کے صاف معنی میں کہ خدا کا دین جھٹلایا گیا۔

عزیزان اسلام! اسلام کی ترقی اور کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے جھٹلاتے یا ایسی اختیار کی نہیں کی اور ہر معاملے میں ایسے عالم گیر اصول پیش کئے جس پر تمام دنیا کی قومیں جمع ہو جائیں۔ اسلام نے خدا کی تعریف یہ کی کہ وہ رب العالمین ہے یعنی تمام دنیا کی قوموں کو اپنے والا۔ اسلام نے رسول کی تعریف یہ کی کہ وہ رحمتہ للعالمین ہیں یعنی تمام دنیا کی قوموں کے لئے رحمت۔ اسلام نے دین کی تعریف یہ کی کہ وہ اللہ کا دین ہے یعنی سب انسانوں کا مشترکہ ورثہ۔ اسلام نے قرآن کی تعریف یہ کی کہ وہ قرآنی للعالمین ہے یعنی تمام دنیا کی قوموں کے لئے نصیحت۔

اس لئے کسی خاص قطعہ کو اپنا وطن نہیں بنایا بلکہ خدا کی عبادت ہی زمین کو تمام انسانوں کا وطن قرار دیا۔ اسلام کی وسعت و فراخی کا نتیجہ یہ تھا کہ تمام کی تمام قومیں خود بخود اسلام کی طرف حجاج آئیں۔ اور ایک برادری بن گئیں۔ اور پھر ان کے دین اسلام کی وسعت و فراخی پر کاروبار کرنے لگے تو اسلامی سلطنت کو کبھی زوال نہ ہوا۔ اور آج کل کے مسلمانوں سے اسلام کے داروں کا تنگ کر دیا۔ قرآن نے عبادت کی کائنات کو متوازن قرار دیا تھا لیکن ہم نے خود کو ان کے داروں کی کاروبار کیا۔ اسلام کا پیغام یہ ہے کہ میں ایک عالم گیر دین لائے ہوں جسے دنیا بھر کے بیوقوفوں نے جمع ہو کر تمام انسانوں کے لئے مان لیا تھا۔ لیکن ہم نے اس کو دنیا کی اور دنیا کی فتنوں اور دوسری ننگے دائرے میں بند کر دیا۔ اسلام نے عبادت کو دنیا کی اور دنیا کی فتنوں کے درمیان ان کی امتوں کو خدا کی اس تعلیم پر جمع کروا دیا۔ لیکن ہم نے اسے عبادت کے داروں کو اس کے تمام جمع نہیں کر سکے۔ ہم تمام نوجوان انسانوں کو لائے گئے تھے اور ان کے



اور ان کے سر میں ان کے سر میں بھرتے ہوئے ہیں یہاں تک کہ ان  
سے نیک بن لیا گیا ہے ہمارے بھائیوں کا ہمارے اخبارات  
دنیائی کالج بولتے ہیں ہمارے علماء اور لیڈر ایس میں دست و گریبان ہیں۔ سچ  
و ان اور مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ مسلمانوں کا جتنا ایک نہیں ہے۔ حالانکہ  
اس سے دین کی بنیاد ہی اتفاق و اتحاد ہے کہ کسی بھی تھی۔

سے مریضان اسلام اور ایک دفعہ پھر دین خداوندی کی طرف لوٹیں اور جس طرح  
خدا ایک ہے رسول ایک ہے، کتب اور قبلہ ایک ہے، اسی طرح خود بھی ایک ہو جائیں۔  
خداوند کے حکم دینے مسلمانوں بنا کر دیا، اس سے تباہی سے نکلیں اور اللہ  
کی کوئی عیب نہ ہو کر صحابہ کرام کی طرح پھر ایک قوم اور ایک جماعت بن جائیں۔  
اور کسی بھی کو نہ ٹھکراؤ

لا تفرقوا بیننا و بینکم من قبلہ و نحن کلد مسلمون  
میں فرق نہیں کر کے دو زبان کسی کے ات میں سے اور ہم اسی کے فرمانبردار  
ہوئے ان اسلام میں ات کے پہلے حصے میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان  
لائے اور ان کے ایمان کے ساتھ اور حج کی ات میں یہ کہا گیا ہے کہ میں یوں ہو  
ان کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے کہ ہم کسی ایک کو مانیں اور کسی دوسرے کو نہ  
تاریک کر کے ان کے مسلمان اور فرماں بردار ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ  
ان کو دوسرے سے جدا نہیں کرنا ہے۔ اس آیت سے بھی تعلیمات نازل ہوئی  
تھیں کہ مسلمانوں کے تسلیم کرنا ہے۔ مطالعہ قرآن سے ایب معلوم  
ہوئے ہیں کہ ہر وقت خدا کی طرف کی رہتی ہیں اور اس کا دل دماغ  
اور ہر چیز ان کے لئے ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خلق

صرف ایک خدا سے ہے اور اس کے دل کی توجہ ہر وقت خدا کے قانون کی طرف رہتی ہے اور جہاں بھی وہ کسی آسمانی صداقت کو دیکھتا ہے، اس کی اطاعت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔۔۔ عزیزانِ اسلام! قرآنِ پاک نے خدا کے بیوں میں کوئی تفریق نہیں کیا اور بقول مولانا ابوالکلام آزاد وہ کہتا ہے۔ خدا نے ہمیں ایک ہی جائزہ انسانیت دیا ہے لیکن تم نے طرح طرح کے بھیس اور نام اختیار کر لئے اور رشتہ انسانیت کی وحدت سینکڑوں ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ تمہاری نسلیں، انگ انگ ہیں۔ اس لئے تم نسل کے نام پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ تمہارے وطن سے بن گئے ہیں۔ اس لئے اختلافِ وطن کے نام پر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو۔ تمہاری قومیں بے شمار ہیں۔ اس لئے ہر قوم دوسری قوم سے دست و گریبان ہو رہی ہے۔ تمہارے رنگ کیساں نہیں اور یہ بھی بھلائی نفرت اور دشمنی کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا ہے، تمہاری بولیاں مختلف ہیں اور یہ بھی ایک دوسرے سے جدا ہونے کی بہت بڑی جھگڑت بن گئی ہے، پھر اس کے علاوہ امیر و فقیر ہو کر دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور اور زبردست کے بے شمار اختلافات پیدا کر دیئے گئے ہیں اور ان میں انتشار ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ۔ ایسی حالت میں بتاؤ کہ وہ کون سا رشتہ ہے جہاں اختلافات رکھنے پر بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے سے روکنا ہے کہ صرف ایک ہی رشتہ باقی ہے اور وہ خدا پرستی کا عقیدہ ہی رشتہ ہے۔ اگرچہ یہ ایک الگ ہو گئے ہو لیکن تمہارے لئے خدا ایک الگ الگ نہیں ہے۔ تم کے ایک ہی پروردگار کے بندے ہو، اس لئے تمہارے اختلافات رکھنے پر ایک رشتہ کی وحدت پر عمل کرنے پر تمہاری کوئی نسل ہو، تمہارا کوئی وطن ہو، تمہاری کوئی قومیت ہو، تم کسی دوسرے اور کسی ملک کے انسان ہو لیکن جب ایک ہی پروردگار کے بندے ہو، اس لئے تمہارے اختلافات کے باوجود تمہاری رشتہ تمہارے یہ تمام اور یعنی انسانیت کے علاوہ کوئی اور رشتہ نہیں ہے۔

کے دوسرے سے عزت پائیں گے، ہم محسوس کر رہے ہیں کہ تمام دنیا تمہارا وطن ہے، تمام نسل  
 ساری تمہارا گھر ہے اور تم سب ایک ہی رب، معلمین کے عیال ہو۔ اسی جلیل قرآن  
 اور احادیث کا حکم کی بناء پر تصدیق کو بھی بطور ایک دلیل کے پیش کرتا ہے یعنی دکھاتا  
 ہے کہ ان میں سے ہر علم و دوسری کی تصدیق کرتی ہے۔ جھٹلاتی نہیں اور جب ہر علم  
 دوسری کی تصدیق کرتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ان تمام تعلیمات کے اندر کوئی  
 بات ہی قائم اور ثابت حقیقت ضرور لازم کر رہی ہے، اسی حقیقت کا نام اسلام ہے اور مسلمان  
 وہ ہے جو اس حقیقت کو تسلیم کرے اور یہ اعلان کرے کہ ہم خدا کے پیروں میں کوئی تفریق  
 نہیں کرتے، ہم ان سب کو سب مانتے ہیں۔ اگر اسلام یہ اعلان نہ کرتا تو وہ نصف صدی  
 کے اندر اندر آدھی دنیا کو فتح نہ کر سکتا۔ اسلام نے دنیا کو طوار سے فتح نہیں کیا، بلکہ اپنے  
 پیروں سے فتح کیا ہے۔

بے خدمت گئی اور خدا پر پھرو کہ

فَاتُ أَمْنُوا بِمَثَلِ مَا آمَنْتُمْ بِهُ فَقَدْ وَكَلْتُمُ  
 بَرَاءً كَذِبًا وَأَيُّكُمْ يَخْفَىٰ مَا كُنْتُمْ  
 بِأَعْيُنِكُمْ قَائِلِينَ بِإِيمَانِكُمْ بِيَوْمِ  
 الدِّينِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْكُمْ  
 عَذَابًا أَلِيمًا

اور اگر وہ ایمان دین ماننے کے لئے اس پر تو وہ ہدایت پائے  
 گے اور ان کو کفر سے لے کر ایمان تک پہنچانے کے لئے  
 تم نے ان کو کفر سے لے کر ایمان تک پہنچانے کے لئے  
 ان کے ایمان کے لئے اور ان کے ایمان کے لئے اور ان کے ایمان کے لئے  
 ان کے ایمان کے لئے اور ان کے ایمان کے لئے اور ان کے ایمان کے لئے  
 ان کے ایمان کے لئے اور ان کے ایمان کے لئے اور ان کے ایمان کے لئے  
 ان کے ایمان کے لئے اور ان کے ایمان کے لئے اور ان کے ایمان کے لئے

تم عیسائی ہو اور انجیل کو ماننے ہو تو میں بھی اس کا منکر نہیں ہوں۔ اگر تم کسی دوسرے  
 سول کے پیرو ہو تو میں تمہیں اس سے بٹانا نہیں جانتا بلکہ میرا مطلب تمہیں کہ  
 تم تورات یا انجیل کے پیرو بن جاؤ۔ میں تمہیں تمہارے سول کو اول تسلیم کرتا ہوں  
 کرتے آیا ہوں۔ تمہیں بدول بار و گروہان کو جسے نہیں آیا ہے میرا سلام کہ اس سلام کے  
 بعد یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ حق نہیں تھا کہ وہ انکار کرتے یا اسلام کی مخالفت کے لئے  
 تیار ہوتے۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ اب اوس کی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر  
 یہ لوگ آپ کے صاف صاف اعلان کے بعد آپ ہی کی طرح مسلمان بن جائیں تو آپ  
 جھگڑنے ختم ہو جائیں گے اور یہ لوگ کامیابی کے حق واد ہوں گے۔ لیکن اب بھی مخالفت کے لئے  
 رہیں۔ تو سمجھیے کہ ان کے معنی ہونے کا کوئی امید نہیں ہے۔ یہ صرف عناد اور ہٹ  
 دھرمی ہیاز سے ہوتے ہیں۔ آپ انہیں اڑا رہے دیکھئے اور اپنے کام میں سرگرم ہو جائیے  
 اللہ تعالیٰ کی امداد آپ کے لئے کافی ہوگی۔ آپ کے ساتھ جو کچھ ماجرا گذر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ  
 اس کو سن رہا ہے۔ اور آئندہ زمانے میں منکرین اسلام کی جو حالت ہوگی اور امت  
 مسلمہ کو جو ترقیاں ملنے والی ہیں۔ وہ انہیں بھی جاننے سے  
 عزت ان اسلام بخور فرمائیے، اسلام کی راہ کو سیدھی جائے اور مسلمانوں کو ان کے  
 اور عناد سے کس قدر دور واقع ہونے سے بچنے کے لئے کہ ان کے اسلام سے دور ہوں اور ان  
 کو ان کی اصل کتاب پر اور ان کے نبیوں کی اصل تعلیم پر وہ کام کرنے کے لئے اور ان  
 مطلب نہیں رکھنا۔ اس کے بعد یہ کہا گیا کہ وہ اپنے ہم زبانوں کو ان کے حال  
 پر بخور دینا چاہئے۔ اور خود مسلمانوں کو اسلام کی امانت اور ساری باتیں  
 جاننا چاہئے۔ چونکہ اس راہ میں بھی سوز اور اللہ تعالیٰ کے سزاوار ہونے کے  
 سزاوار ہیں۔ چنانچہ آئے والی تعین۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے



ہیں، جن پر خدا تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے اور جن سے یہ منلیم ہوتا ہے کہ خدا کی قدرت سے  
 رہنا کیسا ہے؟ مثلاً پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ نشیب کی طرف بہنا پانی کی طرف نشیب سے بہنا  
 پانی نشیب کی طرف بہتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مشاہد ہی عقلی ہے الہین اور پھر  
 میں ایک لگاؤ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی مشاہد ہی کہ والدین بچوں پر  
 شفقت کریں اور بچے والدین سے ادب و محبت کا برتاؤ رکھیں۔ اگر ہم زمین و آسمان،  
 چاند، سورج، پانی، حیوان، انسان، ہمایہ، والدین، مرد، عورت، معلوم اور ظالم و غریبی  
 حالتوں اور کیفیتوں پر غور کریں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر معاملے میں اللہ نے کیا چاہا اور کیا چاہتا  
 ہے؟ پس اسی علم کا نام علم دین ہے، یعنی خدا کی رضا کا علم۔ چون کہ وہ خوبی حالات کی تبدیلی  
 کے باعث انسان کی عقل اور خراج ہر وقت دیگر گون رہتی ہے۔ اس واسطے ہر وقت ایسا  
 تھا کہ انسان قدرت الہی کے فضل سے عقلی کرے گا۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے پیغمبروں  
 و رسل سے اپنی رضا اور وقت کا پورا علم انسان کے سامنے کھول دیا ہے۔ اسی علم کا نام  
 عالمگیر صداقت ہے۔ اسی کو "الدین من اللہ" کہتے ہیں۔ یہی وہ بات ہے  
 جو ذرا انسان تک سزاوار ہے پیغمبروں کے بھی الیٰ گئی اور یہی اللہ کا رنگ ہے۔

عزیزان اسلام! چون کہ ہر نفس کے اندر ہے، ہر نفس میرے سے کہ انسان خدا کے لگاؤ  
 رنگا جائے اور پھر اسی خدا و ملائکہ سے بنا ہے، پس اس میں اسی طرح خدا کی نیابت کر سکتا ہے  
 خود خداوند تعالیٰ اسی لاجد و غایبوں کے ساتھ اور وہ جس کا کہنا ہے، آپ آئندہ خود  
 کے اندر خدا تعالیٰ کی کار فرمائیوں کا نشان کریں۔ اس لئے کہ یہ اللہ کا سورج اور ستاروں  
 دکھیں، اس لئے کہ یہ جہوں، بیویوں اور سکڑاؤں کے ذریعے سے رادوں سے سزا دہوں  
 دریاؤں پر نظر کریں، اللہ اور پھر اسی رادوں کے ذریعے سے اللہ کی اس نعمت کی اس نعمت سے  
 کریں، جس سے یہ باکھل جائے اور ہر ماہ کے لئے اس کے لئے اس کے لئے



انہیں کہہ دو کہ تمہیں ایسی طرف سے بھی نہیں بن گیا یہ کام تو خدا کا کام ہے۔ کلام اللہ کے  
 بھگوتے ہو کہ اس نے مجھے ہی کیوں بنایا؟ کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ صرف تمہارا ہی نہیں  
 نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا بھی خدا ہے؟ اگر وہ تمہاری قوم میں ہی پیدا کیوں ہے تو وہ ہمارے  
 میں بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن اب اس بحث سے کیا حاصل؟ فیصلہ کن چیز تو حقیقت  
 اعمال ہیں تمہارا فیصلہ تمہارے اعمال کریں گے اور ہمارا فیصلہ ہمارے اعمال کریں گے  
 یہ واضح رہے کہ ہمارے عملوں میں ہمارا دین غلاموں صرف اللہ کے لئے ہے۔

عزیزان اسلام! پہلی آیت میں کہا گیا تھا "وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ لِلدِّينِ حُرْمَةً" یہ آیت  
 فرض شناس قلام ہیں۔ اب کہا گیا "وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ لِلدِّينِ حُرْمَةً"۔ ہم دین کی راہ میں جو کچھ  
 کر رہے ہیں، وہ صرف اللہ کے لئے ہے۔ عبادت کہتے ہیں، ان چیزوں کو خدا کی راہ  
 طرف سے بندوں پر عاید کئے گئے ہیں۔ اور اخلاص کہتے ہیں۔ اس نیت کو جس کے ہمت  
 کوئی فرض دیکھتا جاتا ہے۔ اللہ کے رنگ میں رنگین ہو کر اسے براہین حیات کو بجا لانا  
 عبادت ہے اور براہین حیات کی بجا آوری میں خدا کی فرستادگی اور کھلا کھانا اور کھانا  
 اخلاص ہے۔ کوئی فرض شناسی ایسی نہیں ہے جو اخلاص کے بغیر ہو اور قبول ہونے

عزیزان اسلام! حدیث شریف میں آج سے کہ عبادت کے دن کوئی عبادت نہ کرے  
 الہی میں پیش ہوں گی۔ ایک جماعت کہنے لگی کہ اللہ نے ہم کو ہمارے لئے اور ہمارے لئے  
 میں جہاد کیا تھا۔ حکم ہو گا یہ جو ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے  
 کئی حافظوں، قادیوں، مؤذنون اور ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے  
 بخاری کی مشہور حدیث میں ہوگی "انما الدین بالذیات" اور اللہ نے ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے  
 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل اور نیت اور ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے  
 ہمارا عمل کریں لیکن اگر نیت کی نیت میں ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے ہے



وہ کہنے کے ساتھ ان کی رشتہ بڑی مصیبتیں دو میں۔ اول کہ یہ کہ ہماری ساری قوم  
 نے عطا فرمائے گا یہی نہ کہہ کر ہی ہاں نہ کہی میں۔ امر دوم یہ کہ اگر شاؤ لوگ عمل کہتے ہو ہیں۔  
 ان کے لئے سزا ہے مگر میں ہاں میں، ریا اور خود فریضی کے ہوا اور کچھ نہیں ہوتا یہ میں ہمارے  
 عمل کرنے کا نتیجہ ہے اور عمل کرنے کا نتیجہ نفاق و فساد اور بے وفائی ہے۔  
 یہاں کہہ کر انہی نے تم کو مرخص کیا یہی کے ساتھ اخلاص کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

## ۱۸۵۔ مخز آباؤ سے گریز

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَ  
 یحییٰ و یونس و ابراہیم اور اسمعیل اور یونس اور  
 یحییٰ و ابراہیم و یونس کا خدا ہوا اور ان کے بچوں کو  
 یحییٰ اور ابراہیم و یونس کے بچوں کا خدا بنا دیا جانتے تو پھر اہل کتاب اس مبارک  
 معجزہ کے لئے ان کی بیعت کے لائق بنا دیا جانتے تو پھر اہل کتاب اس مبارک  
 معجزہ کے لئے ان کی بیعت کے لائق بنا دیا جانتے تو پھر اہل کتاب اس مبارک  
 معجزہ کے لئے ان کی بیعت کے لائق بنا دیا جانتے تو پھر اہل کتاب اس مبارک  
 معجزہ کے لئے ان کی بیعت کے لائق بنا دیا جانتے تو پھر اہل کتاب اس مبارک  
 معجزہ کے لئے ان کی بیعت کے لائق بنا دیا جانتے تو پھر اہل کتاب اس مبارک  
 معجزہ کے لئے ان کی بیعت کے لائق بنا دیا جانتے تو پھر اہل کتاب اس مبارک  
 معجزہ کے لئے ان کی بیعت کے لائق بنا دیا جانتے تو پھر اہل کتاب اس مبارک

ہیں کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے بھی زیادہ بگڑے ہیں اور اس سے بڑا ظلم اور  
 کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا سمجھیں۔

عزیزان اسلام! واقعہ یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ اور اس کے بیٹے کی بناؤنے سے  
 بہت پہلے گذر چکے تھے۔ لیکن اس واقعہ کے باوجود یہودیوں کو کئی برس کے بعد کہ حضرت  
 ابراہیمؑ یہودی ہیں۔ اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ آپ عیسائی ہیں۔ معصومان کا یہ تھا کہ  
 وہ باپ و دادا کے نام سے پکار کر رہیں۔ اور یہی آیت میں مذکور ہے ان گنہ گاروں کو  
 بھی یاد فرمایا ہے اور ان کے آباؤ اجداد کے لئے گواہی دے کر دیا ہے۔

عزیزان اسلام! انسان کی اصل تفاوت اس کے ذہنی عمل پر مشروط ہے لیکن  
 وہ قوم میں جن کے پاس اپنے ذاتی اعمال کا فرق موجود ہے اور ان کے دل میں کہہ ساری ذات  
 بہت توجہ ہے کبھی یہ کہتی ہیں کہ ہمارے دادا اعلان مارا تھا جس کے وزیر تھے اور انہوں  
 نے ان سے بڑی عزت کی تھی۔ آپ ان سے پوچھیے کہ تم نے اس کے لئے اس کا دادا بڑے  
 بزرگ بڑے امیر بڑے عالم اور بڑے صاحب اقتدار کے لئے کیا کیا ہے؟ کیا  
 آپ بھی ایسے ہیں یا اگر آپ خود جاہل ہوں تو آپ کے داداوں کا نام پوچھا تو وہ دنیا  
 میں آپ کی کیا یاد اور کرتا ہے؟

مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسے آثار و احوال کے نام سے پکارنا اور ان کی  
 بزرگیوں پر ہر وقت جھوٹے رہنا پر لے رہنے کی طاقت اور احوال سے اور اسلامی تعلیم  
 سے اس کا جو تعلق بھی نہیں ہے۔

عزیزان اسلام! فرقہ اور فرقہ وارانوں کی اور سب سے بڑے فرقہ وارانوں کا  
 فرقہ وارانوں کا فرقہ ہوتا ہے کہ اگر ہمارے دادا اور والدین نے اسے پوچھا تو وہ دنیا  
 میں گنہ گاروں کے نام سے پکار کر رہیں گے اور ان کے نام سے پکار کر رہیں گے۔

ایک بڑا ہی بڑا کام کر سکتا ہے، زندہ قومیں اپنی موجودہ عزتوں سے اپنے  
 باپ دادا کا نام بڑھاتا کرتی ہیں۔ لیکن مرہ قومیں اپنی وقت و خواہی سے اپنے بندگان  
 پر غلبہ کر کے اپنی بین المسلمانوں کو چاہتے کہ وہ باپ دادا کی بڑائی پر غور کرنے  
 کی بجائے وہ اپنی ذات میں عزت اور بزرگی کی شان پیدا کریں۔ جیسا کہ اسلام کے ذریعے  
 عزت کے ہر ذوق کے لیے اپنے اندر عزت کی شان پیدا کی اور یہ اسی وقت ہوگا کہ جب  
 مسلمان اپنے اعمال کو درست کر لیں۔

### بے شہادت الہی

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَبَ شَهَادَةً عِنْدَهُ  
 اور کون بڑا ظالم اس سے جس نے جھپٹائی  
 گواہی جو اس کے پاس ہے  
 مَا آتَاهُ اللَّهُ بِعَاقِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ۔

اور جو اس سے اللہ نے غیر اس سے جو تم کرتے ہو۔  
 عزیزان اسلام! حضرت ابراہیم کے ذکر سے جو آئین شروع ہوتی ہیں۔ ان  
 کے ذکر میں ہماری شہادتیں ملتی ہیں اور مذہبی فرقہ بندیوں پر دین کی  
 شہادت واضح کر کے ہمیں ایک کر دیا جائے۔ ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ  
 اللہ کے لیے ذکر کا سبب کیا ہے؟ کتاب میں کیوں آتی ہیں؟ بیٹوں کا ایک دوسرے  
 کو کھینچنے والے، حضرت ابراہیم نے اسلام کی بنیاد کیوں ڈالی؟ پھر اسلام کو  
 پھیلانے والے تھے؟ کیا ان کا دزم اٹھانے؟ پھر مذہبی جھگڑے کیوں پیدا ہو گئے؟  
 ان جھگڑوں کے نتیجے میں کیا طریقے سے؟ ان سب مباحثوں کی غرض یہ ہے کہ  
 اللہ کے آداب و شان پر غور کریں۔ مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے  
 کے لیے جان لیوا اور ایسا کرنا انسان کے ساتھ نفرت کرتا ہو تو ہے۔

عزیزانِ اسلام! اس دنیا میں بے شمار چیزیں ہیں جو انسانوں میں  
 ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً زبانوں کا اختلاف ہے۔ جس نے انسانی جماعت کے  
 تقریباً پیداکر رکھی ہیں۔ پھر نسلوں کا اختلاف ہے۔ جس سے ایک نسل پھر دوسری نسل کی  
 دشمن بنی ہوئی ہے۔ پھر رنگ اور وطن کا اختلاف ہے۔ جس سے انسانی برادری کے  
 بے شمار ٹکڑوں میں تقسیم ہیں۔ اور ایک دوسرے سے لڑنے میں مذہب اور  
 کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان تمام اختلافات کے درمیان صلح کر لے لیکن اگر مذہب اور  
 بھی خود تفریق کا ذریعہ بن جائیں تو پھر انسانوں کے اتحاد و اتفاق سے ناامید ہو جانا چاہیے  
 کیونکہ یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ زبانوں کا اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اگر تو اگر کسی  
 قوم کے اور میں کے رہنے والے ہوتے ہیں۔ اسی طرح زبانوں کا اختلاف بھی ہو نہیں سکتا  
 بشرطوں کا رنگ ہمیشہ سیاہ رہے گا اور جہنم کا منبع و منبع اسی طرح نسلوں کا  
 بھی دور نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ یہودی حضرت اسمعیل کی اولاد اور عیسائیوں کے  
 عربی حضرت اسم کی۔ وطنوں اور ملکوں کے اختلاف کی بھی یہی صورت ہے۔ اس لیے ان  
 پیدا ہو گا۔ پھر یہ انسانی اتفاق و اتحاد سے ناامید ہو جانا چاہیے۔ اگر انسانوں میں  
 عملی صورت کیا ہے۔ دین اور مذہب اسی ہے۔ ان کا اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اگر انسانوں میں  
 ایک مشکل کامل میں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انسانوں کا اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اگر انسانوں میں  
 نہیں ہو سکتے تو کچھ پروا نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انسانوں کا اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اگر انسانوں میں  
 چونکہ تمام انسانوں کی نعمت ایک ہے۔ اس لیے  
 ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک اور ایسے  
 ان کی اور ایک ہو سکتی ہے۔  
 مذمت اور کے برابر۔

یہاں تک کہ کلام کر سکتی ہے۔ آیت گنہی ہے کہ یہی دین اللہ کی گواہی ہے۔  
 میں نے یہ سنا ہے کہ وہ اور کہتی ہیں جو اللہ کی گواہی (دین) کو جیہانے ساگر ہو ہی جا  
 کر اور اللہ کی گواہی (دین) کو نہ جیہانے۔ تو وہ اسی طرح قرآن کو  
 جیہانے پر مجبور ہوئے جس طرح کہ ہم مسلمان تو رات اور اپیل کو ماننے پر مجبور ہیں۔ اس نے  
 تمام آسمانی کتابوں کا اصل سرچشمہ ایک ہے۔ یعنی خدا کی ذات۔ پھر صیرت ہے کہ اہل  
 اللہ ایک کون ہیں ہوتے، اسلام کی دعوت ہی ہے کہ وہ ایک ہو جائیں۔

### ۱۰۔ خدمت جماعت

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ  
 کہ ایک آیت بھی ہے کہ گزری اس کے اسے جو اس نے کہا اور تھرا واسطے  
 اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے بعد اس کا ہوا بعمدوں کا  
 کہنے لگایا اور میں نے یہ جانتے نام اس سے جو مجھے وہ عمل کرتے۔

یہاں اسلام آیت کے سبب سے کی آری آیت ہے۔ اس آیت کا آخری ہونا  
 ایک آیت ہے اور اسے ایک فرقہ ہے۔ آپ صحت خاتر کی اس سے بہتر مثال پیش  
 کی ہے۔ یہاں سے اپنے کلام کے حصہ اول کو ایک ایسی آیت پر ہم کیا ہے۔  
 کہ آسمان اسی پر قائم رہتا ہے۔ تو یہ اس کی کامیابی کے لئے کافی ہوگی  
 کہ میں کہوں اور کفار کے کہنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ یہ تو میں تھیں جو  
 اللہ کے رسولوں کے لئے لگے کہ آیا تم ان کے لئے ہوگا۔ اور جب کہ تم  
 اللہ کے رسولوں کے لئے ہوگا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہما میں  
 اللہ کے رسولوں کی ضرورت وہ ہیں۔ انہما میں کی جو اہل  
 اللہ کے ہیں۔ ایک شخص جو اللہ کے لئے ہے وہی اللہ کی طرف

ملی جاتی ہے۔ دوسرا شخص قتل کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو یہ ایسی یا جاتی ہے۔ ایسی طرح تو  
 جماعتیں اور حکومتیں بھی اپنے عمل اور فیصلے کی وجہ سے لواب یا عذاب میں مبتلا  
 ہیں۔ مثلاً ایک شخص خیانت اور بد نظمی میں مبتلا ہوتی ہے۔ اس کی ساتھ ضرور ختم ہوا  
 جائے گی اور آئندہ کھلے اسے کوئی چوہہ نہیں دے گا۔ ایک حکومت ظلم اور نا انصافی  
 کا ارتکاب کرتی ہے۔ اس کی رہنمائی ایک دن ضرور اس کے مقابلہ میں کھری ہوگی اور  
 اسے ملک میں بغاوت پھیلے گی۔ محقر یہ کہ جن طرح شخصی گناہ کی سزا شخص کو ملتی ہے۔  
 طرح جماعتی گناہ کی سزا خود پوری کی پوری جماعتیں سگکتی ہیں۔ پس انخاص یا افراد کو  
 ہی فرض نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی اعمال کو درست رکھیں۔ بلکہ ان کا اس سے بھی بڑا  
 یہ ہے کہ وہ اپنے جماعتی مزاج کو بھی درست رکھیں۔ اور ایسی شخصی رُوح کی طرح  
 جماعتی رُوح کو متعبد اور خواب نہ ہونے دیں۔ کیوں کہ جن قوم کی جماعتی ذمیت ظالم  
 یا بزدل یا متعصب ہو جاتی ہے۔ اس کا تہاڑہ اس جماعت کے ہر فرد کو بھی سگکت  
 پڑتا ہے اور اس کے علاوہ بین الاقوامی تعلقات خراب ہو کر تمام نوع انسان پر  
 کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس کی مثال خود ہندوستان میں موجود ہے۔ نوع ہندو  
 کی جماعتی رُوح تعصب اور بڑولی اور نا انصافی کے اثرات سے مغلوب ہے۔ نتیجہ  
 یہ ہے کہ ہر مذہب شامی اور ہماہر ہو یا بڑولی اتحاد پروردگاریوں یا فرقہ پرستوں کے  
 گرفتار ہے اور اس کے علاوہ دنیا بھر کی قومیں ہمارے اس تہاڑے کا تہاڑہ سگکت  
 ہیں۔ ہم خود ہی مصیبت کا شکار نہیں ہیں بلکہ ہمارے دور کے تمام زمانے اسلام کی  
 کا شکار ہے اور اس کے علاوہ تمام قومیں بھی متلائے سگکت ہیں جن کے تعلقات  
 انگریزوں کے خوشگوار نہیں۔ اس سارے وقت کا مطالعہ کریں کہ ہمیں کون سا  
 علاوہ جماعتی اصلاح کی بھی کوشش کرنی چاہئے۔ اور اگر اس علاوہ کی  
 درست نہ ہو۔ تو دہائی اصلاح کے سہارے

مرحوم کی خطبات و تصانیف  
سیرت بکٹ پوڈ لاکھ پور محفوظ ہیں

# دریں قرآن

37

پارہ اول الم

از قلم

قاضی عبدالحمید قریشی مرحوم

بانی تحریک یوم النبی، سیرت کینیڈا، اخبار ایمان بیٹی  
مؤلف مصنف کتب مشہورہ اسلام زندہ باد، اسوۂ ابراہیم،  
خطبات جمعہ، پیغام قرآن، انسانیت موت کے دروازے پر،  
وغیرہ وغیرہ

مطبوعہ بہ اہتمام

قاضی عبدالحمید قریشی برادر حقیقی قاضی صاحب مرحوم  
سیرت بکٹ پوڈ لاکھ پور

قیمت تین روپے چھ آنے